اِنسان اور کالے پیلے عُلوم

خرابیٔ عقائد کا ذریعہ بننے والے
ماورائی علوم کا جائزہ و تحقیق

حافظ مُبشّر حسین حفظہ اللہ

حافظ مبشر حسین

فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ
FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.
New Delhi - 110002

انسان اور کالے، پیلے علوم

مصنف

حافظ مبشر حسین

باہتمام

(الحاج) محمد ناصر خاں

فرید بُک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

Corp. Off : 2158, M.P. Street, Pataudi House, DaryaGanj, New Delhi-2
Phone : (011) 23289786, 23289159 Fax : +91-11-23279998
E-mail : faridexport@gmail.com - Website : www.faridexport.com

Insan Aur Kale Peele Uloom

Author:
Hafiz Mubashshir Husain

Edition: **2013**

Pages: **228**

Our Branches:

Delhi : Farid Book Depot (Pvt.) Ltd.
422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6
Ph.: 23256590

Mumbai : Farid Book Depot (Pvt.) Ltd.
216-218, Sardar Patel Road, Near Khoja Qabristan,
Dongri, Mumbai-400009
Ph.: 022-23731786, 23774786

Printed at : Farid Enterprises, Delhi-2

آئینۂ کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمة الکتاب

انسان کی فطرت ہے کہ وہ مستقبل کے حالات و واقعات پیشگی معلوم کر لینا چاہتا ہے حالانکہ مستقبل کے جملہ اُمور پردۂ غیب میں ہیں جن کی کنہ وحقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر انسان کو یہ تجسس ضرور رہتا ہے کہ وہ ان غیبی امور کے بارے میں کسی نہ کسی طرح رسائی حاصل کر لے۔ حتیٰ کے حضرات انبیاء و رُسل، جنہیں اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے وقتاً فوقتاً بہت سے غیبی امور سے مطلع کر دیا کرتے تھے، اس کے باوجود، ان میں بھی تجسس کا یہ فطری مادہ پایا جاتا تھا مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قطعی طور پر یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو فنا کرنے کے بعد روزِ قیامت پھر انہیں زندہ کر کے ان سے حساب لیں گے مگر اس کے باوجود انہیں ایک تجسس تھا کہ قبل از وقت یہ دیکھ لیا جائے کہ آخر کس طرح اللہ تعالیٰ انسانوں کو زندہ کریں گے۔ چنانچہ اسی مقصد کے لیے وہ اللہ کے حضور یہ گزارش کرتے ہیں:

﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ [سورة البقرة: ٢٦٠]

''اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: ''اے میرے پروردگار! مجھے دکھایئے کہ آپ مُردوں کو کیسے زندہ کریں گے؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تمہیں اس پر یقین نہیں ہے؟'' ابراہیمؑ نے جواب دیا: ''یقین (ایمان) تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''چار پرندے لو اور ان کے ٹکڑے کر ڈالو، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو، پھر انہیں پکارو تو وہ (پرندے زندہ ہو کر) تمہاری طرف دوڑتے ہوئے آجائیں گے۔ اور جان لو کہ اللہ غالب ہے، حکمتوں والا ہے۔''

مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس طرح کیا کہ چار مختلف پرندے لیے اور انہیں ذبح کر کے ان کے ٹکڑے مختلف پہاڑوں پر رکھ دیے، پھر اللہ کے حکم سے جب انہیں آواز دی تو واقعی وہ پرندے زندہ ہو کر ان کے سامنے آ گئے۔

اس طرح جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ذبح ہونے والے پرندوں کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کر دکھایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسی فطرتی جذبے کی گویا تسکین ہو گئی۔

آج بھی بے شمار لوگوں میں غیب دانی اور مستقبل بینی کے حوالے سے مختلف رجحانات پائے جاتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کو آپ نے دیکھا ہو گا کہ وہ اپنے کسی بھی اہم کام مثلاً شادی، کاروبار، وغیرہ سے پہلے یہ معلوم کرنے کے شدید خواہش مند ہوتے ہیں کہ ان کے لیے اس کام میں فائدہ ہے یا نقصان۔ اگر فائدہ ہے تو اس کام کو کر لیا جائے ورنہ اس کا نعم البدل تلاش کیا جائے۔

اسی طرح بعض لوگوں کو مستقبل بینی اور قسمت شناسی کا تجسس ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ معلوم ہو جائے کہ میری قسمت کیسی ہے؟......اچھی ہے یا بری؟......میں مالدار بنوں گا یا نہیں؟......اگر بنوں گا تو مجھے مال کس طرح حاصل ہو گا؟......میری شادی کامیاب ہو گی یا نہیں؟؟......میرے گھر بیٹا پیدا ہو گا یا بیٹی؟؟...... میری عمر کتنی ہو گی؟؟......میرا آئندہ ہفتہ کیسا گزرے گا؟؟......وغیرہ وغیرہ۔

جب کہ تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ کاہن، نجومی، عامل، جادوگر، دست شناس وغیرہ بھی ہمارے معاشرے میں پائے جاتے ہیں جو لوگوں کی مستقبل شناسی کی نفسیات سے فائدہ اٹھانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ یہ عامل قسم کے لوگ گویا اپنے آپ کو 'غیب دان' اور 'مستقبل شناس' ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لیے بوقتِ تشہیر یہ اس طرح کے دعوے کرتے ہیں: ''جو پوچھو، سو بتائیں!''......''قسمت معلوم کریں!'' ......''ہر طرح کی کاٹ پلٹ کے ماہر!''......''محبوب آپ کے قدموں میں!''......وغیرہ وغیرہ۔

ان عاملوں نے باقاعدہ کاروبار بنا رکھا ہے اور جاہل عوام کو لوٹنے کے لیے، یہ طرح طرح کے حربے اختیار کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض ان میں سے اتنے چالاک اور ہوشیار ہوتے ہیں کہ وہ سمجھدار اور پڑھے لکھے لوگوں پر بھی ہاتھ صاف کر جاتے ہیں۔ اور بعض اپنے اس دھندے کو پھیلانے اور مضبوط بنانے کے لیے قرآن و سنت کے نصوص (متون) میں تحریف کرنے، قرآنی آیات کو الٹ پلٹ کر لکھنے اور ان کی بے حرمتی کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے......!![نعوذ باللہ!]

اب یہی کام پڑھے لکھے طریقے سے کیا جانے لگا ہے۔اس کے مختلف پہلوؤں کو مختلف علوم کے نام دے دیئے گئے ہیں۔ بڑے بڑے ادارے بنا کر وہاں یہ کورسز کرائے جا رہے ہیں۔بعض انہیں سائنٹیفک علوم ثابت کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔بعض لوگ اسے روحانیت اور ماورائی علوم سے تعبیر کر رہے ہیں۔ بعض لوگ قرآن وسنت سے اس کے قلابے ملا رہے ہیں۔

راقم نے ان نام نہاد عاملوں، نجومیوں، کاہنوں اور جادوگروں وغیرہ کا قرآن وسنت کی روشنی میں پوری دیانت داری کے ساتھ تجزیہ کیا ہے اور ان کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں سے پردہ اٹھانے کی پورے خلوص کے ساتھ کوشش کی ہے۔اس سلسلہ میں اس موضوع پر دستیاب لٹریچر کے علاوہ کئی ایک نجومیوں، عاملوں، جادوگروں اور خودساختہ اور شیطانی ماورائی علوم کے دعوے داروں سے براہِ راست تبادلہ خیال بھی کیا گیا، ان کے طریق واردات کو سمجھنے کی کوشش بھی کی گئی، تا کہ اس سلسلہ میں جو لوگ غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے ہیں، ان کی غلط فہمیاں دور کرنے کی صحیح کوشش کی جا سکے۔اور جن لوگوں کے اسلامی عقائد ونظریات میں ان ماورائی یا شیطانی علوم کی وجہ سے خرابیاں در آئی ہیں، اس کتابی کوشش کے ساتھ ان کی اصلاح ہو سکے۔

پردۂ غیب (ماورائی) اور مستقبل کی باتیں جاننے کے ذرائع

اس بات میں کسی مسلمان کو کوئی شک نہیں ہونا چاہیئے کہ 'غیب' کا علم صرف اور صرف اللہ کی ذات کے پاس ہے۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر دوٹوک الفاظ کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے تا کہ کسی قسم کا کوئی ابہام باقی نہ رہے۔اس سلسلہ کی ایک آیت ملاحظہ ہو، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ﴾ [سورۃ النمل :٦٥]

''(اے نبیؐ!) کہہ دو کہ جو مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے، ان میں سے کوئی بھی غیب کا علم نہیں رکھتا، سوائے اللہ تعالیٰ کے۔''

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوقات میں سے کوئی بھی غیب کا علم نہیں رکھتا۔البتہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو کسی خاص مقصد کے لیے اپنی مخلوق میں سے بعض کو غیب کی کچھ باتیں بتا بھی دیتے ہیں یا غیبی امور تک رسائی کی کوئی صورت کسی کے لیے ممکن بھی بنا دیتے ہیں۔جن ذرائع سے ایسا ممکن ہوتا ہے، ان کی بالعموم پانچ صورتیں بن سکتی ہیں یعنی:

(۱) وحیِ الٰہی۔(۲) وحیِ شیطانی۔(۳) خواب۔(۴) اِلہام۔(۵) قرائن وآثار۔

ان کے علاوہ باقی صورتیں کسی نہ کسی پہلو سے یا تو انہی کے ذیل میں داخل ہیں یا پھر ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

زیرِ نظر کتاب کے ابتدائی ابواب میں انہی پانچ صورتوں کی تفصیلات قرآن وسنت کے مستند دلائل کی روشنی میں مہیا کی گئی ہیں اور اس سلسلہ میں جہاں جہاں حقائق کو مزید واضح کرنے اور غلط فہمیوں کو رفع کرنے کی ضرورت تھی، وہاں اسے ضرور مدنظر رکھا گیا ہے۔ جب کہ باقی ابواب میں موضوع سے متعلقہ دیگر مباحث پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس ضمن میں بہت سے ماورائی علوم بھی زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔

یہاں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ غیبی و ماورائی اُمور سے متعلقہ ان پانچوں ذرائع کا خلاصہ چند سطروں میں پیش کر دیں۔

۱)......وحیِ الٰہی

قرآن وحدیث کے مطالعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مواقع پر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے نبیوں کو غیب کی باتیں بتائی ہیں اور یہ صورت انبیاء ورسل کے لیے خاص ہے، کسی اور کے بارے میں یہ دعوٰی نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے پاس اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے۔

ہماری اس کتاب کا بنیادی موضوع چونکہ غیبی امور تک رسائی سے متعلقہ ماورائی علوم کے گرد گردش کرتا ہے، اس لیے ہم نے پہلے باب میں وحیِ الٰہی کے حوالے سے ایک مختصر بحث پیش کی ہے تا کہ ایک طرف وحیِ الٰہی کی قطعیت واضح کی جا سکے اور دوسری طرف وحیِ الٰہی کی روشنی میں دیگر کالے پیلے اور ماورائی علوم کا تجزیہ وتقابل کر کے ان کی حقیقت واصلیت اور حدودِ کار کا تعین کیا جا سکے۔

۲)......وحیِ شیطانی

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں انسانوں اور فرشتوں کے علاوہ ایک اور مخلوق یعنی شیاطین و جنات کو بھی پیدا کیا ہے اور انہیں بہت سے اختیارات بھی دیئے ہیں، حتی کہ انہیں اتنی طاقت بھی دی گئی ہے کہ یہ آسمانوں پر جا سکیں اور وہاں اللہ تعالیٰ کی مجلس میں ہونے والی باتیں اور فیصلے چوری چھپے سن سکیں۔ پھر جنات وشیاطین یہ باتیں کاہنوں اور جادوگروں وغیرہ کو منتقل کرتے ہیں۔

یاد رہے کہ جنات وشیاطین یہ باتیں چرا کر ہر انسان کو نہیں بتاتے بلکہ بعض مخصوص عاملوں، کاہنوں اور

جادوگروں کو بتاتے ہیں لیکن انہیں بھی بالعموم تب ہی بتاتے ہیں جب ان سے کفر و شرک کا ارتکاب کروالیں، یا آئندہ ارتکاب کروانا چاہتے ہوں۔ شیاطین و جنات جن مخصوص طریقوں سے اپنے دوستوں اور پیروکاروں کو خدائی فیصلوں سے آگاہ کرتے ہیں، اسے 'وحیِ شیطانی' کہا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل کتاب ہٰذا کے دوسرے باب میں پیش کی گئی ہے۔

۳)......خواب

بنیادی طور پر خواب کی تین قسمیں ہیں: سچا خواب، نفسیاتی خواب اور شیطانی خواب۔

۱۔سچا خواب)...... یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس میں عام طور پر انسان کو اشارے کنائے سے مستقبل کی کسی غیبی بات سے باخبر کیا جاتا ہے۔ یہ بات انسان کے فائدے کی بھی ہوسکتی ہے اور نقصان کی بھی۔

۲۔نفسیاتی خواب)......اس سے مراد وہ خواب ہے، جس میں انسان کو وہی چیزیں نیند میں دکھائی دیتی ہیں جن سے حالتِ بیداری میں اس کا واسطہ رہتا ہے مثلاً کوئی شخص مخصوص کاروبار کرتا ہے تو اسے خواب میں بھی اس کاروبار سے متعلقہ چیزیں نظر آتی ہیں یا کوئی شخص بیمار ہو تو اسے بیماری سے متعلقہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں یا کسی شخص کے ذہن میں کوئی خاص تصور بیٹھ گیا ہے تو خواب میں بھی وہی تصوراتی چیز اسے دکھائی دیتی رہتی ہے۔ اس طرح کے خواب کا غیب اور مستقبل کی باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

۳)......شیطانی خواب)......اس سے مراد وہ ڈراؤنے اور غمزدہ یا خوف طاری کر دینے والے خواب ہیں، جن میں خوفناک شکلیں اور عجیب و غریب صورتیں دکھائی دیتی ہیں اور انسان ان سے وحشت کھا کر اٹھ بیٹھتا ہے یا چیخ و پکار شروع کر دیتا ہے۔ ایسے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ سوتے وقت آیۃ الکرسی اور دیگر اذکار و وظائف کر لئے جائیں تو ایسے خواب نہیں آتے۔ اور اگر ایسا کوئی خواب آئے اور تین مرتبہ اعوذ باللہ پڑھ کر بائیں جانب تھوک دیا جائے تو حدیثِ نبویؐ کے مطابق ایسے خواب سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

کتاب ہٰذا کے تیسرے باب میں خواب سے متعلقہ تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔

۴)......اِلہام

اِلہام کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں: ایک صورت تو وہ ہے جس میں ہر انسان کے دل میں خیر و شر پہچاننے

کی صلاحیت ودیعت کی گئی ہے اور یہی صلاحیت واستعداد بعض اہل علم کے نزدیک 'فطرت' کہلاتی ہے جبکہ اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کیا جانا اِلہام کہلاتا ہے۔ اور اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نیک صالح مسلمان کے دل میں حالتِ بیداری میں کوئی اچھی بات ڈال دی جاتی ہے، جس کا تعلق مستقبل کی کسی غیبی بات سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے پیشگی دل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اگر یہ الہام انبیاء کی طرف کیا جائے تو یہ بمنزلہ وحی شمار ہوتا ہے مگر غیر انبیاء کا اِلہام وحی نہیں ہوتا بلکہ خواب کے مشابہ ہوتا ہے یعنی جس طرح سچے خواب کے ذریعے کسی غیبی امر سے مطلع کر دیا جاتا ہے، اسی طرح بعض اَوقات بذریعہ اِلہام کوئی بات دل میں ڈال دی جاتی ہے اور پھر وہ اس طرح پیش آتی ہے جس طرح اس کے بارے میں خیال (یعنی اِلہام) پیدا ہوا تھا۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ جس طرح بعض خواب جھوٹے اور شیطانی ہوتے ہیں، اسی طرح بعض اِلہام بھی محض شیطانی وسواس یا نفسیاتی خیالات ہی ہوتے ہیں۔

بعض لوگوں نے 'کشف' کو اور بعض نے 'فراست' کو بھی اِلہام کے ساتھ ملانے کی کوشش کی ہے۔ نیز اِلہام، فراست اور کشف کے سلسلہ میں لوگوں میں بعض عجیب وغریب باتیں مشہور ہیں۔ ان سب کی تفصیل اور حقیقت کتاب ہٰذا کے چوتھے باب میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

۵)......استخارہ

اسی طرح ایک چیز استخارہ بھی ہے۔ استخارہ بذاتِ خود غیب اور مستقبل کے کسی معاملے کو جاننے کا کوئی مستند ذریعہ نہیں بلکہ یہ دعا کی ایک قسم ہے اور ایسی قسم کہ جس کے بعد یا تو خواب کے ذریعے انسان کو کچھ حاصل ہو جاتا ہے یا الہام کے ذریعے۔ یا پھر یہ دونوں صورتیں پیش نہیں آتیں، بلکہ جس کام کے لیے استخارہ کیا گیا ہوتا ہے اس کے کرنے یا نہ کرنے میں سے کسی ایک پہلو پر اطمینانِ قلب حاصل ہو جاتا ہے۔

عملیات کی دنیا میں استخارہ کے سلسلہ میں بھی عجیب وغریب باتیں دیکھنے سننے کو ملتی ہیں جو مضحکہ خیز بھی ہیں اور قابلِ افسوس بھی۔ کتاب ہٰذا کے پانچویں باب میں استخارہ اور اس سے متعلقہ چیزوں کا قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔

۶)......آثار وقرائن

بعض اوقات کوئی صاحبِ فہم وبصیرت، مختلف آثار وقرائن اور علامات کی روشنی میں کسی غیبی ومخفی امر تک

رسائی حاصل کر لیتا ہے اور اس بنیاد پر وہ جو کچھ کہتا ہے، وہ عام طور پر سچ ثابت ہوتا ہے مثلاً کسی مریض کی شدتِ مرض سے اس کے فوت ہونے کا اندازہ لگا کر ڈاکٹر پیشگی یہ کہہ دیتا ہے کہ اب اس مریض کے بچنے کی کوئی امید نہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس ڈاکٹر یا حکیم کی یہ بات سچ ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ڈاکٹر یا حکیم 'غیب دان' یا 'پہنچی ہوئی سرکار' ہے اور نہ ہی اس بنیاد پر عقل مند آدمی ایسے ڈاکٹر کے بارے میں یہ رائے قائم کرتا ہے۔ بلکہ یہی سمجھا جاتا ہے کہ ڈاکٹر نے ظاہری حالات اور قرائن سے اندازہ لگایا ہے اور قرائن وعلامات سے لگایا جانے والا اندازہ بہت مرتبہ ٹھیک نکلتا ہے اور بعض اوقات وہ بالکل الٹ بھی ثابت ہوتا ہے۔

قرائن وآثار بنیادی طور پر دو طرح کے ہوتے ہیں: قطعی اور ظنی۔

ایک اور لحاظ سے انہیں تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی: حسابی، مشاہداتی، اور نفسیاتی۔

آثار وقرائن کی روشنی میں کسی مخفی امر تک رسائی یا اندازہ لگانا، شرعاً ممنوع نہیں ہے، بلکہ بہت سے مواقع پر یہ مفید اور کارآمد بھی ثابت ہوتا ہے۔

وحیِ الٰہی، خواب اور الہام یہ تینوں خداداد عطیہ ہیں جبکہ آثار وقرائن میں کوئی بھی صاحب بصیرت آثار و قرائن کی مدد سے متعلقہ معاملہ میں ایک مخفی امر تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ گویا یہ کسبی چیز ہے، وہبی نہیں۔ اس کی تفصیل کتاب ہٰذا کے چھٹے باب میں پیش کی گئی ہے۔

حاصلِ بحث اور جدید ماورائی اور روحانی علوم

کتاب ہٰذا کے جملہ مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ غیب اور مستقبل کی معلومات کے حصول کے بنیادی ذرائع صرف پانچ ہیں یعنی: (۱) وحیِ الٰہی۔ (۲) وحیِ شیطانی۔ (۳) خواب۔ (۴) الہام۔ (۵) قرائن وآثار۔

ان میں سے وحیِ الٰہی (یعنی پہلا ذریعہ) انبیاء کے لئے خاص تھا اور ہمارے لیے قرآن وسنت میں وہ تمام چیزیں قیامت تک کے لیے محفوظ کر دی گئی ہیں جو وحی کی صورت میں خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوتی رہیں۔ جب کہ دوسرا ذریعہ (یعنی وحیِ شیطانی) سراسر ضلالت وشیطانیت پر مبنی اور کفر وشرک کی طرف لے جانے والا ہے اور ایک مسلمان کے لیے اس سے اجتناب بہرصورت ضروری ہے۔ تیسرا اور چوتھا ذریعہ (یعنی خواب اور الہام) اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایسی چیزیں ہیں جن کا تعلق اکثر وبیشتر کسی مستقبل کے معاملے سے ہوتا ہے۔ خواب کا معاملہ تو مسلم وغیر مسلم سب کے ساتھ یکساں ہے لیکن الہام صرف نیک

لوگوں ہی کو ہوتا ہے۔ پھر جس طرح بعض خواب شیطانی ہوتے ہیں، اسی طرح بعض الہام بھی شیطانی ہو سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ دونوں ذرائع وحی کے مقابلے میں انتہائی کمزور ہیں۔ پانچواں ذریعہ (یعنی آثار و قرائن) عام طور پر پہلے پانچ کے مقابلے میں کمزور اور زیادہ تر 'کسبی' ہوتا ہے، تاہم اس کی بعض صورتیں جو بالعموم حسابی فارمولوں پر مبنی ہوتی ہیں، بڑی حتمی ہیں۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ اگر کسی موقع پر خواب، اِلہام، یا قرائنی دلائل وغیرہ وحیِ الٰہی سے متصادم ہوں تو وہاں وحیِ الٰہی، جو قرآن وحدیث کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ حالت میں موجود ہے، ہی کو بہرصورت ترجیح دی جائے گی کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے خواب اور اِلہام سمیت ہر چیز کو پرکھنے کے لئے واحد اور حتمی کسوٹی 'وحیِ الٰہی' (یعنی قرآن وحدیث) ہی ہے۔

مذکورہ بالا پانچ ذرائع کے علاوہ دیگر تمام ایسے ماورائی ذرائع جن کے ذریعے انسانوں یا معاشروں کے حوالے سے پیش گوئی، مستقبل شناسی اور غیب دانیوں کا دعویٰ کیا جاتا ہے، وہ بالعموم جھوٹ، فریب اور دھوکا دہی پر مبنی ہوتے ہیں۔ خواہ ان کا تعلق ستاروں یعنی نجوم و جوتش کی دنیا سے ہو یا جفر و اعداد سے۔ رمل اور مراقبہ سے ہو یا دست شناسی اور چہرہ شناسی سے۔ ٹیلی پیتھی، ہپناٹزم، ریکی وغیرہ سے ہو یا کسی اور نام نہاد روحانی یا ماورائی علم سے۔ بعض جاہل اور مفاد پرست خواہ مخواہ اُنہیں سائنٹیفک علوم ثابت کرنے پر بضد ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں اِن کے دلائل کی کمزوری پوری طرح واضح کر دی گئی ہے۔

الحمدللہ ہمارے علم میں اپنے موضوع پر یہ اولین کتاب ہے جس میں قرآن وسنت کی روشنی میں ماورائی علوم کا تجزیہ کیا گیا ہے اور ان کے بارے میں صحیح اسلامی موقف پیش کرنے کی ممکنہ حد تک پوری کوشش کی گئی ہے۔ اللہ اس کاوش کو قبول فرمائے اور اسے لوگوں کی دینی واُخروی اصلاح وفلاح کا ذریعہ بنائے، آمین!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْم

حافظ مبشر حسین

......☆......

باب ا

وحی الٰہی

وحی کیا ہے؟

ابن منظور افریقی لفظ 'وحی' کی لغوی حقیقت واضح کرتے ہوئے اپنی شہرہ آفاق کتاب 'لسان العرب' میں رقم طراز ہیں:

" الوحی: الاشارۃ و الکتابۃ والرسالۃ والالھام والکلام الخفی و کل ما القیتہ الی غیرک .... وأصل الوحی فی اللغۃ کلھا اعلام فی خفاء ولذلک صارالالھام یسمی وحیا، قال الازھری: و کذلک الاشارۃ والایماء یسمی وحیا، والکتابۃ تسمی وحیا وقال اللہ عز وجل: ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ......﴾ معناہ الا ان یوحی الیہ وحیا فیعلمہ بما یعلم البشر انہ اعلمہ اما الھاما او رؤیا واما ان ینزل علیہ کتابا کما انزل علی موسیٰ أو قرآنا یتلی علیہ کما انزلہ علی سیدنا محمد ﷺ و کل ھذا اعلام وان اختلفت اسباب الاعلام فیھا".(۱)

"وحی کا معنی ہے: اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام بھیجنا، دل میں بات ڈالنا، مخفی طور پر بات کرنا، اسی طرح ہر وہ چیز جو آپ دوسرے تک پہنچاتے ہیں .... لغت میں لفظ وحی کا اصل معنی ہے: پوشیدہ طور پر کسی بات سے مطلع کر دینا۔ اسی بنیاد پر الہام کو وحی کہہ دیا جاتا ہے۔ اَزہری فرماتے ہیں: اشارہ کرنے اور لکھنے کے عمل کو بھی اسی لیے وحی کہا جاتا ہے اور قرآن مجید کی اس آیت: ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ ......﴾، کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایسے وحی کرتے ہیں جسے وہ جان لیتا ہے جس طرح کہ ایک انسان جان لیتا ہے کہ اسے کوئی خبر یا علم دیا گیا ہے، یا تو یہ الہام کے ذریعے معلوم کروایا جاتا ہے، یا خواب کے ذریعے یا کتاب نازل کر کے جس طرح کہ حضرت موسیٰؑ پر کتاب نازل کی گئی یا قرآن نازل کر کے جس طرح آنحضرت ﷺ پر قرآن نازل کیا گیا جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ یہ تمام معلومات کی صورتیں ہیں، اگرچہ ان میں ذرائع واسباب ایک دوسرے سے مختلف ہیں"۔

(۱) لسان العرب، از: ابن منظور افریقی، بذیل مادہ: 'وحی'۔

اسی طرح ابن منظور افریقی نے وحی کے مفہوم میں سرعت اور جلدی سے اطلاع دینے کا مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ دیگر اہل لغت کے ہاں بھی 'وحی' کے مفہوم میں ''جلدی سے کوئی اشارہ کر دینا'' شامل ہے یعنی ایسا اشارہ جس سے چپکے سے کوئی بات معلوم ہو جائے اور یہ اشارہ خواہ حرکت کے ذریعے ہو یا رمز و کنایہ Codeword/Password کے ذریعے یا بظاہر بے معنی آواز کے ذریعے۔[1]

اصطلاحی طور پر 'وحی' کا مطلب ہے وہ کلام جو اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں میں سے کسی نبی پر نازل کرتے ہیں خواہ یہ دل میں ڈالا گیا ہو، خواب کے ذریعے بتایا گیا ہو، فرشتہ بھیج کر پہنچایا گیا ہو یا براہِ راست سنایا گیا ہو۔

قرآن مجید میں لفظ وحی کا استعمال لغوی و اصطلاحی دونوں طرح ہوا ہے۔ اصطلاحی استعمال کی تفصیل تو اپنی جگہ آ رہی ہے، تاہم لغوی مفہوم کے سلسلہ میں درج ذیل مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

۱۔ دل میں بات ڈالنا۔ درج ذیل آیات میں لفظ وحی اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے:

﴿وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا﴾ [سورة النحل:٦٨]

''آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں درختوں میں اپنے گھر بنا''۔

﴿وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى اَنْ اَرْضِعِيْهِ﴾ [سورة القصص:٧]

''ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی (یعنی ان کے دل میں یہ بات ڈالی) کہ اسے دودھ پلاتی رہ''۔

۲۔ اشارہ کرنا۔ قرآن مجید میں حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعہ میں یہ اس طرح استعمال ہوا ہے:

﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا﴾

''پس زکریاؑ اپنے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آ کر انہیں اشارہ کرتے ہیں کہ تم صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو''۔ [سورۃ مریم:١١]

وحی کا اصطلاحی مفہوم، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی کو کسی ذریعے سے اپنا پیغام پہنچا دے۔ اس کی تفصیل کے لیے ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء کرامؑ پر وحی کس طرح بھیجی جاتی تھی، اور اس بارے قرآن و سنت میں کیا تفصیلات ملتی ہیں؟

قرآن و سنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء پر وحی کا نزول کسی ایک مخصوص طریقے سے نہیں بلکہ کئی

(۱) تاج العروس، از: علامہ زبیدی۔ مفردات القرآن، از: راغب اصفہانی، بذیل مادہ: 'وحی'۔

طریقوں سے ہوتا تھا، جیسا کہ خود نبی کریم ﷺ سے جب ایک صحابی حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اللہ کے رسول! آپ پر وحی کا نزول کیسے ہوتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا:

((يَأْتِينِي أَحْيَانًا مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ فَيُفْصَمُ عَنِّي وَقَدْ وَعَيْتُ مَا قَالَ وَأَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًا)) [(۱)]

"یعنی کبھی تو وحی اس طرح میرے پاس آتی ہے جس طرح گھنٹی کی جھنکار ہو، اور یہ صورت میرے لیے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر جب یہ سلسلہ منقطع ہوتا ہے تو جو کچھ کہا گیا ہوتا، وہ مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے اور کبھی (وحی کی صورت یہ ہوتی ہے کہ) فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی شکل میں آ جاتا ہے"۔

ایک شبہ کا ازالہ

اس روایت میں وحی کی آمد کی ایک صورت کو گھنٹی کی جھنکار سے مماثلت دی گئی ہے اور اس مماثلت سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فی الواقع گھنٹی کی آواز سنائی دیتی تھی، بلکہ یہاں آپ نے سائل کو وہ کیفیت سمجھانے کی کوشش کی ہے جو وحی کے وقت بعض اوقات آپ پر طاری ہوا کرتی تھی اور اس کیفیت کی اصل حقیقت تو آپ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں اور نہ اسے الفاظ میں بیان کیا جا سکتا تھا چنانچہ آپ نے اس کے قریب قریب جو دنیوی مثال سائل اور سامع کے سامنے ہو سکتی تھی، اس کے ساتھ اس کیفیت کی تمثیل بیان کر دی اور تمثیل تمثیل ہی رہتی ہے حقیقت نہیں بن جاتی۔

اور بعض شارحینِ حدیث کے بقول یہ آواز حضرت جبریل علیہ السلام کے پروں یا پاؤں کی ہوتی تھی۔ اور یہ آواز اس لیے پیدا ہوتی تھی تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیاوی شور و غل سے بے نیاز ہو کر وحی کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ [(۲)]

وحی کی اہم صورتیں

آئندہ سطور میں وحی کی اہم صورتوں کو بالاختصار بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، ح ۲۔

(۲) فتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد اول، کتاب بدء الوحی۔

۱)......وحی بذریعہ کلام الٰہی

وحی کی ایک صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست اپنے نبی سے ہم کلام ہو جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے حوالے سے یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ براہ راست کلام کیا ہے، اسی لیے انہیں کلیم اللہ کہا جاتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ [سورة النساء:١٦٣]

''اور موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا''۔

اسی طرح معراج کے موقع پر آنحضرت ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا ہے۔[۱]

۲)......وحی بذریعہ اِلہام (یعنی قلبی وحی)

آئندہ صفحات میں 'اِلہام' کی تفصیلات میں ہم یہ بتائیں گے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے، اسے اِلہام کہا جاتا ہے۔ اگر یہ صورت انبیاء کے ساتھ ہو تو اہل علم کا اتفاق ہے کہ ان کا اِلہام بمنزلہ وحی ہوتا ہے۔

۳)......وحی بذریعہ خواب

انبیاء کی وحی کی ایک صورت یہ بھی ہوتی تھی کہ خواب میں انہیں اللہ کی طرف سے کوئی پیغام پہنچا دیا جاتا تھا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

((اَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا اِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ))[۲]

''وحی کے سلسلہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ سب سے پہلے جو چیز شروع ہوئی وہ سچے خواب تھے۔ آپؐ جو خواب بھی دیکھتے وہ سپیدۂ سحر کی طرح رونما ہو جاتا''۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں، چنانچہ وہ اسے حکم خداوندی سمجھتے ہوئے اس پر عمل کے لیے آمادہ ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ نے یہ کہتے ہوئے اپنے پیغمبر کو اس کام سے روک دیا:

---

(۱) دیکھئے: صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة، ح۳۲۰۷۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، ح ۳۔

﴿یٰۤاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا﴾ [سورۃ الصفت:۱۰۵]

''اے ابراہیم! یقیناً تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا''۔

۴)......وحی بذریعہ فرشتہ

انبیاء کے لیے وحی الٰہی کا ایک ذریعہ فرشتے بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سردار حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنے انبیاء ورسل کے پاس وحی پہنچانے پر مامور کر رکھا تھا اور آپ علیہ السلام ہر نبی پر اللہ کی طرف سے وحی (پیغام) لے کر آیا کرتے تھے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی پہنچانے کی ذمہ داری بھی آپ ہی نے انجام دی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ﴾

[سورۃ الشعراء:۱۹۲، ۱۹۴]

''اور بے شک یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے۔ اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے، آپؐ کے دل پر (یہ) اترا ہے تا کہ آپ آگاہ کر دینے والوں میں سے بن جائیں۔''

اس آیت میں امانت دار فرشتے سے مراد حضرت جبریل ہی ہیں۔ بعض احادیث میں بھی صراحت کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام کی یہ ذمہ داری بیان کی گئی ہے مثلاً ایک روایت میں ہے کہ کچھ یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے:

((اِنَّهُ لَیْسَ نَبِیٌّ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ اِلَّا یَأْتِیْهِ مَلَكٌ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ بِالرِّسَالَةِ وَ بِالْوَحْيِ فَمَنْ صَاحِبُكَ حَتّٰى نُتَابِعُكَ ؟......))

''ہر نبی کے پاس فرشتوں میں سے ایک فرشتہ اللہ کی طرف سے پیغام اور وحی لے کر آیا کرتا ہے، آپؐ کے پاس کون سا فرشتہ آتا ہے تا کہ ہم آپ کی اتباع (کے بارے میں فیصلہ) کر سکیں؟'' آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آتا ہے۔ انہوں نے کہا یہ تو وہی ہے جو (ہمارے بارے میں) جہاد و قتال کا حکم لے کر آتا ہے، لہٰذا یہ تو ہمارا دشمن ہے! اگر آپؐ میکائیل علیہ السلام کا نام لیتے جو بارش اور رحمت لے کر آتا ہے تو پھر ہم آپ کی ضرور اتباع کرتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾[سورۃ البقرۃ:۹۷]

''(اے نبیؐ) آپ کہہ دیجیے کہ جو کوئی جبریل علیہ السلام کا دشمن ہو (تو اللہ تعالیٰ بھی اس کا دشمن ہے) بلاشک

اس (جبریل علیہ السلام) نے تو اس (قرآن اور خدا کے پیغام) کو آپ ؐ کے دل پر اتارا ہے۔"[۱]
ایک روایت میں ہے کہ ان یہودیوں نے کہا:
"جبریل علیہ السلام تو وہ فرشتہ ہے جو جہاد و قتال کا اور عذاب کا حکم لے کر آتا ہے، لہٰذا یہ تو ہمارا دشمن ہے، البتہ اگر آپ میکائیل علیہ السلام کا نام لیتے جو رحمت، نباتات اور بارش لے کر آتا ہے تو پھر ٹھیک تھا۔"[۲]
ایک اور روایت میں ہے کہ یہودیوں نے کہا:
"آپ بتائیے کہ فرشتوں میں سے کون سا فرشتہ آپ کا دوست ہے؟ پس اسی جواب پر یا تو ہم آپ کی معیت اختیار کر لیں گے یا آپ سے دور ہٹ جائیں گے۔ آپ ؐ نے فرمایا کہ ((وَلِيِّىَ جِبْرِيْلُ وَلَمْ يَبْعَثِ اللّٰهُ نَبِيًّا قَطُّ اِلَّا وَهُوَ وَلِيُّهُ)) "میرا دوست جبریل علیہ السلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء مبعوث فرمائے، ان سب کا دوست اسے ہی مقرر فرمایا"۔
اس پر یہودی کہنے لگے کہ پھر تو ہم آپ سے دور ہٹ جائیں گے اور اگر آپ کا دوست کوئی اور فرشتہ ہوتا تو ہم ضرور آپ کی تابعداری اختیار کر لیتے اور آپ کی تصدیق کرتے۔ آپ ؐ نے ان سے پوچھا: فَمَا يَمْنَعُكُمْ اَنْ تُصَدِّقُوْهُ؟ تمہیں جبریل علیہ السلام کی تصدیق کرنے میں کیا امر مانع ہے؟ انہوں نے کہا: یہ تو ہمارا دشمن ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔"[۳]
فرشتے کے ذریعے وحی کی مختلف صورتیں ہوتی تھیں مثلاً:

ا۔ فرشتے کا اصلی شکل میں آنا

بعض اوقات فرشتہ اپنی اصل شکل میں وحی لے کر آیا کرتا تھا۔ فرشتے کو اس کی اصل شکل میں نبی کریم ﷺ نے دو مرتبہ دیکھا جیسا کہ درج ذیل روایات سے ثابت ہے:

ا)...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ (جبریلؑ کے بارے میں) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّمَا هُوَ جِبْرِيْلُ لَمْ اَرَهُ عَلٰى صُوْرَتِهِ الَّتِيْ خُلِقَ عَلَيْهَا غَيْرَ هَاتَيْنِ الْمَرَّتَيْنِ رَاَيْتُهُ مُنْهَبِطًا مِنَ السَّمَاءِ سَادًّا عِظَمُ خَلْقِهِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ))

---

(۱) تفسیر قرطبی، ج۲ ص ۳۷۔ السنن الکبرٰی، للنسائی، ح ۹۰۷۲۔ احمد، ۱/۲۷۴، ۱/۲۷۸۔

(۲) مسند احمد، ج۱، ص ۲۷۴۔

(۳) تفسیر فتح القدیر، ۱/۱۷۱؛ علامہ عبد الرزاق مہدی نے اس تفسیر کی تخریج میں اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

''وہ جبریل علیہ السلام ہی تھے، میں نے انہیں ان کی اصلی پیدائشی صورت میں صرف اِنہی دومرتبہ دیکھا ہے۔ میں نے انہیں آسمان سے جب اترتے دیکھا تو ان کا وجود آسمان سے لے کر زمین تک پھیلا ہوا تھا۔'' [بعض روایات کے مطابق:] ''ان کے وجود نے سارا اُفق ہی گھیر رکھا تھا، اور ان کے چھ سو پر تھے۔''(۱)

۲)...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو جب ان کی اصلی شکل میں دیکھا تو ان کے چھ سو پر تھے اور ہر پر نے اُفق کو گھیر رکھا تھا۔ ان کے پروں سے مختلف رنگ اور قیمتی موتی بکھر رہے تھے۔(۲)

۲۔ فرشتے کا انسانی شکل میں آنا

حضرت جبریل علیہ السلام بعض اوقات انسانی شکل میں آکر وحی پہنچایا کرتے تھے، کبھی حضرت دحیہ کلبی صحابی کی شکل میں اور کبھی کسی اجنبی کی شکل میں۔ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

''ایک دن ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا جس کے کپڑے انتہائی سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے۔ نہ تو اس پر سفر کے آثار دکھائی دیتے تھے اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اسے جانتا تھا۔ وہ آکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے گھٹنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں سے ملا لیے اور اپنے ہاتھ رانوں پر رکھ کر کہا: اے محمدؐ! مجھے بتایئے کہ اسلام کیا ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو، زکاۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور اگر حج کی استطاعت ہو تو حج کرو۔ اس آدمی نے (یہ جواب سن کر) کہا کہ آپ واقعی سچ کہتے ہیں۔

(راویِ حدیث) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس بندے پر تعجب ہوا کہ وہ آپؐ سے سوال بھی پوچھ رہا ہے پھر (خود ہی) اس کی تصدیق بھی کر رہا ہے!

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ "ولقد راہ نزلۃ اخری"، ح۱۷۷۔ نیز دیکھئے: صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب اذا قال احدکم امین والملائکۃ فی...... ح۳۲۳۲ تا ۳۲۳۵۔

(۲) البدایۃ والنھایۃ، ۴۷/۱۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ بحوالہ: "عالم الملائکۃ الابرار" از قلم: دکتور عمر سلیمان الاشقر، ص ۱۳۔

پھر اس نے کہا کہ مجھے بتائیے کہ ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے کہا کہ (ایمان یہ ہے کہ) تم اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، کتابوں، رسولوں، آخرت کے دن پر اور تقدیر کے اچھا یا برا ہونے پر ایمان لاؤ (یعنی ان چھ چیزوں کو تسلیم کرو) اس نے کہا، آپ سچ کہتے ہیں پھر اس نے کہا کہ مجھے بتائیے احسان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ (احسان یہ ہے کہ) تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس تصور سے کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اللہ کو نہیں دیکھ رہے تو (یاد رکھو کہ) وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔

پھر وہ چلا گیا، میں ابھی آپؐ کے پاس ہی بیٹھا تھا کہ آپؐ نے مجھے مخاطب کیا: اے عمر! جانتے ہو یہ سائل کون تھا؟ (حضرت عمر فرماتے ہیں کہ) میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے اور تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے تشریف لائے تھے"۔ [1]

۳۔ بغیر دکھائی دیے فرشتے کا دل میں کوئی بات ڈال دینا

فرشتے کے ذریعے وحی کی ایک صورت یہ بھی ہوتی تھی کہ فرشتہ سامنے آئے یا دکھائی دیئے بغیر نبی اور رسول کے دل میں کوئی بات ڈال دیتا مگر ایک نبی یا رسول کے لیے اس چیز کو سمجھنا چنداں مشکل نہ ہوتا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ بھی ایسا کئی مرتبہ ہوا، جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

"روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک فوت نہیں ہوگا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ لے لے"۔ [2]

یہ روایت مختلف محدثین مثلاً عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، بیہقی، حاکم وغیرہ نے اختلاف الفاظ کے ساتھ اپنی کتب میں نقل کی ہے۔ بعض میں ہے:

((اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رَوْعِیْ))

"روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ....." اور بعض میں ہے:

((اِنَّ جِبْرِیْلَ اَلْقٰی فِیْ رَوْعِیْ))

"جبریلؑ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ....."

گویا روح القدس سے مراد یہاں جبریلؑ ہی ہیں۔

---

(۱) مسلم، کتاب الایمان، باب ۱، ح۸۔ نیز: بخاری، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل النبی ......ح۵۰۔

(۲) مشکوٰۃ، کتاب الرقاق، باب التوکل۔ الصحیحۃ، ح۲۸۶۶، ح۳۸۴۸۔ صحیح الجامع، ح۲۰۸۵۔

وحی متلو (جلی) اور غیر متلو (خفی)

تلاوت کے اعتبار سے اہل علم نے وحی الٰہی کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے؛ وحی متلو اور وحی غیر متلو۔

وحی متلو سے مراد وحی کا وہ حصہ ہے جس کی دوران نماز تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآن مجید۔ اسے وحیِ جلی بھی کہا جاتا ہے۔ اور وحی غیر متلو سے مراد وحی کا وہ حصہ ہے جس کی قرآن کی طرح دوران نماز تلاوت نہیں کی جاتی۔ اسے وحی خفی بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں وہ احادیث شامل ہیں جن میں اللہ کے رسول ﷺ نے شریعت کے مسائل بیان کیے ہیں اور وہ مسائل قرآن مجید کا حصہ نہیں بلکہ ان سے اضافی ہیں۔ یا تو قرآن مجید میں مذکور بعض مجمل احکام کی تشریح و تفصیل سے متعلقہ ہیں یا الگ سے مستقل احکام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس وقت یہ ہمارا موضوع نہیں، اس لیے اس کی تفصیلات سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

وحی کی ضرورت و اہمیت

گزشتہ تفصیلات کے بعد اب یہاں ہم یہ حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں کہ وحی کی آخر ضرورت کیا ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے امتحان کے لیے پیدا کیا ہے اور دنیا اس کے لیے امتحان گاہ بنائی ہے۔ اس امتحان گاہ سے اسے کس طرح گزرنا ہے، یہ وہ اپنی عقل یا حواس سے پوری اور ٹھیک طرح معلوم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کے حواس بھی ایک دائرے میں محدود ہیں اور عقل بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لیے یہ صورت اختیار کی کہ لوگوں ہی میں سے کچھ ہستیوں کا اپنے کرم سے انتخاب فرما لیا کہ ان پر میں اپنا پیغام بھیجوں گا اور پھر ان کے ذریعے وہ پیغام دوسرے انسانوں تک پہنچانے کا بندوبست کروں گا۔ ان پاکباز اور بلند مرتبہ ہستیوں کو انبیاء و رسل کہا جاتا ہے اور اس پیغام الٰہی کو وحی الٰہی کہا جاتا ہے۔

انبیاء و رسل کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر ختم فرما دیا اور ان پر نازل کی جانے والی وحی کو آفاقی و ابدی حیثیت دے کر قیامت تک کے لیے اسے قرآن و حدیث کی شکل میں محفوظ فرما دیا۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ آ جاتی ہے کہ وحی جو صرف انبیاء و رسل کے لیے خاص تھی، عام انسانوں پر نازل نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اول تو جس مقصد کے لیے وحی کا نزول ہوتا تھا (یعنی لوگوں تک خدائی پیغام رسانی) آخری پیغمبر اور آخری و ابدی شریعت بھیج کر وہ مقصد ہی اللہ تعالیٰ نے ختم کر دیا۔ اور دوم اس لیے بھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا نہیں تھا کہ ہر انسان کو وحی کے ذریعے اپنا پیغام پہنچائے اور نہ ہی ہر انسان اس کا اہل ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس کے پاس فرشتے وحی لے کر آتے ہیں یا (معاذ اللہ) یہ

کہ اللہ تعالیٰ اُس سے ہم کلام ہوتے ہیں تو سمجھ لیجیے کہ وہ جھوٹا اور مکار ہے۔ البتہ شیطانی وحی کی صورت میں یہ ممکن ہے کہ شیاطین و جنات اسے کوئی بات بتاتے ہوں۔ اس کی تفصیل اگلے باب میں آ رہی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور وحیِ الٰہی

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بعد وحی کا دروازہ بند ہو گیا ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کیوں نازل ہوگی؟

یہ بات درست ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنا پیغام بھیجیں گے کیونکہ صحیح احادیث میں اس بات کا صاف ثبوت ملتا ہے، لہٰذا یہ ایک استثنائی صورت ہے بالکل اسی طرح جس طرح ان کا زندہ آسمان پر اٹھا لیا جانا اور قیامت کے قریب اللہ کے حکم سے دوبارہ نازل ہونا استثنائی صورت ہے۔ اس پر قیاس کر کے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نبوت کا دروازہ بھی کھلا ہے اور وحی کا دروازہ بھی۔ اس لیے کہ استثنائی صورت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اور دوسری طرف اس قیاس فاسد کے مقابلہ میں قرآن و سنت کے صریح نصوص موجود ہیں کہ حضرت محمد ﷺ آخری پیغمبر ہیں اور آپ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔ جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قربِ قیامت کے وقت نازل ہونا پیغمبر کی حیثیت سے نہیں ہوگا، اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دورِ نبوت حضرت محمد ﷺ سے پہلے گزر چکا ہے۔ اب وہ آپ ﷺ کے امتی کی حیثیت سے آئیں گے اور استثنائی دلائل کی وجہ سے آپ ہی وہ واحد امتی ہیں جن پر وحی نازل ہوگی۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اس وحی کا مقصد نئی شریعت یا محمدی شریعت میں تبدیلیِ احکام کی اتھارٹی دیئے جانا نہیں ہوگا بلکہ یہ تو فتن و ملاحم کے خوفناک زمانے میں صرف خداوندی رہنمائی کی ایک صورت ہوگی کہ لحہ بہ لحہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رہنمائی دی جا رہی ہوگی کہ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر کیا کریں، کہاں جائیں، کہاں پڑاؤ کریں، دجال کا مقابلہ کس طرح کریں، یاجوج و ماجوج کی آمد کے وقت کیا کریں، وغیرہ وغیرہ۔

مزید تفصیل کے شائقین ہماری کتاب: قیامت کی نشانیاں، اور دوسری کتاب: پیش گوئیوں کی حقیقت کا مطالعہ فرمائیں۔

باب۲

وحیِ شیطانی اور کہانت وعرافت

وحیِ شیطانی

اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ایسے فیصلے اور حکم جاری کرتے ہیں جن کا تعلق ہماری اس مادی کائنات اور اس کے مکینوں سے ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ یا حکم جاری فرماتے ہیں تو فرشتے اس حکم کو سننے کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام سر اٹھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی کر کے اپنا فیصلہ سناتے ہیں۔ پھر حضرت جبریلؑ پہلے آسمان کے فرشتوں کو اس فیصلے یا حکم سے آگاہ کرتے ہیں، پھر وہ فرشتے اپنے سے نیچے دوسرے آسمان کے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے، حکم یا خبر سے آگاہ کرتے ہیں۔ پھر وہ فرشتے اپنے سے نیچے آسمان کے فرشتوں کو، اور وہ آگے اپنے سے نیچے والوں کو......اس طرح آخری آسمان (جسے دنیوی آسمان کہا جاتا ہے) کے فرشتوں تک وہ فیصلہ یا خبر پہنچ جاتی ہے۔

اس طرح ایک طرف آسمانِ دنیا کے فرشتوں میں اللہ تعالیٰ کا وہ فیصلہ اور حکم (جو اس کائنات سے تعلق رکھتا ہے) گردش کر رہا ہوتا ہے جبکہ دوسری طرف سے شیاطین و جنات اس خدائی فیصلے اور حکم کو چوری چھپے سننے کے لیے زمین سے ایک قطار بنا کر آسمان دنیا تک پہنچے ہوتے ہیں اور وہاں چھپ کر یہ سننے کی کوشش کرتے ہیں کہ فرشتے آپس میں کون سی باتیں کر رہے ہیں۔ جب ان جنوں اور شیطانوں کی قطار میں شامل سب سے اوپر والا شیطان کوئی بات سننے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو وہ فوراً اپنے سے نیچے والے شیطان کو اس سے آگاہ کر دیتا ہے اور وہ آگے اپنے سے نیچے والے شیطان کو وہ بات بتاتا ہے اور اس طرح سب سے نیچے زمین پر موجود جن و شیطان تک وہ بات پہنچ جاتی ہے جس کا تعلق اس کائنات کے کسی پیش آمدہ مسئلہ سے

ہوتا ہے۔ پھر یہ شیاطین و جنات بعض انسانوں کو اس خدائی فیصلے سے آگاہ کر دیتے ہیں جو آئندہ کسی بھی وقت رونما ہونے والا ہوتا ہے۔ (۱)

شیاطین و جنات جن مخصوص طریقوں سے اپنے متبعین کو خدائی فیصلوں سے آگاہ کرتے ہیں، انہیں 'وحیِ شیطانی' کہا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید میں اس وحی شیطانی کا ذکر کچھ اس انداز میں کیا گیا ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ [سورة الانعام :١١٢]

''اسی طرح ہم نے شیطان صفت انسانوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا جو دھوکا دینے کی غرض سے کچھ خوش آئند باتیں ایک دوسرے کے کانوں میں پھونکتے رہتے ہیں۔''

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے جنات و شیاطین آسمانوں کا رخ کر کے ایسی بے شمار باتیں چرانے میں با آسانی کامیاب ہو جاتے تھے مگر جب آنحضرت ﷺ مبعوث کیے گیے تو پھر ان کے خلاف اللہ تعالیٰ نے رکاوٹیں اور دفاع کا سلسلہ بھی جاری کر دیا اور وہ اس طرح کہ جب شیطان قطار بنا کر آسمانوں کا رخ کرتے تو ان پر آگ کے شعلے گرائے جاتے اور جونہی سب سے اوپر والا شیطان کسی بات کے چرانے میں کامیاب ہوتا تو اسے فوراً دہکتا ہوا آگ کا شعلہ آ لگتا اور وہ نیچے والے شیطان کو چرائی ہوئی بات سے آگاہ کرنے سے پہلے ہی جل کر راکھ ہو جاتا۔ لیکن بعض اوقات اوپر والا شیطان ہلاک ہونے سے پہلے نیچے والے شیطان کو بات منتقل کرنے میں کامیاب ہو جاتا اور وہ بات آگے سلسلہ در سلسلہ زمین تک جا پہنچتی۔

اسی طرح شیطانوں اور جنوں کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے مگر اب انہیں زیادہ تر ناکامی اور ہلاکت ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تاہم اس کے باجود شیطان اللہ تعالیٰ کی باتیں چوری کرنے سے اس لیے باز نہیں آتے کہ اس کے ذریعے وہ کاہنوں اور عاملوں کو کفر و شرک کا مرتکب بنا کر اپنے مقصد کی تکمیل کرتے ہیں اور پھر وہ کاہن اور عامل حضرات مزید آگے لوگوں کے ایمان برباد کرتے ہیں اور لوگوں کو گمراہی کی راہ پر لگانا اور جہنم کا ایندھن بنانا ہی ان شیطانوں کا سب سے بڑا مشن ہے جس کے لیے وہ جان جوکھوں میں ڈال کر

---

(۱) دیکھیے : بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: الامن استرق السمع فاتبعه شهاب مبين۔ ابو داؤد، ح ٣٩٨٩۔ ترمذی، ح ٣٢٢٣۔ ابن ماجه، ح ١٩٤۔ ابن حبان، ح ٣٦۔ مسند حمیدی، ح ١٢٥١۔

آسمانوں سے خبریں چرا کر لاتے ہیں اور پھر اپنے دوستوں (عاملوں جادوگروں وغیرہ) کی طرف ان خبروں کو وحی کرتے ہیں۔

شیاطین و جنات انسانوں کو اصلی شکل میں دکھائی نہیں دیتے جبکہ یہ بھی اسی کائنات میں بستے ہیں جس میں انسان بستے ہیں۔ بعض اوقات اس طرح ہوتا ہے کہ کوئی جادوگر کفریہ و شرکیہ عملیات کے ذریعے کسی جن سے دوستی پیدا کر لیتا ہے، پھر وہ اس شیطان جن کے ذریعے کسی بستی یا علاقے کے لوگوں کو تنگ کرواتا ہے مثلاً کسی کے گھر میں خون پھینک دیا، کہیں آگ لگوادی، کہیں کسی جانور کی سری یا کوئی اور ایسی ہی عجیب و غریب چیز پھینک دی۔ نتیجتاً اس جن سے تنگ ہونے والے لوگ مجبوراً اس جادوگر عامل کے پاس جا کر اپنی اس مشکل کا ذکر کرتے ہیں اور اسے منہ مانگا معاوضہ دے کر اس بات پر راضی کر لیتے ہیں کہ وہ ان کی مدد کرے۔ چنانچہ وہ عامل اپنے اس جن کو کچھ عرصہ تک ان لوگوں کو تنگ کرنے سے روک دیتا ہے پھر جب اسے مال و دولت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ دوبارہ اپنے اس جن کو وہاں بھیج کر ان لوگوں کو تنگ کروانا شروع کر دیتا ہے اور اس طرح سے عاملوں، کاہنوں اور جادوگروں کا کاروبار چلتا رہتا ہے۔

بعض اوقات اس طرح بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص اس عامل کے پاس اپنی ضرورت کے لیے آتا ہے تو وہ عامل اپنے جن کے ذریعے پیشگی معلوم کر لیتا ہے کہ یہ 'گاہک' کس جگہ سے آیا ہے......اس کا کاروبار کیا ہے......اس کے بہن بھائی کتنے ہیں......اس کے گھر میں کتنے کمرے اور دروازے ہیں......وغیرہ وغیرہ اور پھر وہ عامل بڑی فنکاری اور رعب کے ساتھ آنے والے شخص کو پوچھے بغیر یہ ساری چیزیں کافی حد تک صحیح صحیح بتانے لگتا ہے اور آنے والا شخص اس عامل سے متاثر ہو جاتا ہے کہ یہ تو بڑا کمال ہے کہ اس نے پہلے ہی اتنا کچھ بتا دیا، حالانکہ یہ ساری معلومات اس جن کے ذریعے اس عامل نے حاصل کی تھیں۔ جنات و شیاطین سے اس طرح کی معلومات حاصل کرنا بھی 'شیطانی وحی' میں شامل ہے۔

کہانت وعرافت

شیاطین کے ذریعے حاصل ہونے والی معلومات کو اہل عرب نے 'کہانت' کا نام دے رکھا تھا اور ہر اس شخص کو 'کاہن' کہا جاتا جو شیاطین کے ذریعے غیبی معلومات حاصل کرتا تھا۔ بعض لوگ 'کہانت' کی جگہ 'عرافت' اور 'کاہن' کی جگہ 'عرّاف' کے الفاظ بھی استعمال کرتے تھے۔

کہانت وعرافت کیا ہے؟

'کہانت' عربی زبان کا لفظ ہے، یہ 'کہن' (ک ہ ن) سے بنا ہے جس کا لغوی معنی ہے: 'غیب کی باتیں بتانا'۔ مشہور لغوی ابن منظور افریقی رحمۃ اللہ علیہ 'کاہن' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

" الکاھن الذی یتعاطی الخبر عن الکائنات فی مستقبل الزمان و یدعی معرفة الاسرار "(۱)

"یعنی کاھن وہ شخص ہے جو مستقبل کی خبریں بتانے کے درپے ہو اور غیب دانی کا دعوی کرنے والا ہو"۔

اور عرّاف کے بارے میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

" والعراف قد قیل انه اسم عام للکاھن والمنجم والرمال ونحوھم ممن یتکلم فی تقدم المعرفة بھذہ الطرق "(۲)

"کہا جاتا ہے کہ عراف ایک عام اصطلاح ہے جو کاہن، نجومی اور علم رمل جاننے والے سبھی کے لیے بولی جاتی ہے، اسی طرح ہر وہ شخص بھی عراف کہلاتا ہے جو اندازوں اور تخمینوں کے ساتھ غیب دانی کا دعوی کرتا ہے"۔

'لغات الحدیث' کی ایک معروف کتاب "النھایہ" کے مصنف 'ابن اثیر' فرماتے ہیں:

" الکاھن الذی یتعاطی الخبر عن الکائنات فی مستقبل الزمان ویدعی معرفة الاسرار وقد کان فی العرب کھنة کشق وسطیح وغیرھما فمنھم من کان یزعم انه له تابعا من

---

(۱) لسان العرب، ج۱۳ ص۳۲۳۔

(۲) مجموع الفتاوی، لابن تیمیہ، ج۳۵ ص۱۰۲۔

الجن ورئيا يلقى اليه الاخبار ومنهم من كان يزعم انه يعرف الامور بمقدمات اسباب يستدل بها على موقعها من كلام من يسأله او فعله اوحاله وهذا يخصونه باسم العراف كالذى يدعى معرفة الشئ المسروق ومكان الضالة ونحوهما والحديث الذى فيه من اتى كاهنا قد يشتمل على اتيان الكاهن و العراف والمنجم ...... والعرب تسمى كل من يتعاطى علما دقيقا كاهنا ومنهم من كان يسمى المنجم والطبيب كاهنا "(۱)

'' کاہن وہ شخص ہے جو مستقبل کے حوالے سے کائنات میں رونما ہونے والے حوادث سے باخبر کرے اور مخفی باتوں کو جاننے کا دعویٰ کرے۔ عرب میں کئی کاہن تھے مثلاً شق، سطیح وغیرہ۔ بعض کاہنوں کا دعویٰ تھا کہ جن ان کے تابع ہے جو انہیں خبریں پہنچاتا ہے اور بعض کاہن یہ کہا کرتے تھے کہ وہ سائل کے بیان، عمل اور صورتحال وغیرہ سے اندازہ لگا کر غیبی امور کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔ انہیں بالخصوص عراف کہا جاتا ہے جو مسروقہ و گمشدہ اشیاء وغیرہ کے بارے میں بتانے کا دعویٰ کرتے ہیں اور وہ حدیث جس میں کاہنوں کے پاس جانے والے کی سخت مذمت کی گئی ہے، اس کا اطلاق کاہن، عراف اور نجومی وغیرہ سبھی پر ہوتا ہے...... اہل عرب ہر اس شخص کو کاہن کہہ دیا کرتے تھے جو نہایت پیچیدہ علم کے درپے ہوتا اور بعض اہل عرب نجومی اور طبیب کو بھی کاہن کہہ دیتے تھے''۔

صحیح بخاری کی شہرہ آفاق شرح 'فتح الباری' کے مصنف 'حافظ ابن حجر' اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ

" الكهانة، ادعاء علم الغيب كالاخبار بما سيقع في الارض مع الاستناد الى سبب والاصل فيه استراق الجنى السمع من كلام الملائكة فيلقيه فى اذن الكاهن، والكاهن: لفظ يطلق على العراف والذى يضرب بالحصٰى والمنجم ويطلق على من يقوم بامر آخر ويسعى فى قضاء حوائجه وقال فى المحكم: الكاهن؛ القاضى بالغيب، وقال فى 'الجامع': العرب تسمى كل من اذن بشى قبل وقوعه كاهنا، وقال الخطابى: الكهنة؛ قوم لهم اذهان حادة ونفوس شريرة وطباع نارية فالفتهم الشيطان لما بينهم من التناسب فى هذه الامور ومساعدتهم بكل ما اتصل قدرتهم اليه "(۲)

(۱) النهاية فى غريب الحديث، لابن الاثير، بذيل مادہ: 'کہن'۔ نیز دیکھیے: لسان العرب، ج۱۳ ص۳۶۳۔

(۲) فتح الباری، ج۱۰ ص۲۱۷۔

’’غیب دانی کا دعویٰ کرنا ’کہانت‘ کہلاتا ہے جس طرح کسی ذریعہ یا سبب سے استدلال کرتے ہوئے زمین پر ہونے والے کسی واقعہ کی پیشگی اطلاع دینا اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ جن، فرشتوں کی بات چرا کر کاہن کے کان میں ڈال دیتا ہے۔ لفظ کاہن کا اطلاق ’عراف‘ پر بھی ہوتا ہے اور جو کنکر پھینک کر غیبی باتیں معلوم کرے یا نجومی بنے یا کسی اور شعبدے کے ذریعے لوگوں کی مشکل کشائی کا دعویٰ کرے، ان سب کو ’کاہن‘ کہا جاتا ہے۔ اَلْمُحکم (نامی کتاب) میں ہے کہ جو غیب دانی سے فیصلہ کرے، وہ کاہن ہے اور الجامع (نامی کتاب) میں ہے کہ ہر وہ شخص کاہن ہے جو کسی چیز کے وقوع سے پہلے ہی اس کی خبر دے۔ امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کاہن ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے دماغ نہایت تیز، نفس نہایت شریر اور طبیعتیں ناری قسم کی ہوتی ہیں چونکہ یہ چیزیں شیطانوں میں بھی پائی جاتی ہیں، اس لیے وہ ان سے مانوس ہو جاتے ہیں اور حتی المقدور ان کاہنوں کی مدد کرتے ہیں۔‘‘

کہانت وعرافت اور مشرکینِ عرب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب میں کاہنوں کا پیشہ عروج پر تھا۔ یہ لوگوں کو غیب کی باتیں بتلاتے، مختلف حوادث سے پیشگی مطلع کرتے، چوروں، ڈاکوؤں اور مجرموں وغیرہ کا سراغ لگانے میں مدد کرتے اور ایسے ہی بیسیوں رازوں اور مخفی چیزوں سے پردہ اٹھانے کی کوشش کرتے۔ نجومیوں وغیرہ کی باتیں تو محض اٹکل پچوؤں اور تخمینوں پر مبنی ہوتی تھیں جبکہ ان کاہنوں اور عرافوں کی بے شمار باتیں درست اور صحیح ثابت ہو جاتی تھیں جس کی وجہ سے یہ عوام وخواص کا مرجع بنے رہتے۔

یہاں قابل توجہ بات یہ ہے کہ آخر ان کاہنوں کی اکثر و بیشتر خبریں صحیح کیسے نکلتی تھیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کاہنوں کا شیاطین وجنات سے رابطہ ہوتا تھا، جس کی وجہ سے جن اور شیطان ان کاہنوں کو وہ باتیں بتلا دیا کرتے تھے جنہیں وہ آسمان پر جا کر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی مجلس سے چرایا کرتے تھے اور اس دور میں اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی حد تک چھوٹ دے رکھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی یہ شیاطین و جنات اللہ تعالیٰ کی مجلس سے کوئی بات چراتے تو عموماً ان کو کچھ نہ کہا جاتا۔ اور جب ان جنوں سے غیبی اور چرائی ہوئی باتیں کاہنوں کو معلوم ہو جاتیں تو وہ لوگوں کو ان سے مطلع کرتے اور اس طرح ان کاہنوں کی اہمیت بڑھ جاتی اور ان کے پاس لوگوں کا تانتا بندھا رہتا۔

ایک عرصہ تک جنات وشیاطین کو ملاءِ اعلیٰ [یعنی آسمان پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں] کی مجلس سے باتیں چرانے میں مہلت ملی رہی لیکن جب آنحضرت ﷺ کی بعثت کا وقت آیا تو جنوں اور شیطانوں کی اس مہلت کو بہت حد تک ختم کر دیا گیا تا کہ یہ آنحضرت ﷺ کی طرف آنے والی وحی میں آمیزش واختلاط پیدا نہ کرسکیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ پر نازل ہونے والی وحی اور پیغامِ خداوندی کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جیسے ہی کوئی جن ملاءِ اعلیٰ کی مجلس تک پہنچنے کی کوشش کرتا، اسے شعلہ نما ستاروں کا نشانہ بنا کر مار گرایا جاتا۔ اگر چہ اس کے باوجود یہ جن کبھی کبھار شعلہ لگنے سے پہلے اپنی چوری کی ہوئی بات نچلے جنوں کی مدد سے زمین پر موجود کاہنوں تک پہنچانے میں کامیاب بھی ہو جاتے تھے لیکن اکثر و بیشتر اب یہ ناکام ہی ہونے لگے۔

کاہنوں اور جنوں کے باہمی تعلق کے حوالے سے ہم نے گزشتہ سطور میں جو کچھ کہا ہے، اب قرآن و حدیث کے حوالے سے اس کے چند دلائل بھی ملاحظہ فرمالیں۔

(۱) : جب جنات وشیاطین کے لیے آسمان سے خبریں چوری کرنے کے سلسلہ میں رکاوٹیں بڑھ گئیں تو وہ حیران ہوئے کہ یہ ہمارے ساتھ کیا ہوا۔ چنانچہ سورۃ الجن میں خود جنوں کا یہ اعتراف موجود ہے کہ انہوں نے کہا:

﴿وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا وَأَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ [سورة الجن :۸تا۱۰]

''ہم نے آسمان کو ٹٹول کر دیکھا تو اسے سخت چوکیداروں سے بھرا ہوا پایا، اس سے پہلے ہم باتیں سننے کے لیے آسمان میں جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اب جو بھی کان لگاتا ہے وہ ایک شعلے کو اپنی تاک میں پاتا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے۔''

(۲) : اس آیت میں جس چیز کا بیان ہے، درج ذیل آیات میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

﴿اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ﹰالْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اِلَّا مَنْ خَطِفَ

الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾ [سورة الصافات ٦ تا ١٠]

''ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا اور حفاظت کی سرکش شیطان سے۔ عالم بالا کے فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لئے وہ کان بھی نہیں لگا سکتے۔ بلکہ ہر طرف سے وہ مارے جاتے ہیں بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ مگر جو کوئی ایک آدھی بات اچک کر لے بھاگے تو (فوراً) اس کے پیچھے دہکتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے''۔

(۳) : ﴿وَحَفِظْنَهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ﴾ [سورة الحجر: ١٧ تا ١٨]

''اور اسے ہر مردود شیطان سے محفوظ رکھا گیا ہے جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرے اس کے پیچھے دہکتا ہوا (کھلا شعلہ) لگتا ہے''۔

(٤) : ﴿وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ﴾ [سورة الشعرآء: ٢١٠ تا ٢١٢]

''اس قرآن کو شیطان نہیں لائے، نہ وہ اس قابل ہیں، انہیں تو اس کی طاقت بھی نہیں۔ بلکہ وہ تو سننے سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں۔''

اس آیت میں ''سننے سے بھی محروم کر دیئے گئے'' کا مطلب یہ ہے کہ اب تو ان شیاطین و جنات کو اللہ کی مجلس سے چوری چھپے باتیں سن لینے کی بھی طاقت نہیں رہی تو پھر یہ اللہ کی کتاب 'قرآن' کیسے لا سکتے ہیں۔ مذکورہ بالا چار آیات میں جو کچھ بیان ہوا ہے، درج ذیل احادیث سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے:

(۱) : ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ انْطَلَقَ النَّبِيُّ ﷺ فِيْ طَائِفَةٍ مِّنْ أَصْحَابِهِ عَامِدِيْنَ إِلَى سُوْقِ عكاظٍ وَقَدْ حِيْلَ بَيْنَ الشَّيَاطِيْنِ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَأُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ فَرَجَعَتِ الشَّيَاطِيْنُ إِلَى قَوْمِهِمْ فَقَالُوا: مَا لَكُمْ؟ فَقَالُوا: حِيْلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَأُرْسِلَتْ عَلَيْنَا الشُّهُبُ قَالُوا: مَا حَالَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ إِلَّا شَيْءٌ حَدَثَ فَاضْرِبُوْا مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَانْظُرُوْا مَا هٰذَا الَّذِيْ حَالَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ فَانْصَرَفَ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ تَوَجَّهُوْا نَحْوَ تِهَامَةَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ أَوْ هُوَ بِنَخْلَةَ عَامِدِيْنَ إِلَى سُوْقِ عُكَاظٍ وَهُوَ يُصَلِّيْ بِأَصْحَابِهِ صَلَاةَ الْفَجْرِ فَلَمَّا سَمِعُوا الْقُرْآنَ اسْتَمَعُوْا لَهُ فَقَالُوْا :

ھٰذَا وَاللّٰہِ الَّذِیْ حَالَ بَیْنَکُمْ وَ بَیْنَ خَبَرِ السَّمَآءِ فَھُنَالِکَ حِیْنَ رَجَعُوْا اِلٰی قَوْمِھِمْ فَقَالُوْا: ﴿ یَا قَوْمَنَا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا یَھْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ وَلَنْ نُّشْرِکَ بِرَبِّنَا اَحَدًا﴾ [سورۃالجن :۱] فَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی نَبِیِّہٖ ﷺ : ﴿ قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ وَاِنَّمَا اُوْحِیَ اِلَیْہِ قَوْلُ الْجِنِّ" (۱)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ عکاظ کی منڈی کا رخ کیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ابھی شیاطین کے لیے آسمان کی خبروں کو چرا لینے میں رکاوٹ پیدا کی گئی تھی اور ان پر آسمان سے آگ کے انگارے برسائے جاتے تھے۔ جب وہ جن اپنی قوم کے پاس لوٹ کر گئے تو ان کی قوم نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہوئی؟ انہوں نے بتایا کہ آسمان کی خبروں اور ہمارے درمیان رکاوٹ کر دی گئی ہے اور ہم پر آسمان سے آگ کے انگارے برسائے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آسمان کی خبروں اور تمہارے درمیان رکاوٹ ڈالے جانے کی کوئی وجہ ہے، ضرور کوئی خاص بات پیش آئی ہے۔ اس لیے زمین کے مشرق و مغرب میں پھیل جاؤ اور تلاش کرو کہ کون سی بات پیش آ گئی ہے۔ چنانچہ شیاطین مشرق و مغرب میں پھیل گئے تاکہ اس بات کا پتہ لگائیں کہ آسمان کی خبروں تک رسائی میں یہ رکاوٹ کیوں پیدا کی گئی ہے۔ چنانچہ کھوج لگانے والے ان شیاطین کا ایک گروہ وادیِ تہامہ کی طرف بھی آ نکلا جہاں رسول اکرمؐ منڈی عکاظ کی طرف جاتے ہوئے کھجوروں کے ایک باغ کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے اور اس وقت آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب شیاطین نے قرآن پاک سنا تو غور سے اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پھر انہوں نے کہا کہ یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ پیدا کی گئی ہے۔ اس کے بعد وہ شیاطین اپنی قوم کی طرف لوٹ آئے اور ان سے کہا کہ 'ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو نیکی کی راہ دکھلاتا ہے لہٰذا ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے'۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ سورت (یعنی سورۃ الجن) نازل فرمائی کہ 'آپ ﷺ فرما دیجئے کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن مجید سنا'......

(۱) بخاری، کتاب الاذان، باب الجھر بقراۃ صلاۃ الصبح، ح ۷۷۳۔ مسلم، ح ۴۴۹۔ ترمذی، ح ۳۳۲۳۔ نسا ح ۶۴۴۔

جنوں کے بارے میں یہی وحی آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی تھی"۔

(۲) : ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتِ الشَّيَاطِيْنُ لَهُمْ مَقَاعِدُ فِي السَّمَاءِ يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا الْوَحْيَ فَإِذَا سَمِعُوا الْكَلِمَةَ زَادُوْا فِيْهَا تِسْعًا فَأَمَّا الْكَلِمَةُ فَتَكُوْنُ حَقًّا إِمَّا مَا ازْدَادُوْا فَيَكُوْنُ بَاطِلًا فَلَمَّا بُعِثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُنِعُوْا مَقَاعِدَهُمْ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِإِبْلِيْسَ وَلَمْ تَكُنِ النُّجُوْمُ يُرْمٰى بِهَا قَبْلَ ذٰلِكَ. فَقَالَ لَهُمْ :مَا هٰذَا إِلَّا مِنْ أَمْرٍ قَدْ حَدَثَ فِي الْأَرْضِ فَبَعَثَ جُنُوْدَهُ فَوَجَدُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَائِمًا يُصَلِّيْ بَيْنَ جَبَلَيْنِ بِمَكَّةَ فَأَتَوْهُ فَأَخْبَرُوْهُ فَقَالَ: هٰذَا الْحَدَثُ الَّذِيْ حَدَثَ فِي الْأَرْضِ))(۱)

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شیاطین آسمانوں پر گھات لگا کر بیٹھتے تا کہ وحی سن سکیں اور جب وہ کسی بات کو سننے میں کامیاب ہو جاتے تو اس میں نو باتیں اپنی طرف سے زیادہ کر لیتے۔اس لیے وہ ایک بات تو یقیناً سچی ہے البتہ باقی نو جھوٹی ہیں۔جب اللہ کے رسول ﷺ کو مبعوث کیا گیا تو شیطانوں کو آسمان پر گھات لگا کر بیٹھنے سے روکا جانے لگا۔ان شیطانوں نے ابلیس (یعنی جنات وشیاطین کے سب سے بڑے سردار) سے اس کا ذکر کیا جبکہ آنحضرت کی بعثت سے پہلے شیطانوں پر شعلے نہیں برسائے جاتے تھے (اور اب انہیں شعلوں سے مارا جانے لگا)۔ابلیس نے کہا کہ یقینی طور پر زمین پر کوئی نیا واقعہ رونما ہوا ہے۔اس نے اپنے لشکر روانہ کیے،تو انہوں نے اللہ کے رسول کو دیکھا کہ آپ مکہ میں دو پہاڑوں کے درمیان نماز ادا کر رہے ہیں۔وہ ابلیس کے پاس واپس گئے اور اسے یہ بات بتائی تو ابلیس کہنے لگا کہ زمین پر جو بڑا حادثہ رونما ہوا ہے،وہ یہی (یعنی آنحضرت ﷺ کا نبی بنایا جانا) ہے"۔

(۳) : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی نے بیان فرمایا کہ

((بَيْنَمَا هُمْ جُلُوْسٌ لَيْلَةً مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رُمِيَ بِنَجْمٍ فَاسْتَنَارَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا ذَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا رُمِيَ بِمِثْلِ هٰذَا؟ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ كُنَّا نَقُوْلُ : وُلِدَ اللَّيْلَةَ رَجُلٌ عَظِيْمٌ وَمَاتَ رَجُلٌ عَظِيْمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَإِنَّهَا لَا يُرْمٰى بِهَا لِمَوْتِ أَحَدٍ

(۱) مسند احمد، ج۱ص ۲۷۴۔ابن کثیر ج٤ص۷۔ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الجن، ح۳۳۲٤۔

وَلَا لِحَيَاتِهِ وَلٰكِنَّ رَبَّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اسْمُهُ إِذَا قَضٰى اَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ ثُمَّ يُسَبِّحُ اَهْلُ السَّمَاءِ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ التَّسْبِيْحُ اَهْلَ هٰذِهِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا ثُمَّ قَالَ الَّذِيْنَ يَلُوْنَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ لِحَمَلَةِ الْعَرْشِ مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ فَيُخْبِرُوْنَهُمْ مَا ذَا قَالَ، قَالَ : فَيَسْتَخْبِرُ بَعْضُ اَهْلِ السَّمَاوَاتِ بَعْضًا حَتّٰى يَبْلُغَ الْخَبَرُ هٰذِهِ السَّمَآءَ الدُّنْيَا فَيَخْطَفُ الْجِنُّ السَّمْعَ فَيَقْذِفُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَائِهِمْ وَيَرْمَوْنَ بِهٖ فَمَا جَاؤُا بِهٖ عَلٰى وَجْهِهٖ فَهُوَ حَقٌّ وَلٰكِنَّهُمْ يَقْرِفُوْنَ فِيْهِ وَيَزِيْدُوْنَ)) [1]

''ایک شب ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اچانک ایک ستارہ ٹوٹا اور خوب روشن ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب جاہلیت میں اس طرح کا واقعہ ہوتا تو تم کیا کہا کرتے تھے؟ لوگوں نے کہا کہ اصل بات تو اللہ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے (البتہ) ہم یہ کہا کرتے تھے کہ آج کی رات کوئی بڑا شخص پیدا ہوا یا فوت ہوا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ یہ ستارہ کسی کی موت یا حیات پر نہیں ٹوٹتا بلکہ جب پروردگارِ عالم کوئی حکم ارشاد فرماتا ہے تو عرش کے اٹھانے والے فرشتے اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں پھر ان کی آواز سن کر ان کے پاس والے فرشتے بھی تسبیح بیان کرتے ہیں حتیٰ کہ اس طرح یہ تسبیح کی آواز آسمان دنیا تک پہنچ جاتی ہے جہاں سے جن اسے چوری کر کے اپنے دوستوں کو بتا دیتے ہیں حالانکہ ان جنوں کو ان ستاروں سے مارا بھی جاتا ہے (لیکن کبھی کبھار وہ کامیاب بھی ہو جاتے ہیں)، اس لیے جن جو چیز چرا لائیں وہ بالکل سچ ہے لیکن وہ اس میں جھوٹ کی آمیزش کر دیتے ہیں''۔

(٤) : ((عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِذَا قَضَى اللّٰهُ الْاَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهٖ كَالسِّلْسِلَةِ عَلٰى صَفْوَانٍ ،--- قَالَ عَلِيٌّ وَقَالَ غَيْرُهُ، صَفْوَانٍ يُنْفِذُهُمْ ذٰلِكَ --- فَاِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ ؟ قَالُوْا لِلَّذِيْ قَالَ :اَلْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُوا السَّمْعَ وَ مُسْتَرِقُوا السَّمْعَ هٰكَذَا وَاحِدٌ فَوْقَ آخَرَ--- وَوَصَفَ سُفْيَانُ بِيَدِهٖ وَفَرَّجَ بَيْنَ اَصَابِعِ يَدِهِ الْيُمْنٰى نَصَبَهَا بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ --- فَرُبَّمَا اَدْرَكَ الشِّهَابُ الْمُسْتَمِعَ قَبْلَ اَنْ يَرْمِيَ بِهَا اِلٰى صَاحِبِهٖ فَيُحْرِقُهُ وَرُبَّمَا لَمْ يُدْرِكْهُ حَتّٰى يَرْمِيَ بِهَا اِلَى الَّذِيْ يَلِيْهِ اِلَى الَّذِيْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْهُ حَتّٰى يُلْقُوْهَا اِلَى الْاَرْضِ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ: حَتّٰى تَنْتَهِيَ الْاَرْضَ فَتُلْقٰى عَلٰى فَمِ السَّاحِرِ (اَوِ الْكَاهِنِ) فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ

(١) مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکہانۃ واتیان الکاہن، ح ۲۲۲۹۔ تفسیر قرطبی، ج ۱۹ ص ۱۵۔

فَيُصَدِّقُ فَيَقُولُونَ أَلَمْ يُخْبِرْنَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا يَكُونُ كَذَا وَكَذَا ؟ فَوَجَدْنَاهُ حَقًّا)) [1]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کوئی فیصلہ فرماتے ہیں تو فرشتے عاجزی سے اپنے پر مارنے لگتے ہیں تو اس سے اس طرح آواز پیدا ہوتی ہے جیسے کسی صاف چکنے پتھر (چٹان) پر زنجیر کے مارنے سے پیدا ہوتی ہے --- علی بن مدینی راوی فرماتے ہیں کہ سفیان راوی کے سوا دیگر راویوں نے يُنْفِذُهُمْ ذٰلِكَ (جس سے ان فرشتوں پر دہشت طاری ہوتی ہے) کے الفاظ بھی بیان کیے ہیں--- جب ان فرشتوں کے دلوں سے ڈر اور دہشت دور ہو جاتی ہے تو دوسرے فرشتے نزدیک والے فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں کہ پروردگار نے کیا حکم صادر فرمایا ہے؟ نزدیک والے فرشتے جواب دیتے ہیں کہ بجا ارشاد فرمایا ہے اور وہ بڑا عالی شان اور عظمت والا ہے۔ ادھر فرشتوں سے وہ باتیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلے) چوری کرنے والے شیاطین ایک دوسرے کے اوپر اس طرح ہوتے ہیں--- سفیان راوی نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیاں کھول کر ایک دوسرے کے اوپر نیچے کرتے ہوئے بتلایا کہ اس طرح شیاطین ایک دوسرے کے اوپر قطاریں بنا کر آسمان پر جاتے ہیں---، پھر کبھی یہ ہوتا ہے کہ اوپر والا شیطان ابھی نیچے والے کو وہ چرائی ہوئی بات بیان نہیں کرتا کہ آگ کا شعلہ اسے مار گراتا ہے اور کبھی وہ شعلہ لگنے سے پہلے آگے بیان کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے سے ہوتے ہوئے زمین پر موجود جادوگر یا کاہن تک جا پہنچتی ہے اور وہ اس میں سو (۱۰۰) جھوٹ ملا دیتا ہے پھر اس کی آسمان سے چرائی ہوئی بات سچ نکلتی ہے تو لوگ اس کاہن کی تصدیق کرتے ہیں کہ دیکھو اس نے فلاں فلاں کہا تھا اور وہی ہوا!'' (اور اس کی جھوٹی باتوں پر توجہ نہیں کرتے)۔

دورِ جاہلیت میں کہانت کی مختلف صورتیں

دورِ جاہلیت میں کہانت و عرافت کی مختلف شکلیں رائج تھیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ صحیح مسلم کی شرح میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ

---

(۱) بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله الامن استرق السمع فاتبعه شهاب مبين ۔ ابو داؤد، ح۳۹۸۹۔ ترمذی، ح۳۲۲۳۔ ابن ماجه، ح۱۹۴۔ ابن حبان، ح۳۶۔ مسند حمیدی، ح۱۱۵۱۔

''عرب میں کہانت کی تین صورتیں تھیں:

ا۔ایک تو یہ کہ کسی آدمی کا کوئی جن دوست ہوتا، جو اسے آسمان سے چرائی ہوئی باتیں بیان کرتا اور یہ صورت اس وقت سے باطل ہو کر رہ گئی ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمادیا ہے۔

۲۔دوسری قسم یہ تھی کہ جن وغیرہ کسی انسان کو کسی ایسے مخفی معاملے اور واقعہ سے باخبر کر دیتا جو زمین کے کسی حصہ پر رونما ہو رہا ہو خواہ کہیں قریب ہو یا دور۔اس قسم کی کہانت کا وجود بھی ناممکن نہیں جبکہ معتزلہ اور کچھ دیگر متکلمین نے ان دونوں قسموں کی کہانت کی نفی کی ہے اور وہ انہیں ناممکن سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ناممکن الوجود نہیں ہیں۔البتہ ان کاہنوں کی باتوں کی تصدیق بھی ہوتی ہے اور تکذیب بھی اور نبی کریمؐ نے ان کی تصدیق کرنے اور ان کی باتیں سننے سے مطلق طور پر منع فرمادیا ہے۔

۳۔کہانت کی تیسری قسم نجومیوں سے متعلقہ ہے اور یہ ایسی قسم ہے جس میں اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو کسی قدر قوت عطا کر دیتے ہیں لیکن اس قسم میں بھی جھوٹ ہی غالب رہتا ہے۔''(۱)

اس کے بعد امام نووی رحمۃ اللہ علیہ عرافت، بدفالی، بدشگونی اور علم نجوم وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

''وھذہ الاضراب کلھا تسمی کھانة وقد أکذبھم کلھم الشرع ونھی عن تصدیقھم واتیانھم''

''یہ تمام قسمیں 'کہانت' کہلاتی ہیں اور شریعت نے ان تمام چیزوں کی تکذیب و تردید فرمائی ہے اور ان کاہن لوگوں کی تصدیق کرنے یا ان کے پاس جانے سے بھی منع فرمایا ہے''۔(۲)

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری کی شرح 'فتح الباری'(۳) میں دور جاہلیت میں موجود کہانت کی مختلف صورتوں کی نشاندہی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

''دور جاہلیت میں بالخصوص عرب میں نبوت منقطع ہونے کی وجہ سے کہانت زوروں پر تھی اور اس کی مختلف صورتیں تھیں۔ایک صورت یہ بھی تھی کہ

''کاہن حضرات جنوں سے معلومات حاصل کرتے کیونکہ جن ایک دوسرے پر قطار باندھ کر آسمان کی

---

(۱) شرح مسلم، للنووی، ج۱۴ ص۲۲۳۔

(۲) ایضاً۔ (۳) فتح الباری، ج۱۰ ص۲۱۷۔

طرف چڑھتے حتیٰ کہ سب سے اوپر والا جن (ملاءِ اعلیٰ کی مجلس سے) باتیں سن کر اپنے سے نیچے والے کو بتاتا اور وہ آگے اپنے سے نیچے والے کو، تا آنکہ سب سے آخری جن (تک وہ کلام پہنچتا) تو وہ کاہن کے کان میں وہ کلام ڈال دیتا اور وہ کاہن اس میں اپنی طرف سے (غلط باتوں کا) اضافہ کر لیتا۔ جب اسلام آیا اور قرآن مجید نازل ہونے لگا تو آسمان پر شیطانوں کی روک تھام کے لیے پہرہ لگا دیا گیا اور ان پر شعلے برسنے لگے اور پھر اب یہ صورت بن گئی کہ سب سے اوپر والا جن (ملاءِ اعلیٰ کا) کلام سن کر اگر شھاب (یعنی دہکتا ہوا انگارا نما ستارہ) لگنے سے پہلے نیچے والے کو وہ کلام بتا دیتا تو اس طرح وہ کلام چوری کرنے میں کامیاب ہوتا وگرنہ نہیں اور قرآن مجید میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ''مگر جو بات اُچک لیتا ہے اس کے پیچھے فوراً ہی دہکتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے''۔

نیز حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''اسلام سے پہلے ان کاہنوں کی کامیابی اور صداقت ہر طرف مشہور تھی جیسا کہ شق اور سطیح وغیرہ نامی کاہنوں کی کامیابی کی خبروں سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ البتہ اسلام آ جانے کے بعد یہ خال خال ہی دکھائی دیتے ہیں اور قریب ہے کہ یہ بھی ختم ہو کر رہ جائیں''۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کہانت کی دوسری صورت یہ تھی کہ

"ما یخبر به الجنی من یوالیه بما غاب عن غیره مما لایطلع علیه الانسان غالبا أو یطلع علیه من قرب منه لا من بعد".

''یعنی جن اپنے دوست (کاہن) کو ایسی بات بتاتا جو دوسرے لوگوں سے مخفی ہوتی اور عام طور پر انسان اس بات پر نہیں پہنچ پاتا یا اگر اس بات تک پہنچ سکتا ہے تو صرف اس صورت میں کہ ان جنوں اور خبیثوں سے قرب پیدا کر لے''۔(۲)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کہانت کی تیسری صورت یہ تھی کہ

''جس میں کاہن اپنے اندازے، قیاس اور ذہن کی تیزی کے ذریعے کسی بات کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے، اگرچہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسی ذہنی قوت دی ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اس صورت میں جھوٹ بکثرت پایا جاتا ہے''۔

(۱) ایضاً۔ (۲) ایضاً۔

حافظ موصوف کہانت کی چوتھی قسم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

''اس میں تجربے اور عادت کی رو سے کسی واقعہ کے رونما ہونے پر پیشگی اطلاع دی جاتی ہے اور اس آخری قسم میں جادو سے مشابہت پائی جاتی ہے''۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''بعض کاہن اپنی کہانت کو دیگر ٹونے ٹوٹکوں، فالوں اور علم نجوم وغیرہ کے ذریعہ سے بھی تقویت دیتے ہیں، لیکن یہ سارے کام شرعی نقطۂ نگاہ سے قابل مذمت ہیں''۔ (۱)

کہانت دورِ حاضر میں

دور حاضر میں بھی کہانت کا پیشہ بڑا مشہور اور جاہل عوام میں بڑا مقبول ہے، اگرچہ کاہن نام سے کم ہی کوئی آدمی آپ کو دکھائی دے گا، لیکن کہانت سے متعلقہ تمام چیزیں آپ کو اپنے معاشرے میں ضرور ملیں گی۔ اس لیے کہ کہانت کا پیشہ کرنے والے اپنے آپ کو کاہن کہلانے کی بجائے پروفیسر، عامل، باوا، بابا...... وغیرہ جیسے ناموں اور القابوں سے متعارف کروانا پسند کرتے ہیں لیکن کسی چیز کا نام بدل لینے سے اس کی حقیقت واصلیت نہیں بدلی جاسکتی!

جس طرح نجومی، دست شناس یا جادوگر وغیرہ کا اگرچہ ایک خاص شعبہ ہے لیکن وہ کاروبار بڑھانے کے لیے کاہنوں اور طبیبوں وغیرہ سے متعلقہ شعبوں میں بھی دخل اندازی کرتے ہیں، اسی طرح کاہنوں کا ایک خاص شعبہ اور دائرہ کار ہے لیکن لوگوں سے مال بٹورنے کے لیے یہ حضرات بھی ہر طرح کا کیس پکڑنے کے لیے ہر دم تیار رہتے ہیں۔

کہانت کا عمومی تعلق حادثات و واقعات سے ہوتا ہے یعنی چوری، ڈکیتی، قتل و غارت گری اور ایسے دیگر جرائم وحادثات میں اصل مجرموں کی نشاندہی کرنے کے لیے جو لوگ اپنی خدمات پیش کرتے ہیں، انہیں ہی دراصل کاہن کہا جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کے اہم واقعات کی پیشگی اطلاع دینے، مخفی وغیبی باتوں سے آگاہ کرنے اور دوسروں کے رازوں اور بھیدوں کو آشکارا کرنے کے بھی یہ دعویدار ہوتے ہیں۔

---

(۱) ایضاً۔

دورِ حاضر میں کہانت کی بنیاد چار چیزوں پر ہے

دورِ حاضر میں کاہنوں (عاملوں پروفیسروں باووں وغیرہ) کا پیشہ چار بنیادوں پر گردش کرتا ہے:

۱)......غیب دانی

اکثر و بیشتر کاہن غیب دانی کے دعویدار ہوتے ہیں لیکن قرآن وسنت سے ہمیں یہ راہنمائی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب دان نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴾

''کہہ دیجئے کہ آسمان والوں اور زمین والوں میں سے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی غیب نہیں جانتا، اور یہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے''۔ [سورۃ النمل:۶۵]

البتہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء ورسل میں سے جسے اور جب چاہے حسبِ ضرورت کسی غیبی معاملے سے بذریعہ وحی مطلع فرما دیا کرتے تھے اور ایسا حسبِ موقع ہوتا تھا اور اب چونکہ اس وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے، اس لیے ہر وہ شخص کذاب ومفتری ہے جو غیب دانی کا کسی طرح بھی مدعی ہو۔

۲)...... اُٹکل پچو

کاہن حضرات اپنے اندازوں، تخمینوں اور فضول قیاس آرائیوں (اٹکل پچوؤں) سے کام لیتے ہیں اور ان میں جو عامل وکاہن جتنا ہوشیار وچالاک ہوگا، اتنا ہی لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب رہے گا۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام ایسے اٹکل پچوؤں کی مذمت کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ﴾ [سورۃ النجم :۲۸]

''اور جس چیز کا تمہیں علم ہی نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو''۔ یعنی بغیر علم کے بے تکی باتیں نہ کرو۔

۳)......نفسیاتی حربے

بعض کاہن حضرات علم نفسیات میں مہارت حاصل کر کے لوگوں کی مشکلیں حل کرنے کا کاروبار کر رہے ہیں۔ یہ اپنے مریضوں، گاہکوں اور سائلوں کو نفسیاتی طور پر گمراہ اور بے وقوف بناتے ہیں حالانکہ علم نفسیات کہانت ونجوم سے الگ ایک مستقل علم ہے جس کی اکثر وبیشتر صورتیں شرعی طور پر جائز ہی نہیں بلکہ مستحب بھی ہیں لیکن اس علم کی بنیاد پر غیب دانی کا دعویٰ کرنا یا مشکل کشائی اور تقدیریں سنوارنے کا پروپیگنڈہ کرنا

محض حماقت ہی نہیں بلکہ کفر و شرک بھی ہے اور ایسا شخص شاید یہ سمجھتا ہے کہ اس نے عوام کو بے وقوف بنا رکھا ہے جبکہ وہ اس حقیقت سے خود بھی بے خبر ہے کہ دراصل شیطان نے خود اسے بھی بے وقوف بنا رکھا ہے۔

۴)...... جنات و شیاطین کی مدد

پچھلی تین صورتیں فضولیات سے بڑھ کر کچھ نہیں، البتہ یہ چوتھی صورت جس میں کاہنوں نے جنات سے تعلقات پیدا کر رکھے ہوتے ہیں، سب سے اہم اور خطرناک ہے۔ اس لیے اسے قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

دورِ جاہلیت میں کہانت اس لیے مشہور و مقبول تھی کہ کاہنوں نے کسی نہ کسی طرح جنات سے تعلق استوار کر رکھا ہوتا تھا یا ان سے دوستانہ مراسم قائم کیے ہوتے تھے اور یہ بات تو ثابت ہے کہ جنات آسمانوں پر جا کر اللہ تعالیٰ کی باتوں کو چرایا کرتے تھے پھر جن کاہنوں نے ان میں سے کسی جن سے تعلق پیدا کر لیا ہوتا تو وہ جن اپنے اس کاہن دوست کو آسمان سے چوری کی ہوئی بات بتا دیتا۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے چونکہ اکثر و بیشتر جنات (شیاطین) آسمان سے غیبی باتیں چرانے میں کامیاب ہو جاتے تھے، اس لیے کاہن لوگ ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا کرتے تھے مگر آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد جنات کو آسمانوں سے خبریں چرانے میں انتہائی مشکل پیش آنے لگی اور انہیں شعلوں (ٹوٹنے والے ستاروں) سے مار پڑنے لگی اور اکثر و بیشتر انہیں ناکامی کا سامنا ہونے لگا۔ اگرچہ اس کے باوجود کبھی کبھار یہ اپنے مشن میں کامیاب بھی ہو جاتے تھے جیسا کہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ

''یعنی آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد کہانت ختم ہو کر رہ گئی لیکن ان کاہنوں کی مشابہت کرنے والے کچھ لوگوں کا وجود باقی رہا اور ان کے پاس جانے کی ممانعت آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔ لہٰذا ان کے پاس جانا اور ان کی تصدیق کرنا جائز نہیں''۔[۱] نیز حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''آسمانی خبریں چرانے کی اب یہی صورت باقی رہ گئی ہے جس میں (قطار باندھ کر آسمان پر جانے والوں میں سے) سب سے اوپر والا جن، شہاب ثاقب لگنے سے پہلے ہی اپنے سے نیچے والے جن کو چرائی ہوئی بات بتا دیتا ہے۔ (اور اس طرح وہ بات زمین پر موجود کاہنوں تک پہنچ جاتی ہے)...... اس طرح یہ جن اپنے کاہن و عامل دوستوں کو زمین پر ہونے والے دیگر ایسے واقعات سے بھی باخبر کرتے ہیں جن سے دوسرے لوگ بے خبر ہوتے ہیں''۔[۲]

---

(۱) فتح الباری، ج ۱۰ ص ۲۱۷۔ (۲) ایضاً۔

دورِ حاضر میں بھی کہانت کی یہی صورت ان کاہنوں کی شہرت اور عوام کی حماقت کا سب سے بڑا سبب ہے، اسی لیے آنحضرت ﷺ نے بڑی سختی سے ایسے لوگوں کے پاس جانے سے روک دیا۔ آنحضرت ﷺ کے دور میں کہانت کا دھندہ کرنے والے کافر ومشرک لوگ تھے مگر پھر بھی مسلمانوں کو ایسے کاہنوں کے پاس جانے سے آنحضرتؐ نے منع فرما دیا، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ

((مَنْ أَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا قَالَ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ)) (1)

''جو شخص کسی کاہن کے پاس جائے اور اس کی تصدیق کرے تو اس نے اس (دین) کا کفر کیا جو محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے۔''

اس حدیث کی روشنی میں سوچیے کہ ایسے علم کا سیکھنا اور کہانت کا پیشہ اختیار کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ لیکن افسوس اب تو بہت سے نام نہاد مسلمان اُسے اپنی روزی کا ذریعہ بنائے بیٹھے ہیں حالانکہ ایسی روزی بھی حرام ہے اور ایسا پیشہ اختیار کرنا یا کہانت کا علم حاصل کرنا بھی غلط ہے۔

کہانت کی اس شکل پر ایک عقلی تبصرہ

کہانت کی کامیاب شکل اگر کوئی ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ کاہن کے پاس کوئی جن ہو اور فی الواقع وہ جن آسمان سے خبر چوری کرلانے میں کامیاب بھی ہوتا ہو۔ لیکن اول تو اکثر وبیشتر جنات خبریں چوری کرتے ہوئے آسمان پر شعلوں کا شکار ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں اور اگر فرض کریں کہ کسی کاہن کا جن کامیاب ہو کر واپس لوٹ آتا ہے تو ایسا ہزاروں لاکھوں میں سے خال خال ہی کوئی ہو سکتا ہے اور کسی کاہن کے چہرے پر تو نہیں لکھا کہ اس کا جن کامیاب ہو کر لوٹا ہے۔ مزید برآں یہ کامیاب ہونے والا بھی ایک بات میں سو جھوٹ ملا دیتا ہے۔ اب ایسے کاہن کے پاس جانے والے سو آدمیوں میں سے کوئی ایک ہی ایسا خوش قسمت ہو سکتا ہے جو بات حاصل کرتا ہے اور باقی ننانوے لوگوں کو جھوٹی باتیں ہی بتائی جاتی ہیں اور ایسا کرنا جہاں ان کاہنوں کی مجبوری ہے، وہاں ان لوگوں کی بے وقوفی بھی ہے جو ہزاروں روپے فیس ادا کر کے ایسا خطرہ مول لیتے ہیں۔

ان عاملوں کاہنوں کی تردید اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ اگر ان کاہنوں اور عاملوں وغیرہ کے لوٹا

(1) المعجم الکبیر، للطبرانی، ج۱۸ ص ۳۵۵۔ مسند بزار، ح۳۰۴۳۔ ح ۳۰۴۴۔ مجمع الزوائد، ج۵ ص ۱۱۷۔ امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں: ''اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے اسحاق بن ربیع کے البتہ وہ بھی ثقہ راوی ہے''۔

گھمانے، پرچی نکالنے، بچوں کے ناخنوں یا کاغذ یا کپڑے وغیرہ پر منتر شنتر کر کے فی الواقع اصلی چور، قاتل یا مجرم وغیرہ تک پہنچنے میں مدد ملتی ہوتی تو حکومتوں کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ لاکھوں کروڑوں روپے ضائع کر کے ہر شہر اور علاقے میں بڑے بڑے پولیس اسٹیشن اور تفتیشی سنٹر قائم کر کے ان کے مصارف برداشت کرے۔ اور پھر لاکھوں کروڑوں کا بجٹ ان کے لیے مختص کرے؟ پھر تو حکومت کو چاہئے کہ چند ایک کاہنوں، عاملوں، پروفیسروں اور ایسے 'باووں' کی خدمت حاصل کر کے اتنا بھاری بجٹ تھانوں اور تفتیشی سنٹروں کی نذر کرنے کی بجائے اسے دیگر تعمیراتی منصوبہ جات میں صرف کر کے ملک کی ترقی میں اہم کردار ادا کرے۔ یا تو حکومتیں بے وقوف ہیں کہ آج تک کسی ملک کی حکومت نے ان 'بابوں' اور 'باووں' سے ایسا کام نہیں لیا یا پھر یہ کاہن ہی جھوٹے اور نا قابل اعتماد ہیں اور فی الواقع ایسا ہی ہے کہ یہ نام نہاد عامل، کاہن، پروفیسر، نجومی، جادوگر وغیرہ اس قابل ہی نہیں کہ ان پر اعتماد کیا جائے......!!

کہانت حرام ہے

اب ہم آنحضرت ﷺ کے وہ واضح فرمودات وارشادات نقل کئے دیتے ہیں جن میں کہانت کے پیشہ کو حرام اور اس میں دلچسپی لینے کو کفریہ عمل قرار دیا گیا ہے:

(۱) : ((عَنْ صَفِيَّةَ عَنْ بَعْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : مَنْ اَتٰى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةُ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً))[۱]

''حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی کسی زوجہ مطہرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی عراف (کاہن) کے پاس آیا اور اس سے کسی (غیبی) چیز کے متعلق سوال کیا تو اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہیں ہوتی''۔

(۲) : ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ اَتٰى كَاهِناً اَوْ عَرَّافًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ))[۲]

(۱) مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکهانة واتیان الکهان، ح ۲۲۳۰۔ احمد، ج ٤ ص ٦٨۔ حلیة الاولیاء، ج ۱۰ ص ٤٠٦۔ بیهقی، ج ٨ ص ١٣٨۔ المعجم الاوسط، ح ١٤٢٤۔ مجمع الزوائد، ج ٥ ص ١١٨۔ بزار، ح ٣٠٤٥۔

(۲) مسند احمد، ج ۲ ص ٤٢٩۔ مستدرك حاکم، ج ۱ ص ٨۔ امام حاکمؒ اور ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ طحاوی، ج ۲ ص ٤٤۔ ارواء الغلیل، ج ٥ ص ٦٩۔ شیخ البانیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی کاہن یا عراف کے پاس آیا اور اس کی بات کی تصدیق کی تو گویا اس نے اس چیز (دین) کا کفر کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی“۔

(۳) : ((عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَنْ اَتٰی حَائِضًا اَوِ امْرَاَةً فِیْ دُبُرِهَا اَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم))(۱)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنی بیوی سے حالت حیض میں، یا دبر میں جماع کیا، یا کاہن کے پاس جا کر اس کی تصدیق کی تو وہ اس دین سے باہر ہو گیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا“۔

(٤) : ((عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَنْ اَتٰی حَائِضًا اَوِ امْرَاَةً فِیْ دُبُرِهَا اَوْ كَاهِنًا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم))(۲)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنی بیوی سے حالت حیض یا دبر میں وطی کی یا کاہن کے پاس گیا تو بلاشبہ اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے“۔

(٥) : ((عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الانصارِیِّ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهٰی عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِیِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ))(۳)

”حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کے (کاروبار)، زانیہ کی کمائی اور کاہن کی شیرینی (کمائی) سے منع فرمایا ہے“۔

(٦) : ((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم : لَیْسَ مِنَّا مَنْ تَطَیَّرَ اَوْ تُطُیِّرَلَهٗ اَوْ

(۱) احمد، ج۲ص۴۰۸۔ مسند دارمی، ح۱۱۳٦۔ التاریخ الکبیر، للبخاری، ج۳ص۱٦۔ ابوداؤد، کتاب الطب، ح۳۹۰٤۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج٤ص٦٥۲۔ اس کی سند میں اگرچہ کلام ہے مگر دیگر روایات اس کی شاہد موجود ہیں۔

(۲) ترمذی، کتاب الطهارة، باب ماجاء فی کراهية اتیان الحائض، ح۱۳٥۔ مسند احمد، ج۲ص٤۷٦۔ ابن ماجه، ح٦۳۹۔ شواہد کی بنا پر قابل اعتبار ہے۔

(۳) مسلم، کتاب المساقاة، باب تحریم ثمن الکلب وحلوان الکاهن ومهر البغی ...، ح۱٥٦۷۔ نیز دیکھیے: بخاری، کتاب الطب، ح٥۷٦۱۔

تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَ لَهُ وَمَنْ عَقَدَ عُقْدَةً وَمَنْ أَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا قَالَ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ)) (۱)

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو بدفالی لے یا اس کے لیے بدفالی کا عمل کیا جائے یا جو شخص کاہن بنے یا اس کے لیے کہانت کا عمل کیا جائے یا جو جادو کرے یا جادو کروائے یا گرہ لگائے ایسے لوگوں کا ہم سے کوئی تعلق نہیں اور جو شخص کاہن کے پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو گویا اس نے اس چیز کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے''

(۷) : ((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَاسٌ عَنِ الْكُهَّانِ فَقَالَ: لَيْسَ بِشَيْءٍ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّهُمْ يُحَدِّثُونَنَا أَحْيَانًا بِشَيْءٍ فَيَكُونُ حَقًّا. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطَفُهَا الْجِنِّيُّ فَيَقُرُّهَا فِي أُذُنِ وَلِيِّهِ فَيَخْلِطُونَ مَعَهَا مِائَةَ كِذْبَةٍ)) (۲)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے کاہنوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو کچھ بھی نہیں! لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! یہ لوگ ہمیں جو باتیں بتاتے ہیں وہ کبھی کبھار بالکل سچ ثابت ہوتی ہیں، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ان کی جو بات سچ ثابت ہوتی ہے وہ صرف وہی بات ہے جو جن آسمان سے چرا کر اپنے کاہن دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے اور وہ کاہن (عامل) اس میں سینکڑوں جھوٹوں کی آمیزش کر ڈالتے ہیں''۔

(۸) : ((عَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أُمُورًا كُنَّا نَصْنَعُهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، كُنَّا نَأْتِي الْكُهَّانَ . قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فَلَا تَأْتُوا الْكُهَّانَ ، قَالَ قُلْتُ : كُنَّا نَتَطَيَّرُ، قَالَ: ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُهُ أَحَدُكُمْ فِي نَفْسِهِ فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ)) (۳)

''حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! دور جاہلیت میں ہم کئی کام کیا کرتے تھے (جن میں سے ایک یہ تھا) ہم کاہنوں کے پاس جایا کرتے تھے؟ اللہ کے رسول

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، ج۱۸ ص ۳۵۵۔مسند بزار، ح۳۰۴۳۔ح۳۰۴۴۔مجمع الزوائد، ج۵ ص ۱۱۷۔ امام ہیثمی فرماتے ہیں: "رواه البزار ورجاله رجال الصحيح خلا اسحاق بن ربيع وهو ثقة" اسے بزار نے روایت کیا اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے اسحاق بن ربیع کے البتہ وہ بھی ثقہ راوی ہے''۔

(۲) بخاری، کتاب الطب، باب الکهانة...، ح۵۷۶۲۔مسلم، کتاب السلام، ح۲۲۲۸۔ احمد، ج۶ ص۸۷۔

(۳) مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکهانة...، ح۵۸۱۳،۵۳۷۔

ﷺ نے فرمایا: کاہنوں کے پاس نہ جایا کرو۔ یہی صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: ہم بدفالی بھی لیا کرتے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو تم میں سے کسی شخص کے دل میں پیدا ہوتی ہے (اور اس سے بڑھ کر اس کا کوئی کام نہیں) لہٰذا یہ (بدفالی و بدشگونی) تمہارے کاموں میں رکاوٹ نہ بنے۔ (یعنی اسے کوئی اہمیت نہ دو)"۔

(۹) : ((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ قَالَ: مَنْ أَتٰى عَرَّافًا أَوْ سَاحِرًا أَوْ كَاهِنًا فَسَأَلَهُ فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ)) (۱)

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی عراف، جادوگر یا کاہن کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی تو اس نے اس چیز کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی"۔

(۱۰) : امام طبرانی نے اپنی کتاب 'المعجم الاوسط' میں یہی روایت اس طرح نقل کی ہے کہ

((مَنْ أَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ وَمَنْ أَتَاهُ غَيْرَ مُصَدِّقِهِ لَهُ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةُ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً)) (۲)

"جو شخص کسی کاہن کے پاس آیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی تو یہ اس چیز سے بری (باہر) ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر نازل کی ہے اور جو کاہن کے پاس گیا مگر اس کی تصدیق نہیں کی تو اس کی بھی چالیس دنوں کی نماز قبول نہیں ہو گی۔"

البتہ یہ بات یاد رہے کہ اس وعید میں وہ شخص شامل نہیں جو ان کاہنوں، نجومیوں، اور عاملوں وغیرہ کو توبہ تائب ہونے اور راہ راست پر چلنے کی دعوت دینے کی غرض سے جانے والا ہو یا ان کے کرتوت کا مشاہدہ کر کے لوگوں کو ان کے فریب اور دھوکوں سے باخبر کرنے کی نیت رکھتا ہو۔ البتہ جو انہیں سچا سمجھتے ہوئے یا محض دل لگی وغیرہ کے لیے جائے وہ اس وعید میں شامل ہے۔

......☆......

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۱۰ ح ۱۰۰۰۵۔ مسند ابی یعلیٰ، ج ۹ ح ۵۴۰۸۔ مسند بزار، ح ۳۰۴۵۔ مجمع الزوائد، ج ۵ ص ۱۱۸۔ وقال رجال الکبیر و البزار ثقات۔

(۲) المعجم الاوسط، للطبرانی، ح ۱۴۷۶۔

(۳) المغنی، لابن قدامہ، ج ۱۲ ص ۳۰۵۔

باب۳

خوابوں کا بیان

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سچے اور نیک خوابوں کے ذریعے انسان کو مستقبل سے متعلق کسی مخفی کام کے بارے میں اشارے کنائے یا بعض اوقات قدرے صراحت کے ساتھ کوئی چیز بتادی جاتی ہے۔ اس میں بندے کا کوئی کمال نہیں، نہ ہی یہ کوئی کسبی چیز ہے کہ انسان کسی خاص علم، تجربہ، یا محنت سے اسے حاصل کر لے اور جب چاہے خواب دیکھ کر تقدیر اور مستقبل سے متعلقہ باتیں معلوم کر لے، بلکہ یہ وہبی چیز ہے، اللہ چاہے تو کسی کو خواب کے ذریعے کچھ بتادے، نہ چاہے تو کچھ نہ بتائے۔
آئندہ سطور میں خوابوں کی تفصیلات سے پہلے اس سے متعلقہ چند صحیح ومستند احادیث ذکر کی جارہی ہیں، پھر ان احادیث کی روشنی میں اس موضوع سے متعلقہ اہم نکات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

خوابوں سے متعلقہ چند صحیح احادیث

(۱) : ((عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: اَلرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَاَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ))[1]

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک آدمی اچھا خواب دیکھے تو یہ نبوت کے چھیالیس (۴۶) اجزاء میں سے ایک جز ہے"۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نبوت کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ختم کر دیا گیا، اس لیے یہاں یہ شبہ پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ شاید نبوت کا کوئی دروازہ ہمیشہ کے لیے کھلا رکھا گیا ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ خواب کو نبوت کے ساتھ مشابہت صرف ایک پہلو سے دی گئی ہے اور وہ پہلو یہ ہے کہ نبوت میں جس طرح وحیِ الٰہی کے ذریعے غیب اور مستقبل کی بعض باتیں بتائی جاتی تھیں، اسی طرح غیب اور مستقبل کی کوئی بات سچے خواب کے ذریعے بھی بتائی جاسکتی ہے۔

اسی طرح الہام کے ذریعے بھی بعض اوقات مستقبل کی کوئی مخفی بات دل میں ڈال دی جاتی ہے مگر

(۱) صحیح البخاری، کتاب التعبیر، باب رؤیا الصالحین، ح۶۹۸۳۔

احادیث میں خواب کی طرح اسے نبوت کے ساتھ کوئی نسبت نہیں دی گئی، شاید اس لیے کہ یہ خواب کی بہ نسبت بہت کمزور ذریعہ ہے اور اس میں شیطان کی مداخلت بھی زیادہ ہوتی ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ خواب کو نبوت کے چھیالیس اجزا میں سے ایک جز قرار دینے کا کیا مطلب ہے؟ تو اس سلسلہ میں اہل علم نے مختلف توجیہات وتوضیحات پیش کی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اسی حدیث کے تحت اس سلسلہ میں پیش کی گئی بے شمار توجیہات یکجا کر دی ہیں مگر وہ سب مختلف اہل علم کی اپنی اپنی آراء ہیں اور کسی ایک رائے پر سب اہل علم کا اتفاق نہیں ہے۔ اس لیے اس سلسلہ میں کسی ایک رائے کو حتمی قرار دینا مشکل ہے۔ پھر یہ مشکل اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے جب دیگر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں چھیالیس کی بجائے ستر یا چھبیس یا کوئی اور عدد بیان ہوا ہے۔ شائقین اس سلسلہ میں فتح الباری اور دیگر کتبِ فقہ وشروحِ حدیث ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ جہاں تک اس سلسلہ میں مجھے سمجھ آئی ہے وہ یہ ہے کہ خواب کو وحیِ الٰہی کے ساتھ وقوع کے حوالے سے نسبت دی گئی ہے یعنی وحیِ الٰہی تو سو فیصد درست ذریعہ ہے اور اس کے غلط ہونے میں ایک فیصد بھی امکان نہیں مگر اس کے مقابلہ میں خواب چونکہ سچا بھی ہوسکتا ہے اور جھوٹا بھی، اس لیے اس کی صحت وعدم صحت تقریباً پچاس فیصد ہے، اسے آپ بخاری کی مذکورہ روایت کے مطابق عین چھیالیس فیصد (1 اور 46 کی نسبت) کہہ لیں یا دیگر روایات کے حساب سے اس سے کچھ کم وبیش۔

(۲) : ((اِنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ، قَالُوْا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ))[۱]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: مُبَشِّرَاتُ کے علاوہ نبوت سے کچھ باقی نہیں رہا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی: مُبَشِّرَاتُ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نیک خواب''۔

(۳) : ((عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ: اَلرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ مِنَ اللّٰهِ، وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ))[۲]

''حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سچا خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے

---

(۱) ایضاً، باب المبشرات، ح ۶۹۹۰۔

(۲) ایضاً، باب الرؤیا من اللہ ح ۶۹۸۴۔

اور 'حُلم' (یعنی غیر سچا/ناپسندیدہ/ڈراؤنا خواب) شیطان کی طرف سے"۔

(٤) : ((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: اِذَا رَآی اَحَدُکُمْ رُؤْیَا یُحِبُّهَا فَاِنَّمَا هِیَ مِنَ اللّٰهِ فَلْیَحْمَدِ اللّٰهَ عَلَیْهَا وَلْیُحَدِّثْ بِهَا وَاِذَا رَآی غَیْرَ ذٰلِكَ مِمَّا یَکْرَهُ فَاِنَّمَا هِیَ مِنَ الشَّیْطَانِ فَلْیَسْتَعِذْ مِنْ شَرِّهَا وَلَا یَذْکُرْهَا لِاَحَدٍ فَاِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ))(١)

"حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص پسندیدہ خواب دیکھے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے، لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور اسے (اپنے احباب واقرباء) سے بیان کرے اور اگر وہ اس کے برعکس کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے، لہٰذا اسے چاہیے کہ اس (ناپسندیدہ خواب) کے شر سے بچنے کے لیے اللہ سے پناہ طلب کرے اور اس کا ذکر کسی سے نہ کرے کیونکہ یہ خواب اسے کوئی تکلیف نہیں دے گا"۔

(٥) : ((عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ: اَلرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّیْطَانِ فَاِذَا حَلَمَ اَحَدُکُمْ فَلْیَتَعَوَّذْ مِنْهُ وَلْیَبْصُقْ عَنْ شِمَالِهٖ فَاِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ))(٢)

"حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نیک خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور 'حُلم' (یعنی غیر سچا/ناپسندیدہ/خوفناک خواب) شیطان کی طرف سے۔ لہٰذا جب تم میں سے کوئی برا خواب دیکھے تو وہ اس سے اللہ کی پناہ مانگے اور اپنے بائیں جانب تھوکے۔ پس یہ خواب اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہوگا"۔

(٦) : ((عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ : اَلرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّیْطَانِ فَمَنْ رَاٰی شَیْئًا یَکْرَهُهٗ فَلْیَنْفُثْ عَنْ شِمَالِهٖ ثَلَاثًا وَلْیَتَعَوَّذْ مِنَ الشَّیْطَانِ فَاِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ))(٣)

"حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نیک خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور 'حُلم' شیطان کی طرف سے۔ پس جو شخص ناپسندیدہ خواب دیکھے، اسے چاہیے کہ اپنے بائیں جانب

---

(١) ایضاً، ح٨٥۔

(٢) ایضاً، باب الرؤیا الصالحة جزء من ستة واربعین جزءا من النبوة، ح ٦٩٨٦۔

(٣) ایضاً، باب من رأی النبی فی المنام، ح ٦٩٩٥۔

تین مرتبہ تھوکے اور شیطان سے بچنے کے لیے تعوذ پڑھے، تو یہ ناپسندیدہ خواب اسے کوئی نقصان نہیں دے گا"۔

(۷) : ﴿ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكَدْ تَكْذِبُ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ ...... اَلرُّؤْيَا ثَلَاثٌ: حَدِيثُ النَّفْسِ، وَتَخْوِيفُ الشَّيْطَانِ، وَبُشْرٰى مِنَ اللّٰهِ، فَمَنْ رَأٰى شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلَا يَقُصَّهُ عَلٰى أَحَدٍ وَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ))[۱]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب (قیامت کا) زمانہ قریب آ جائے گا تو مومن کا کوئی خواب جھوٹا نہیں ہوگا۔ اور مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس (۴۶) اجزاء میں سے ایک جز ہے۔..... اور خواب تین طرح کے ہوتے ہیں :

(۱) نفسیاتی خواب۔

(۲) شیطان کی طرف سے غمزدہ کرنے والے خواب۔

(۳) نیک خواب جو اللہ کی طرف سے خوشخبری اور بشارت ہیں۔

جو شخص ان میں سے ایسا خواب دیکھے جسے وہ ناپسند کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ ایسا خواب کسی کو بیان نہ کرے اور (خواب کے بعد) اٹھے اور (نفل) نماز پڑھے"۔

(۸) : ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَلرُّؤْيَا ثَلَاثٌ فَبُشْرٰى مِنَ اللّٰهِ ، وَحَدِيثُ النَّفْسِ، وَتَخْوِيفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ))[۲]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خواب تین طرح کے ہوتے ہیں: اللہ کی طرف سے بشارت دینے والے (یعنی سچے خواب)، نفسیاتی خواب اور شیطان کی طرف سے ڈرانے والے خواب"۔

---

(۱) بخاری، کتاب التعبیر، باب القید فی المنام، ح ۷۰۱۷۔ مسلم، کتاب الرؤیا، ح ۲۲۶۳۔ احمد، ج ۲ ص ۶۷۲۔ ترمذی، ح ۲۲۷۰۔ ابن ماجۃ، ح ۳۹۶۳۔ دارمی، ح ۲۱۴۴۔ ابو داؤد، ح ۵۰۱۹۔ حاکم، ج ۴ ص ۴۳۲۔ شرح السنۃ، ج ۶ ص ۲۹۶۔

(۲) سنن ابن ماجہ، کتاب تعبیر الرؤیا، باب الرؤیا ثلاث، ح ۳۹۰۶۔

(۹) : ((عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِنَّ الرُّؤْيَا ثَلَاثٌ مِنْهَا اَهَاوِيْلُ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيُحْزِنَ بِهَا ابْنَ آدَمَ وَمِنْهَا مَا يَهُمُّ بِهِ الرَّجُلُ فِيْ يَقْظَتِهٖ فَيَرَاهُ فِيْ مَنَامِهٖ وَمِنْهَا جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ))(۱)

''حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: خواب تین طرح کے ہوتے ہیں: ایک تو وہ ہیں جو شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں تاکہ وہ ابن آدم کو ڈرائے اور خوف زدہ کرے۔ دوسرے وہ (نفسیاتی خواب) ہیں کہ جن میں انسان حالت نیند میں بھی وہی کچھ دیکھتا ہے جو وہ حالت بیداری میں دیکھتا ہے اور تیسرے وہ ہیں جو نبوت کے چھیالیس اجزا میں سے ایک جز کی حیثیت رکھتے ہیں''۔ [یعنی سچے خواب]

(۱۰) : ((عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ قَالَ كُنْتُ اَرَى الرُّؤْيَا اُعْرٰى مِنْهَا غَيْرَ اَنِّيْ لَا اُزَمَّلُ حَتّٰى لَقِيْتُ اَبَا قَتَادَةَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اَلرُّؤْيَا مِنَ اللّٰهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَاِذَا حَلَمَ اَحَدُكُمْ حُلْمًا يَكْرَهُهٗ فَلْيَنْفُثْ عَنْ يَسَارِهٖ ثَلَاثًا وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا فَاِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهٗ))(۲)

''حضرت ابوسلمہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں ایسے خواب دیکھا کرتا کہ ان سے میں بیمار ہو جاتا، البتہ مجھ پر (بیماروں کی طرح) چادر نہیں ڈالی جاتی تھی [یعنی اتنا بیمار نہیں ہو جاتا تھا کہ بستر ہی پر پڑا رہوں]، حتی کہ میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے اپنی اس حالت کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ سے میں نے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سچا خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور حُلم (یعنی غیر سچا ر وحشت ناک خواب) شیطان کی طرف سے، پس جب تم میں سے کوئی شیطانی اور ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے بائیں جانب تین مرتبہ تھوکے اور اس برے خواب کے شر سے بچنے کے لیے اللہ سے پناہ مانگے (یعنی تعوذ پڑھے) تو وہ شیطانی خواب اسے کوئی تکلیف نہیں دے گا''۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَلْيَتَحَوَّلْ عَنْ جَنْبِهِ الَّذِيْ كَانَ عَلَيْهِ))

(۱) ایضاً، ح ۳۹۰۷۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، باب فی کون الرؤیا من اللہ وانہا جزء من النبوۃ، ح ۲۲۶۱، ۵۸۹۷۔

''اس (برا خواب دیکھنے والے شخص) کو چاہیے کہ وہ پہلو بدل لے''۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ ابو سلمہ فرماتے ہیں:

((اِنْ كُنْتُ لَأَرَى الرُّؤْيَا أَثْقَلَ عَلَيَّ مِنْ جَبَلٍ فَمَا هُوَ اِلَّا أَنْ سَمِعْتُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ فَمَا أُبَالِيْهَا))[2]

''میں ایسے خواب دیکھتا جو پہاڑ سے بڑھ کر میرے لیے سخت ہوتے، جب سے میں نے یہ حدیث سنی ہے تب سے مجھے ان خوابوں کی کوئی پروا نہ رہی''۔[یعنی خوف ختم ہو گیا]

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((فَاِنْ رَأَى رُؤْيَا حَسَنَةً فَلْيُبْشِرْ وَلَا يُخْبِرْ اِلَّا مَنْ يُحِبُّ))[3]

''اگر کوئی شخص اچھا خواب دیکھے تو اسے خوش ہونا چاہیے اور ایسا خواب وہ صرف اسے سنائے جس سے وہ محبت رکھتا ہے''[یعنی دوست اور قابل اعتماد شخص کو بتائے، دشمن کو نہ بتائے]

خواب کی بنیادی طور پر تین قسمیں ہیں

گزشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ بنیادی طور پر خواب کی تین ہی قسمیں ہو سکتی ہیں یعنی:

۱۔ اچھے، نیک اور سچے خواب۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔

۲۔ نفسیاتی خواب۔ یہ انسان کی سوچوں اور وسوسوں وغیرہ پر مشتمل ہوتے ہیں۔

۳۔ شیطانی خواب۔ یہ بالعموم وحشت ناک اور خوفناک ہوتے ہیں۔

آئندہ سطور میں ان تینوں طرح کے خوابوں کی کچھ ضروری تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

۱)......نفسیاتی خواب

نفسیاتی خواب سے مراد وہ خواب ہیں، جن میں انسان کو وہی چیزیں نیند میں دکھائی دیتی ہیں جن سے حالتِ بیداری میں اس کا عام طور پر واسطہ رہتا ہے مثلاً کوئی شخص مخصوص کاروبار کرتا ہے تو اسے خواب میں بھی اس کاروبار سے متعلقہ چیزیں نظر آتی ہیں یا کوئی شخص بیمار ہو تو اسے بیماری سے متعلقہ چیزیں دکھائی دیتی

---

(۱) ایضاً۔

(۲) ایضاً،ح۵۹۰۰۔

(۳) ایضاً،ح۵۹۰۲۔ح۲۲۶۱۔

ہیں یا کسی شخص کے ذہن میں کوئی خاص تصور بیٹھ گیا ہے تو خواب میں بھی وہی تصور اور خیال اسے دکھائی دیتا رہتا ہے۔

اسی طرح انسان بیٹھے بیٹھے سو جائے تو اس صورت میں جب اسے نیند کا جھٹکا لگتا ہے تو اسے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی اونچی جگہ سے گرنے لگا ہے۔ اسی طرح سوتے میں سینے پر لحاف یا ہاتھ کا دباؤ پڑ جائے تو محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی سینہ یا گلا دبا رہا ہے۔

یاد رہے کہ اس طرح کے خواب کا عملی زندگی پر کوئی اثر نہیں ہوتا یعنی ان میں کوئی سچائی یا مستقبل کا کوئی اشارہ وغیرہ کچھ نہیں ہوتا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ یہ بس اسی طرح وسوسے اور خیال ہوتے ہیں جس طرح انسان سخت پریشانی میں عجیب وغریب وسوسوں اور سوچوں میں گم ہو جاتا ہے۔ اس لیے بعض ماہر نفسیات نے اس طرح کے خوابوں کی مختلف نفسیاتی توجیہات بھی پیش کی ہیں لیکن بعض ماہر نفسیات ایسے بھی ہیں جو ہر خواب کو نفسیاتی خواب کے ضمن میں ڈال دیتے ہیں اور سچے خوابوں کی حقیقت تسلیم نہیں کرتے۔ ظاہر ہے حقائق اس کے برعکس ہیں۔ قرآن مجید میں سورۃ یوسف میں جن مختلف خوابوں کا ذکر ملتا ہے، اسی کا مطالعہ کر لیا جائے تو ایسے لوگوں کی رائے کی کمزوری واضح ہو جاتی ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ نفسیاتی خواب نہیں تھے بلکہ سچے خواب تھے اور ان تمام کا تعلق مستقبل کے ساتھ تھا۔

اس لیے خوابوں کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر یہی ہے کہ ان میں بعض خواب اگر نفسیاتی یا شیطانی ہیں، تو بعض سچے اور من جانب اللہ بھی ہوتے ہیں جن میں مستقبل کی کسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہوتا ہے۔

۲)......شیطانی خواب

شیطانی خواب سے مراد وہ ڈرانے اور غم زدہ یا خوف زدہ کر دینے والے خواب ہیں جن میں خوفناک شکلیں اور عجیب وغریب صورتیں دکھائی دیتی ہیں اور انسان ان سے وحشت کھا کر اٹھ بیٹھتا ہے یا چیخ و پکار شروع کر دیتا ہے۔ ایسے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ سوتے وقت آیۃ الکرسی اور دیگر اذکار کر لئے جائیں اور اگر ایسا کوئی خواب نظر آئے تو تین مرتبہ اعوذ باللہ پڑھ کر بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دیا جائے تو نبی کریم ﷺ کے فرامین کے مطابق ایسے خوابوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اس کی مزید تفصیل خواب کے آداب میں آ رہی ہے۔

۳)......سچے اور نیک خواب

ایسی قسم کے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں، ان میں انسان کو کسی بات سے پیشگی مطلع کر دیا جاتا ہے۔ اسی لیے انہیں سچا یا نیک خواب کہا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر اس خواب کی دو صورتیں ہوتی ہیں: ایک کا تعلق نیک اور اچھے خواب سے ہے، جن کے لیے احادیث میں اَلرُّؤْیَا الصَّالِحَة یا اَلرُّؤْیَا الْحَسَنَة کے الفاظ ملتے ہیں، جب کہ دوسری صورت کا تعلق سچے خواب سے ہے جس کے لیے احادیث میں اَلرُّؤْیَا الصَّادِقَة کے الفاظ مذکور ہیں۔

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ سچا خواب انسان کے لیے نیک اور اچھا بھی ہو سکتا ہے اور برا اور نقصان دہ بھی۔ یعنی سچے خواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیشگی اطلاع دے دی جاتی ہے، وہ اطلاع انسان کے لیے اچھی اور فائدہ مند چیز کا اشارہ بھی ثابت ہو سکتی ہے اور اس کے برعکس اس میں کسی نقصان اور پریشانی کی علامت بھی ہو سکتی ہے جبکہ ایسے خواب کا واقع ہونا یقینی ہوتا ہے۔ البتہ اَلرُّؤْیَا الصَّالِحَة یا اَلرُّؤْیَا الْحَسَنَة سے مراد صرف وہی خواب ہوتا ہے جس میں نقصان کی بجائے کسی اچھی اور فائدہ مند چیز ہی کی اطلاع ہوتی ہے۔

خواب کے آداب

گزشتہ صفحات میں جو روایات بیان کی گئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو جب اچھا اور نیک خواب آئے تو اسے درج ذیل چیزوں کا اہتمام کرنا چاہیے:

۱)......اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

۲)......اس پر خوش ہونا چاہیے۔

۳)......دوست اور قابل اعتماد لوگوں کو بتانا چاہیے۔

۴)......اگر اسے اس کی تعبیر سمجھ میں نہ آئے تو کسی ماہر تعبیر سے رجوع کرنا چاہیے۔ [اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے]

اگر شیطانی اور ڈراؤنا خواب آئے تو پھر درج ذیل چیزوں کا اہتمام کرنا چاہیے:

۱)......شیطان سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تین بار تعوذ (یعنی:

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) پڑھ لیا جائے۔

۲)......اس کے بعد اپنے بائیں جانب تین مرتبہ تھوتھو کر دینا چاہیے۔

۳)......خواب میں اگر کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھی ہے تو اس سے بچاؤ کے لیے اللہ سے پناہ مانگنی چاہیے اور بہتری کی دعا کرنی چاہیے۔

۴)......برا اور ناپسندیدہ خواب کسی کو بتانا نہیں چاہیے۔

۵)......دوبارہ سونے کے لیے پہلو بدل لینا چاہیے۔

۶)......ہو سکے تو وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لینی چاہیے۔

۷)......آیۃ الکرسی اور دیگر مسنون وظائف پڑھ لینے چاہییں کیونکہ ان کے اثر سے اللہ تعالیٰ شیطان سے انسان کی حفاظت فرما دیتے ہیں۔

سچے خواب کن لوگوں کو آتے ہیں

انبیاء کے خواب سچے ہی ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اہل علم کے بقول انبیاء کے خواب وحی ہی کی ایک قسم شمار ہوتے ہیں۔ انبیاء و رسل کے بعد نیک، متقی اور نمازی پرہیزی لوگوں کے خواب بالعموم سچے ہوتے ہیں مگر کبھی کبھار انہیں بھی نفسیاتی اور شیطانی خوابوں سے واسطہ پڑ سکتا ہے۔ فاسق و فاجر مسلمان کے زیادہ تر خواب جھوٹے ہوتے ہیں جب کہ ان کے سچے خواب کم ہوتے ہیں۔

اسی طرح غیر مسلموں کے خواب بالعموم جھوٹے ہوتے ہیں مگر کبھی انہیں بھی سچے خواب آ جاتے ہیں جیسے سورۂ یوسف میں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ان کے دور میں دو کافروں کو سچا خواب آیا جن کی حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر کی جو سچ واقع ہوئی۔ اس کے بعد ان کے کافر بادشاہ کو خواب آیا اور اس کی بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے جو تعبیر کی وہی واقع ہوئی۔

قرب قیامت کے وقت سچے خواب

﴿عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم قَالَ : فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ لَا تَكَادُ رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ تَكْذِبُ وَأَصْدَقُهُمْ رُؤْیَا أَصْدَقُهُمْ حَدِیْثًا ......﴾

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آخری زمانے میں مؤمن کا

خواب جھوٹا ثابت نہیں ہوگا اور سب سے سچا خواب اسی کا ہوگا جو گفتگو میں بھی سب سے سچا ہوگا"۔ [1]

سچے خواب کی تعبیر کا مسئلہ

خوابوں کی تعبیر کے سلسلہ میں درج ذیل اہم نکات یاد رکھیں:

۱)...... بعض اوقات خواب ایسا واضح ہوتا ہے کہ اس کی تعبیر کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، کیونکہ خواب میں انسان نے جو کچھ دیکھا ہوتا ہے، وہ اتنا واضح ہوتا ہے کہ وہ خود ہی اس کی تعبیر سمجھ جاتا ہے مثلاً ایک آدمی دیکھتا ہے کہ میں بیت اللہ میں مناسک حج ادا کر رہا ہوں تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ حج کی سعادت عطا فرمائیں گے۔

۲)...... لیکن اکثر خواب ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے، خواہ وہ خواب کسی نبی کو آئے یا غیر نبی کو۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب آیا کہ سورج، چاند اور گیارہ ستارے انہیں سجدہ کر رہے ہیں تو آخر میں اس کی تعبیر یہ نکلی کہ ان کے والدین اور گیارہ بھائی ان کے لیے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کو مختلف خواب دکھائے گئے اور آپ نے ان کی تعبیر کر کے بتایا کہ ان میں کیا بتایا گیا ہے۔ ایسا ہی ایک خواب آپ ﷺ کے بعد ظاہر ہونے والے جھوٹے نبیوں کے بارے میں تھا، اس خواب سے متعلقہ دو روایات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱)...... "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں جنہیں دیکھ کر مجھے بڑی پریشانی لاحق ہوئی تو مجھے کہا گیا کہ ان میں پھونکیں۔ میں نے پھونکا تو وہ غائب ہو گئے۔ چنانچہ میں نے اس (خواب) کی یہ تعبیر کی ہے کہ دو جھوٹے ظاہر ہوں گے۔ ایک تو مسیلمہ کذاب ہے اور دوسرا (اسود) عنسی کذاب ہے۔" [2]

(۲)...... "حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب مدینے میں بنت حارث کے گھر آیا تو نبی کریم ﷺ ثابت بن قیس کے ساتھ اس کے پاس گئے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس پر ٹیک لگا کر آپ نے اس سے گفتگو کی۔ مسیلمہ نے کہا کہ اگر آپ اپنے بعد سیادت وقیادت

---

(۱) احمد، ج۲ ص ۶۷۲،۳۵۵۔ بخاری، کتاب التعبیر، ح۷۰۱۷۔ مسلم، ح۲۲۶۳۔ حاکم، ج۴ ص ۴۳۲۔

(۲) بخاری؛ کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ، ح۴۳۷۴۔ ح۳۶۲۱۔ مسلم، ح۲۲۷۴۔ احمد، ج۲ ص ۴۵۳،۴۴۶۔ ترمذی، ح۲۲۹۲۔ ابن ماجۃ، ح۳۹۲۹۔

میرے لئے چھوڑ دیں (تو میں صلح کر لیتا ہوں)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر تو یہ چھڑی مجھ سے مانگے تو میں یہ بھی تجھے نہ دوں، مجھے تو تیرا انجام خواب میں دکھا دیا گیا ہے۔ یہ ثابت بن قیس میری طرف سے تجھے (باقی سوالوں کے) جواب دے گا۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ پلٹ آئے"۔[1]

۳)..... خواب کی تعبیر ایک علم ہے، لہٰذا خواب کے تعبیر کے لیے کسی ماہر تعبیر کے پاس جانا چاہیے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے دور میں لوگ عام طور پر نماز فجر کے بعد آپ ﷺ سے اپنے خوابوں کی تعبیر کے بارے میں دریافت کیا کرتے تھے۔

۴)..... خواب کی صحیح تعبیر عام طور پر ایک ہی ہوتی ہے، جو صحیح تعبیر کرے وہی واقع ہوتی ہے، غلط تعبیر واقع نہیں ہوتی۔ بعض روایات میں ہے کہ جو پہلے تعبیر کر دے وہی واقع ہو جاتی ہے لیکن اول تو ان روایات کی صحت واستناد میں کلام ہے اور دوم یہ کہ ان کا معنی ومفہوم بعض اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ جب پہلا تعبیر کرنے والا صحیح تعبیر کر دے تو وہی واقع ہو جاتی ہے اور اگر وہ صحیح تعبیر نہ کر پائے تو پھر اس کی تعبیر واقع نہیں ہوتی۔

اس لیے خواب کی وہی تعبیر واقع ہوتی ہے جو صحیح ہو، خواہ پہلے کتنے ہی لوگوں نے اس کی غلط تعبیریں کیوں نہ کر دی ہوں۔ صحیح بخاری میں ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے اپنا خواب سنایا کہ اس کی تعبیر فرما دیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کے رسول! اگر اجازت ہو تو میں اس کی تعبیر کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں کرو۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس کے خواب کی تعبیر کی اور آپ ﷺ سے پوچھا کہ میں نے تعبیر صحیح کی ہے یا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَصَبْتَ بَعْضًا وَاَخْطَأْتَ بَعْضًا))

"تم نے کچھ تعبیر درست کی اور کچھ میں غلطی کی"۔ تو حضرت ابو بکرؓ کہنے لگے:

((فَوَاللّٰهِ لَتُحَدِّثُنِيْ بِالَّذِيْ اَخْطَأْتُ قَالَ لَا تُقْسِمْ))[2]

"قسم ہے آپ مجھے ضرور بتائیں کہ میں نے کہاں غلطی کی ہے۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: قسم نہ ڈالو"۔

---

(۱) بخاری، کتاب المغازي، باب قصة الاسود العنسی، ح۴۳۷۸۔

(۲) بخاری، کتاب التعبیر، باب من لم یر الرؤیا لأول عابر اذا لم یصب، ح۷۰۴۶۔

اس حدیث پر امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے: باب من لم یر الرؤیا لأول عابر اذا لم یصب یعنی ''اس چیز کا بیان کہ جو اس بات کا قائل ہے کہ جب پہلا تعبیر کرنے والا صحیح تعبیر نہ کر پائے تو اس کی تعبیر واقع نہیں ہوتی''۔ پھر اس باب میں انہوں نے مذکورہ حدیث نقل کی، کیونکہ اس حدیث سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی نے سب سے پہلے تعبیر کی اور پھر اس خواب کے کچھ حصہ کی تعبیر وہ درست نہ کر پائے۔ اگر پہلے معبر کی تعبیر ہی ہر حال میں درست ہوتی تو نبی کریم ﷺ انہیں یہ نہ کہتے کہ ''تم نے کچھ تعبیر درست کی اور کچھ میں غلطی کی''۔

خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت کا مسئلہ

اس بات میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہیں خواب میں اپنے پیغمبر ﷺ کا دیدار کروا دیں اور یہ دیدار کرنے والے کے لیے بڑے نصیب کی بات ہے مگر شیطان نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے یہ موقع بھی خالی نہیں جانے دیا۔ بہت سے لوگوں کے بارے ہم نے سنا اور دیکھا ہے کہ وہ حضورؐ کے دیدار کروانے کے نام پر خود بھی گمراہانہ کام کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہی میں دھکیل رہے ہیں۔ یہ لوگ جادوئی عملیات کے سہارے، جنات و شیاطین کی مدد لے کر، یا نفسیاتی طور پر ہپناٹائز کر کے لوگوں کو یہ باور کرواتے ہیں کہ انہیں نہ صرف خواب میں بلکہ جیتے جاگتے بھی اللہ کے رسول کا دیدار کروایا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے آنے والے سے بعض اوقات کفریہ و شرکیہ عمل بھی کروائے جاتے ہیں اور لمبے لمبے مراقبے بھی۔ ان مراقبوں کے دوران کئی نمازیں بھی ضائع کی جاتی ہیں۔ خود ہی یہ فیصلہ کر لیجیے کہ زیارتِ مصطفیٰؐ کے نام پر ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے کفر و شرک کی بو بھی آئے اور فرض نمازیں بھی ضائع ہوں، درست ہو سکتا ہے؟ پھر یہ بھی یاد رہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہرگز کوئی ایسا وظیفہ نہیں بتایا کہ جسے پڑھ کر آپ جب چاہیں، حضورؐ کا دیدار فرمالیں۔ اگر کوئی اس بات کا دعویٰ کرے تو اس سے صرف اتنا پوچھ لیجیے کہ اس دعوے کی تصدیق قرآن کی کس آیت یا اللہ کے رسول کی کس حدیث سے ہوتی ہے؟ اس کے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوگا......!

اسی طرح یہ بھی یاد رکھیں کہ جسے خواب میں اللہ کے رسولؐ کا دیدار نہ ہو، یہ اس کے ایمان کی خرابی کی علامت نہیں ہے اور نہ ہی قرآن یا کسی صحیح حدیث میں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ زندگی میں ایک آدھ مرتبہ اللہ کے رسول کا دیدار لازمی ہونا چاہیے۔ اگر ایسا ہے تو پھر تابعین سے لے کر آج تک ان ہزاروں،

لاکھوں پختہ ایمان والوں کے بارے کیا کہا جائے گا جنہوں نے اللہ کے رسولؐ کے دیدار کے لیے نہ تو چلے کاٹے اور نہ کوئی خاص وظیفے کیے اور نہ ہی انہوں نے حضورؐ کے دیدار کا دعویٰ کیا بلکہ آپؐ کے دیدار اور زیارت سے محرومی کی حالت ہی میں فوت ہو گئے......!!

زیارتِ مصطفیٰؐ کے سلسلہ میں یہاں ایک دلچسپ مگر لائق عبرت واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

میرے ایک دوست کا قریبی رشتہ دار جو نماز روزے وغیرہ کے معاملے میں تو بس کمزور ہی تھا مگر اس بات کا بڑا مشتاق تھا کہ اسے خواب یا بیداری میں کسی طرح اللہ کے رسولؐ کا دیدار نصیب ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے اسے جو کہا جاتا وہ کر گزرتا۔ اگر کسی کے بارے علم ہوتا کہ اسے اللہ کے رسولؐ کا دیدار نصیب ہوا ہے تو اس کے پاس پہنچ جاتا، تاکہ اسے بھی وہ فارمولا ہاتھ آ جائے جس کی مدد سے یہ بھی جب چاہے اللہ کے رسولؐ کا دیدار کر لیا کرے۔ اسی تگ و دو میں وہ ایک گمراہ آدمی کے ہتھے چڑھ گیا اور عجیب وغریب عملیات اور وظیفے کرنے لگا۔ بالآخر چار سال کی طویل جدوجہد کے بعد ایک مرتبہ اس نے یہ کہہ ہی دیا کہ میں بھی اللہ کے رسولؐ کے دیدار کی سعادت پا چکا ہوں اور ایک مرتبہ نہیں؛ بلکہ چار مرتبہ مجھے یہ سعادت حاصل ہوئی ہے۔ میں نے جب بھی اس بارے اس سے گفتگو کرنا چاہی، اس نے انکار کر دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے صرف یہ بتادو کہ اللہ کے رسولؐ کا چہرہ کیسا تھا۔ اس نے اللہ کے رسولؐ کے چہرے کی وضع قطع بتانا شروع کر دی، اسی دوران وہ کہنے لگا کہ اللہ کے رسولؐ کے چہرہ مبارک پر داڑھی نہیں تھی۔ میں نے جب یہ بات سنی تو اس سے کہا بس کرو، مجھے علم ہو گیا ہے کہ تم نے اللہ کے رسولؐ کو نہیں دیکھا کیونکہ صحیح احادیث میں یہ بات موجود ہے کہ اللہ کے رسولؐ کے چہرہ مبارک پر داڑھی تھی۔ یہ بغیر داڑھی والا ممکن ہے کوئی اور ہو مگر اللہ کا رسول نہیں ہو سکتا۔ بعد میں مجھے یقین ہو گیا کہ شیطان اسے گمراہی کی طرف لے جا رہا ہے کیونکہ اس نے یہ کہتے ہوئے داڑھی منڈوا دی تھی کہ ''مجھے خواب میں جو نبی دکھائی دیا ہے وہ داڑھی منڈا تھا، لہٰذا داڑھی رکھنا سنتِ رسول نہیں ہے۔'' [استغفر اللہ......!!]

خواب میں نبی کریمؐ کی زیارت کے حوالے سے امام قرافی کی رائے

خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کے حوالے سے بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي)) (۱)

(۱) صحیح البخاری، کتاب التعبیر، باب من رأی النبی ﷺ فی المنام، ح ٦٩٩٤۔

''جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے واقعی مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا''۔

اس حدیث کے پیش نظر بعض اہل علم نے نبی کریم کی زیارت کے حوالے سے کچھ مفید اور اہم نکات بیان کیے ہیں، انہی میں ایک مالکی فقیہ امام قرافی بھی ہیں، امام قرافی اپنی کتاب اَلْفُرُوق میں فرماتے ہیں کہ ''حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت دو طرح کے لوگوں کے لیے ممکن ہے: ایک تو صحابہ میں سے کسی کے لیے، اس لیے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو حالتِ بیداری میں دیکھا تھا اور ان کے لیے حالتِ خواب میں بھی آپ ﷺ کی زیارت ممکن ہے کیونکہ شیطان اس معاملہ میں انہیں دھوکا نہیں دے سکتا۔ اور دوسرے اس شخص کے لیے یہ ممکن ہے جس نے کتبِ احادیث و سیرت میں آپ ﷺ کے بارے میں اس حد تک پڑھ رکھا ہو کہ وہ اگر خواب میں آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے تو اسے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ واقعی حضور ﷺ ہیں یا شیطانی دھوکا۔ کیونکہ اس کے لیے بھی [سیرت و شمائل کے مطالعہ کے بعد] اب صورتِ حال اس طرح ہو چکی ہے جس طرح آپ ﷺ کو حالت بیداری میں دیکھنے والے صحابہ کے لیے تھی۔ ان دو طرح کے لوگوں کے علاوہ باقی لوگوں میں سے اگر کوئی خواب میں حضور ﷺ کے حوالے سے کچھ دیکھتا ہے تو ممکن ہے کہ واقعی اس نے جو دیکھا، صحیح دیکھا۔ اور یہ بھی امکان ہے کہ اس نے جو دیکھا وہ شیطانی خیال تھا۔ اور اس سلسلہ میں یہ بات دلیلِ صحت نہیں بن سکتی کہ خواب میں آنے والی شخصیت نے اسے کہا ہو کہ میں رسول اللہ ہوں۔ یا خواب میں دو شخصیتیں ہوں اور ایک دوسری کی طرف اشارہ کر کے اس کے لیے کہے کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ کیونکہ شیطان کے لیے یہ سب ممکن ہے کہ وہ خود اپنے آپ کے لیے جھوٹ بول کر ایسا کرے یا کسی کی طرف جھوٹ کی نسبت کر کے ایسا کرے۔ لہٰذا ایسی کسی صورت کو حتمی قرار نہیں دیا جا سکتا''۔ (۱)

خواب میں اگر حضور علیہ السلام کوئی حکم دیں

اگر کوئی شخص خواب میں فی الواقع اللہ کے رسول ﷺ کے شرفِ زیارت سے مشرف ہو، اور خواب میں دیکھے کہ حضور علیہ السلام نے کوئی بات کہی ہے یا کوئی عمل کیا ہے یا اسے کوئی حکم دیا ہے، تو کیا یہ سب چیزیں حجت ہوں گی اور کیا ان پر عمل کرنا از روئے شریعت درست ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں امام شوکانی نے اہل علم

(۱) الموسوعة الفقهية، بذیل مادہ: الرؤیا، وزارت الاوقاف، کویت۔

کے حوالے سے تین طرح کے اقوال نقل کیے ہیں:

۱۔ایک قول ان لوگوں کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اس حکم پر عمل کرنا بھی شریعت کا حصہ اور قابل حجت ہے۔

۲۔دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حجت نہیں اور نہ ہی اس پر عمل لازم ہے۔اگر چہ فی الواقع کسی شخص نے اللہ کے رسول ﷺ ہی کو خواب میں دیکھا ہو۔اس لیے کہ حالتِ نیند میں دیکھی گئی چیز کے حوالے سے انسان اس قابل ہی نہیں ہوتا کہ وہ اس کی صحیح روایت کر سکے۔

۳۔ایک قول یہ ہے کہ اگر حالت خواب میں شرع کے مخالف کوئی بات نہ ہو تو پھر عمل واجب و حجت ہے۔

اس کے بعد امام شوکانی فرماتے ہیں کہ

''یہ بات مخفی نہ رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت حضور نبی کریم ﷺ کی زندگی ہی میں مکمل فرما دی تھی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ...... ﴾ [سورۃ المائدۃ :۳]

''آج کے دن میں نے تمہارے لیے اپنا دین کامل کر دیا ہے''۔

اور اس شریعت میں ایسی کوئی بات نہیں کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ حضور ﷺ کی رحلت کے بعد بھی خواب میں آپ ﷺ کا قول و فعل حجت ہوگا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اسی وقت اپنے پاس بلایا جب آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اس شریعت کا اتمام کروا دیا اور امت کے لیے شریعت کے حوالے سے کوئی احتیاج وضرورت باقی نہ رہنے دی۔اسی طرح تبلیغ شریعت کے لیے بعثت و رسالت کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا ہے۔اس لیے اگر خواب دیکھنے والا آنحضرت ﷺ کے قول و فعل کو یاد بھی رکھنے والا ہو تب بھی وہ قول و فعل اب دین کا حصہ اور حجت قرار نہیں دیا جائے گا، نہ خود اس خواب دیکھنے والے کے لیے اور نہ ہی باقی امت کے لیے''۔[1]

اسی طرح امام قرافیؒ نے بھی یہ بحث کی ہے کہ خواب میں نبی کریم ﷺ کے کسی قول و فعل کو دیکھنے سے اس پر عمل کرنا لازم نہیں کیونکہ اس سے شریعت ثابت نہیں ہوتی۔علاوہ ازیں جو چیز حالتِ بیداری میں امت کو آپ ﷺ دے گئے ہیں، اس کے مقابلے میں امتی کے خواب کی کسی بات کو حجت نہیں بنایا جا سکتا۔اسی طرح کی بات عزالدین بن عبدالسلام سے بھی منقول ہے کہ ان سے ایک آدمی نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ فلاں جگہ جاؤ اور وہاں ایک خزانہ مدفون ہے، وہ نکال لو

(۱) الموسوعة الفقهية، بذیل مادہ: الرؤیا۔

اور اس میں سے خمس (پانچواں حصہ) حکومت/بیت المال کو دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس آدمی نے کہا کہ میں گیا اور وہ خزانہ نکال لیا، پھر اس نے علماء سے اس مسئلہ کے بارے میں فتویٰ پوچھا تو عزالدین بن عبدالسلام نے کہا: خمس نکالو! اس لیے کہ اس مال سے خمس نکالنے کا حکم تو نبی کریم ﷺ سے تواتر کے درجہ میں ثابت ہے اور تیری بات مان بھی لیں تو وہ زیادہ سے زیادہ خبر واحد کے درجہ میں ہے جو تواتر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ (۱)

خواب میں بزرگوں کا آنا اور وظیفے دیے جانا

دین نبی کریم ﷺ کی ذات پر مکمل کر دیا گیا ہے، اس لیے دین یا روحانیت کے نام پر کسی ایسے وظیفے، چلے اور قول و فعل کو حجت قرار نہیں دیا جا سکتا جو اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت نہ ہو۔ بعض لوگ روحانیت کے نام پر مختلف وظیفے، اوراد اور عملیات پیش کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے ہمیں یہ سکھائے ہیں۔ یہ چیزیں گمراہی کا باعث بن سکتی ہیں کیونکہ اگر ان وظائف میں کوئی شرکیہ و کفریہ بات نہ بھی ہو تو پھر بھی اس بات کا اندیشہ موجود ہے کہ لوگ مسنون اعمال کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کے پیچھے چل پڑیں گے اور ہم نے اپنی آنکھوں سے بعض لوگوں کو اس حد تک پہنچتا دیکھا ہے کہ مسنون وظائف و اذکار کو وہ اپنے لیے ناکافی سمجھتے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگ کسی مخصوص بزرگ کے نام پر لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے کہتے ہیں کہ ہمیں یہ وظیفہ اور ورد انہوں نے خواب میں آ کر سکھایا ہے۔ حالانکہ عین ممکن ہے کہ ایسے کسی آدمی کو گمراہ کرنے کے لیے یہ حرکت کسی شیطان نے کی ہو۔ لیکن اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے تو پھر بھی اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کسی بزرگ کا خواب میں آ کر کسی عبادت وغیرہ کا طریقہ سکھانا دین میں حجت نہیں ہو سکتا۔

یہ کچھ باریک باتیں ہیں اور ہو سکتا ہے کسی کو ان کی پوری طرح سمجھ نہ آئے اور وہ اس سلسلہ میں شک و شبہ میں رہے۔ ایسے قارئین سے میں درخواست کروں گا کہ وہ ایسی مشکوک چیزوں سے دور ہی رہیں اور قرآن و حدیث کی عام فہم اور سادہ تعلیمات تک اپنے آپ کو محدود رکھیں۔ جو وظائف و اذکار قرآن و سنت میں بتا دیئے گئے ہیں، انہیں پر اکتفا کریں۔

......☆......

(۱) الموسوعة الفقهية، بذيل مادة: الرؤيا۔

باب ۴

اِلہام، کشف اور فراست کا بیان

'اِلہام' کیا ہے؟

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ اِلہام کے معنی ہیں:

''کسی شخص کے دل میں کوئی بات القا کر دینا لیکن یہ لفظ ایسی بات کے القا کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے جو اللہ تعالیٰ یا ملاءِ اعلیٰ کی جانب سے کسی شخص کے دل میں ڈال دی جاتی ہے۔''(۱)

اِلہام کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں: ایک صورت تو وہ ہے جس میں ہر انسان کے دل میں خیر و شر کو پہچاننے کی صلاحیت ودیعت کی گئی ہے اور یہی صلاحیت و استعداد بعض اہل علم کے بقول 'فطرت' کہلاتی ہے جبکہ اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کیا جانا 'اِلہام' کہلاتا ہے، قرآن مجید میں اس اِلہام کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوّٰهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾ [سورة الشمس: ٦ تا ٨]

''قسم ہے نفس کی اور اسے درست کرنے کی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس نفس کو برائی سے بچنے اور پرہیز گاری اختیار کرنے کی سمجھ عطا فرمائی۔''

اِلہام کی دوسری صورت یہ ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نیک صالح مسلمان کے دل میں حالتِ بیداری میں کوئی اچھی بات ڈال دی جاتی ہے، جس کا تعلق مستقبل کی کسی غیبی بات سے ہوتا ہے۔ اگر یہ الہام انبیاء کی طرف کیا جائے تو یہ بمنزلہ وحی شمار ہوتا ہے جیسا کہ باب اول میں 'وحی الٰہی' کے تحت بیان کیا گیا ہے، مگر غیر انبیا کا اِلہام وحی نہیں کہلا سکتا بلکہ یہ وحی کے مقابلہ میں انتہائی کمزور اور خواب کے مشابہ ہوتا ہے یعنی جس طرح حالتِ نیند میں سچے خواب کے ذریعے کسی غیبی امر سے مطلع کر دیا جاتا ہے، اسی طرح حالتِ بیداری میں بعض اوقات بذریعۂ اِلہام کوئی بات دل میں ڈال دی جاتی ہے اور پھر وہ اسی طرح پیش آتی ہے جس طرح اس کے بارے میں خیال (یا دوسرے لفظوں میں اِلہام) پیدا ہوا تھا۔

(۱) مفردات القرآن بذیل مادہ 'لہم'۔

الہام اور وسوسہ

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک شیطان مقرر کر رکھا ہے۔ شیطان انسان کے دل میں وسوسے اور برے خیالات جب کہ فرشتہ اچھے خیالات پیدا کرتا رہتا ہے۔ جب کسی شخص کے دل میں اچھا خیال آئے تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اسے ہی الہام بھی کہا جاتا ہے اور اگر کوئی برا خیال آئے تو پھر وہ شیطان کی طرف سے پیدا کردہ وسوسہ ہوتا ہے۔ انسان کے دل میں وسوسہ یا الہام پیدا کرنے میں فرشتے اور شیطان کی یہ کشمکش مسلسل جاری رہتی ہے۔ ذیل میں اس حوالے سے چند احادیث پیش کی جا رہی ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ قَرِيْنَهٗ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِيْنَهٗ مِنَ الْمَلَائِكَةِ قَالُوْا وَاِيَّاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : وَاِيَّايَ، اِلَّا اَنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ فَلَا يَاْمُرُنِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ))

"تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک جن (شیطان) اور ایک فرشتہ ساتھی (ہمزاد) بنا کر مقرر کر دیا گیا ہے۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! آپ کے ساتھ بھی؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس شیطان کے خلاف میری مدد فرمائی ہے اور میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے، اس لیے وہ مجھے خیر ہی کا حکم دیتا ہے۔"[1]

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ لِلشَّيْطَانِ لَمَّةً بِابْنِ آدَمَ وَلِلْمَلَكِ لَمَّةً فَاَمَّا لَمَّةُ الشَّيْطَانِ فَاِيْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَكْذِيْبٌ بِالْحَقِّ وَاَمَّا لَمَّةُ الْمَلَكِ فَاِيْعَادٌ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْحَقِّ فَمَنْ وَجَدَ ذٰلِكَ فَلْيَعْلَمْ اَنَّهٗ مِنَ اللّٰهِ فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ الْاُخْرٰى فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ثُمَّ قَرَاَ: اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ...... الآية))

"ابن آدم پر شیطان بھی اثر انداز ہوتا ہے اور فرشتہ بھی۔ شیطان اس طرح اثر انداز ہوتا ہے کہ وہ انسان کے دل میں برائی اور حق کی تکذیب ڈالتا ہے اور فرشتہ اس طرح اثر انداز ہوتا ہے کہ وہ انسان کے دل میں اچھائی اور حق کی تصدیق ڈالتا ہے۔ لہٰذا جس کے ساتھ یہ (فرشتے والا معاملہ) ہو تو وہ اس پر اللہ

(۱) صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب تحریش الشیطان ....، ح۲۸۱٤۔

تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور جس کے ساتھ دوسرا (یعنی شیطان والا) معاملہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے شیطان مردود کی پناہ مانگے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت آخر تک تلاوت فرمائی: ''شیطان تمہیں فقیری سے دھمکاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔''(۱)

۳۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جب انسان اپنے بستر پر آتا ہے تو ایک فرشتہ اور ایک شیطان اس کی طرف لپکتا ہے۔ فرشتہ کہتا ہے کہ میں خیر کی مہر لگاؤں گا (مراد یہ کہ آج اس کا آخری کام خیر و بھلائی والا ہوگا) جب کہ شیطان کہتا ہے کہ میں برائی کی مہر لگاؤں گا (یعنی اس سے آخری کام شر اور گناہ والا کرواؤں گا) جب وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے سوتا ہے تو فرشتہ اس شیطان کو بھگا دیتا ہے اور رات بھر اس کی حفاظت کرتا ہے پھر جب وہ بیدار ہوتا ہے تو ایک فرشتہ اور ایک شیطان اس کے پاس جلدی سے آتے ہیں۔ فرشتہ کہتا ہے کہ میں خیر کے ساتھ ابتدا کروں گا، شیطان کہتا ہے کہ میں شر کے ساتھ ابتدا کروں گا۔ اگر بندہ یہ کہے کہ ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میرے نفس کو موت کے بعد حیات بخشی اور نیند میں موت کا فیصلہ نہیں کیا، تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو ان لوگوں کی روح روک لیتا ہے جن کی موت کا اس نے فیصلہ کر دیا ہوتا ہے اور باقیوں کو ایک مقرر وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ کہیں یہ ٹل نہ جائیں اور اگر یہ ٹل جائیں تو پھر اللہ کے سوا اور کوئی انہیں تھام نہیں سکتا۔ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمان کو زمین پر گرنے سے اپنی حد مرضی تک روک رکھا ہے''۔ تو فرشتہ شیطان کو بھگا دیتا ہے اور اس آدمی کو اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے۔''(۲)

الہام، فراست اور کشف

الہام کے بارے میں بات کافی حد تک واضح ہو چکی ہے، اب یہاں اس سے ملتی جلتی دو چیزوں یعنی

(۱) جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة البقرة، ح ۲۹۸۸۔ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں فرشتوں اور شیطان کی انسان کے راستے میں خیر و شر کی کشمکش دیگر روایات سے بھی ثابت ہے۔

(۲) ابن حبان، ح ۲۳۶۲۔ حاکم، ۵۴۸/۱۔ حاکمؒ اور ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا اور امام ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد (ج ۱۰ ص ۱۲۰) میں کہا ہے کہ ''اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی (یعنی ثقہ) ہیں سوائے ابراہیم شامی کے، تاہم وہ بھی قابل اعتماد (ثقہ) ہے''۔ بحوالہ عالم الملائکۃ الابرار، ص ۴۹۔

فراست اور کشف کی حقیقت کے بارے میں بھی تھوڑا سا مطالعہ فرمالیجیے۔

بنیادی طور پر 'فراست' سے مراد بصیرت و دانائی ہے۔ یہ دانائی مشاہدات و تجربات سے بھی حاصل ہو سکتی ہے اور تعلیم و تدریس سے بھی۔ علاوہ ازیں بعض لوگوں کو اللہ کی طرف سے یہ دانائی وہبی طور پر بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے اس مؤخر الذکر دانائی (فراست) کو کرامت بھی کہا جاتا ہے اور یہ چیز بعض اُوقات حالتِ بیداری میں اور بعض اوقات خواب کے ذریعے ودیعت ہوتی ہے۔

فراست بذریعہ کرامت

اس قسم میں لوگ افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ بعض حضرات تو اس صورت کا مطلق انکار کرتے ہیں کہ ایسا ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کے دل میں کوئی دانائی کی بات القا کریں۔ اسے محال سمجھنے کی وجہ یہ ذکر کی جاتی ہے کہ یہ تو وحی کی صورت ہے اور وحی انبیاء و رسل کے لئے خاص ہے۔ جب کہ بعض لوگ اسے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ صاحب فراست کو غیب دان اور بہت پہنچی ہوئی شخصیت ثابت کر سکیں۔

فراست بذریعہ مشاہدہ

فراست کی یہ قسم مسلم اور غیر مسلم کا فرق کیے بغیر کسی بھی ذہین و فطین کو حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ یہ وہبی نہیں بلکہ کسبی ہے اور اس میں ظاہری اَحوال دیکھ کر کوئی بھی دانا شخص اپنے تجربہ کی بناء پر کوئی درست بات بیان کر سکتا ہے۔ اس لئے اہل علم نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے کہ

"یہ ایسا علم ہے جس کے ذریعے انسان کے ظاہری احوال مثلاً رنگ، شکل و صورت، اعضاء و جوارح اور چال ڈھال سے اس کا اَخلاق و کردار وغیرہ معلوم کرلیا جاتا ہے یعنی ظاہری کیفیت سے اندازہ لگا کر باطنی کیفیت معلوم کرلی جاتی ہے"۔ (۱)

گویا یہ غیب دانی نہیں، بلکہ ظاہری حالات اور قرائن وغیرہ سے اندازہ لگا کر کسی مخفی بات سے پردہ اٹھانے کی ایک کوشش ہے۔ اور یہ کوشش کامیاب بھی ہو سکتی ہے اور ناکام بھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا درج ذیل بیان بھی اسی نوعیت کا ہے، آپؓ فرماتے ہیں کہ

"جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کے سوال سے اندازہ لگا لیتا ہوں کہ یہ فقیہ ہے یا غیر فقیہ!"۔ (۲)

---

(۱) مفتاح دارالسعادۃ، ج۱ ص ۳۰۹۔ لسان العرب، ج۶ ص ۱۶۰۔ قرطبی، ج ۱۰ ص ۴۱۔ (۲) قرطبی، ایضاً۔

اسی طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت انسؓ، عثمان بن عفانؓ کے پاس تشریف لائے اور جب وہ راستہ سے گزر کر آ رہے تھے تو ان کی نظر کسی عورت پر جا پڑی تھی۔ عثمانؓ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا کہ میرے پاس ایسا شخص آیا ہے جس کی آنکھوں میں زنا کا نشان ہے، تو انسؓ حیرانی سے بولے کیا اللہ کے رسول کی وفات کے بعد بھی وحی آتی ہے؟ (یعنی یہ تو غیبی معاملہ ہے آپ کو کیسے معلوم ہوا؟) تو حضرت عثمانؓ نے جواب دیا:

''وحی تو نہیں آتی لیکن میں نے اپنے فہم و فراست سے یہ اندازہ لگایا ہے''۔ (۱)

فراست بمعنی کشف

بعض لوگ بالخصوص صوفیاء میں سے بعض حضرات نے فراست کا دائرہ اس قدر بڑھا لیا کہ بعض جگہ تو وہ نعوذ باللہ شریعت کی ظاہری حدود سے بھی متعارض ہوتے دکھائی دیتے ہیں مثلاً یہاں تک کہا جاتا ہے کہ چلہ کشی، خلوت نشینی اور عبادت و ریاضت کے ذریعے فراست بڑھائی جا سکتی ہے اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات کئی صوفیاء کے ہاں ملتی ہے، بالخصوص ابن عربی صوفی صاحب کی تحریروں میں ایسی کئی چیزیں ملتی ہیں۔ ان کے بقول انسان کی روح مجاہدوں اور ریاضتوں کے ذریعے فرشتوں کے ساتھ جا ملتی ہے اور جب یہ صورتحال پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ حقیقی علوم کے دروازے کھول دیتا ہے۔ (۲)

اور بعض صوفیاء تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ

''جس شخص کے اندر یہ 'نورِ فراست' جس قدر زیادہ ہوگا اس کا یہ مشاہدۂ حق اتنا ہی قوی ہوگا''۔ (۳)

ان صوفیا کے بقول مجاہدوں، ریاضتوں، مخصوص قسم کے وِردوں اور چلہ کشیوں سے یہ صلاحیت حاصل جا سکتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ایسا فی الواقع ممکن ہے تو پھر حضورؐ نے نبوت و رسالت کے بعد ایسا کوئی عمل کیوں نہ کیا؟ اسی طرح آپؐ کے صحابہؓ نے اس طرح کی ریاضتیں، مجاہدے اور چلے کیوں نہیں کاٹے؟ اگر یہ کہا جائے کہ انہیں ضرورت ہی نہ تھی تو پھر انہوں نے اپنے بعد آنے والوں کی اس کی تلقین کیوں نہ کی؟ بلکہ بڑا ضروری تھا کہ خود قرآن مجید میں ایسا کوئی حکم دے دیا جاتا کہ کشف کے لیے یہ یہ عملیات کیے جائیں اور رہتی دنیا تک اسے مستند حیثیت حاصل ہو جاتی، مگر پورا قرآن پڑھ جائیے آپ کو اس سلسلہ میں

---

(۱) ایضاً۔

(۲) اردو دائرۃ المعارف، بذیل مادہ 'الہام'

(۳) دیکھیے: الرسالۃ القشیریۃ، ص ۶۳۹۔

کوئی ایک بھی آیت نہیں ملے گی۔ اسی طرح ذخیرۂ احادیث میں سے ایک بھی صحیح حدیث اس کی حمایت میں نہ ملے گی۔

کیا کشف کے ذریعے اللہ کا دیدار ممکن ہے؟

بعض لوگ کشف کے سلسلہ میں عجیب وغریب دعوے کرتے ہیں حتیٰ کہ یہاں تک دعویٰ کر جاتے ہیں کہ ہم کشف کے ذریعے نہ صرف یہ کہ خود اللہ کا دیدار کر لیتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی دیدار خداوندی کروانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ صاف جھوٹ ہے کیونکہ دنیا میں اللہ کا دیدار جب حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر کے لیے ممکن نہ ہو سکا تو کسی اور کے لیے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿ وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ اَرِنِىٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِى وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرٰىنِى فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [سورة الاعراف :١٤٣]

''اور جب موسیٰ ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو اس (حضرت موسیٰ نے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو اپنا دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ پس جب ان کے رب نے اس (پہاڑ) پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس پہاڑ کے پرخچے اُڑا دیے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا، بے شک آپ کی ذات منزہ ہے، میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں''

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر بلاتے اور بغیر دیدار کروائے براہِ راست ان سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا اور اسی شوق کے اظہار کے لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دیدار کروانے کا مطالبہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار کروانے کے مطالبہ کا صاف انکار کر دینے کی بجائے ایسا انداز اختیار کیا جس سے پیغمبر نے جلد ہی حقیقت کو پا لیا کہ میرا یہ سوال مناسبِ حال نہ تھا اور ہوش وحواس بحال ہونے کے بعد وہ خود ہی اللہ سے معافی کے طلبگار ہوئے۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی نبی ورسول کے لیے اس دنیاوی زندگی میں دیدارِ الٰہی ممکن نہیں ہے تو

کسی غیر نبی کے لیے یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔اسی لیے قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ یہ بتادیا گیا ہے کہ

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ [سورة الانعام:١٠٣]

''اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہوسکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہ بڑا باریک بین باخبر ہے''

اور خود نبی اکرم ﷺ نے بھی واضح انداز میں یہ فرمادیا کہ

((تَعَلَّمُوْا اَنَّهُ لَنْ يَرٰى اَحَدٌ مِّنْكُمْ رَبَّهُ عَزَّوَجَلَّ حَتّٰى يَمُوْتَ))[1]

''یہ بات یاد رکھنا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی مرنے سے پہلے (یعنی دنیوی زندگی میں) اللہ تعالیٰ کو ہرگز نہیں دیکھ پائے گا۔''

الہام وفراست اور کشف میں فرق

الہام اور فراست کے بارے میں حق بات یہ ہے کہ فراست کی وہ صورت جو بطور کرامت حاصل ہوتی ہے اس کے عطیہ خداوندی ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا لیکن اس کا دائرہ صرف اسی قدر ہے کہ بعض اوقات کوئی بات بذریعہ الہام انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کردی جاتی ہے۔اس لحاظ سے یہ الہام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص انعام ہے اور اس کے لئے کسی مراقبے، مجاہدے، چلہ کشی، خلوت نشینی، تکلیف دہ بدنی ریاضت وغیرہ کی ضرورت نہیں بلکہ اسلام میں ترک دنیا، رہبانیت اور لمبی چوڑی ریاضتوں کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی صحابہ کرام ایسی مخصوص بدنی ریاضتیں اور مراقبے کیا کرتے تھے۔

صوفیاء کے ہاں الہام وفراست کے مقابلے میں کشف کی اصطلاح زیادہ معروف ہے اور اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ چلہ کشی اور بدنی ریاضتوں کے ذریعے ایک مقام ایسا آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے دل پر حقائق منکشف کرنے لگتے ہیں، اسے ہی 'کشف' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے کئی درجات بیان کیے جاتے ہیں۔

حالانکہ اِلہام اور صوفیا کے اس کشف میں بڑا فرق ہے اور پھر یہ الہام من گھڑت ریاضتوں کا حاصل نہیں بلکہ یہ خدائی انعام ہے جو صرف انتہائی متقی، ایماندار اور فرائض کی مکمل بجا آوری کرنے والے ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ [سورة النور: ٤٠]

''جس کو اللہ تعالیٰ نورِ (ہدایت) سے نہ نوازیں، اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے''۔

(١) صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب ذكر ابن صياد، ح٧٣٥٦،٩٥۔

اتقوا فراسة المؤمن......ایک غیر مستند روایت!

فراست کے حوالے سے صوفیاء کے ہاں درج ذیل روایت بڑی مشہور ہے:

((اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللّٰهِ))(۱)

''مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔

یہ روایت سخت ضعیف ہے۔امام ابن جوزی، البانی، ابن عدی وغیرہ نے اسے انتہائی کمزور قرار دیا ہے۔

الہام، کشف اور فراست کی بنیاد پر شرعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا

یہاں ایک نہایت اہم بات یہ یاد رہے کہ مقدمات میں الہام، کشف اور فراست سے مدد تو لی جاسکتی ہے مگر ان کی بنیاد پر کوئی شرعی اور عدالتی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا بلکہ فیصلے کے لئے مضبوط دلائل اور گواہوں کی موجودگی ضروری ہے۔چنانچہ مفسر ابن العربی رقم طراز ہیں کہ

" لا يترتب عليه حكم و لا يؤخذ به موسوم ولا متفرس "(۲)

''فہم وفراست کی بنیاد پر کوئی شرعی حکم اور فیصلہ لاگو نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی فراست کی بنیاد پر کسی شخص کو سزا دی جاسکتی ہے''۔

امام قرطبیؒ نے بھی ابن العربی کے اس فیصلے کو نقل کرنے کے بعد اس کی تائید فرمائی ہے۔(۳)

فقہائے اربعہ اور جمہور علماء کا بھی یہی موقف ہے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ بعض لوگ فہم وفراست، قرائن وعلامات اور وسیع علم وتجربہ کی بنیاد پر بعض پیشگوئیاں کرتے ہیں لیکن وہ غیبی علم کا دعویٰ ہرگز نہیں کرتے اور نہ ہی اپنی پیشگوئی کو قطعی قرار دیتے ہیں بلکہ ایک اندازے کا اظہار کرتے ہیں اور شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

......☆......

(۱) جامع الترمذی، كتاب التفسير، باب ومن سورة الحجر، ح۳۱۲۷۔حلية الأولياء، ج۱۰ ص ۲۸۱۔ الضعفاء، للعقيلي، ج٤ ص ۱۲۹۔الموضوعات، لابن جوزی، ج۳ص ۱٤٥۔الكامل فی الضعفاء، ج۱ص ۲۱۰۔تاريخ بغداد، ج۷ ص ۲٤۲۔ضعيف الجامع الصغير، ح۱۲۷۔المعجم الكبير، ح۷٤۹۷۔مسند الشهاب، ح٦٦۳۔مجمع الزوائد، ج۱۰ ص ۲٦۸۔المقاصد الحسنة، ص۳۳۔ سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة، ج ٤ ص ۲۹۹،۳۰۲۔

(۲) احکام القرآن، ج۳ص ۱۱۱۹۔ (۳) تفسیر قرطبی، ج۱۰ ص ٤۱۔

باب ۵

استخارہ اور اس کا طریقِ کار

استخارہ کیا ہے؟

'استخارہ'--- کا لغوی معنی ہے خیر طلب کرنا۔ دراصل استخارہ دعا ہی کی ایک صورت ہے اور یہ دعا خود حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو اس لیے سکھائی کہ وہ کسی بھی اہم معاملہ میں قدم اٹھانے سے پہلے اللہ کے حضور دو رکعت نفل ادا کرنے کے بعد یہ دعا مانگیں تا کہ اس دعا کی برکت سے اس کام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت و برکت پیدا ہو جائے۔ مثلاً ایک آدمی بذات خود کوئی کاروبار کرنا چاہتا ہے، یا کسی کے ساتھ کسی کاروبار میں شراکت و مضاربت کرنا چاہتا ہے، یا کسی تعلیمی، سیاحتی یا کاروباری سفر کے لیے جانا چاہتا ہے، یا کہیں اپنی یا اپنی اولاد کی شادی کرنا چاہتا ہے، یا دو اہم کاموں میں سے کسی ایک کے بارے میں اسے کوئی فیصلہ کرنا ہے، یا ایسا ہی کوئی اور معاملہ اسے درپیش ہے اور وہ نہیں جانتا کہ یہ کام اس کے لیے بہتر ثابت ہوگا یا نہیں تو ایسی تمام صورتوں میں کسی نجومی، عامل و کاہن وغیرہ کے پاس جانے یا فال اور شگون لینے کی بجائے ایک مسلمان کو یہ طریقہ بتایا گیا کہ وہ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے اور اس کے بعد اللہ کے حضور استخارہ کی دعا کرے۔

انسان جس قدر نیک ہوگا اور خلوص کے ساتھ اللہ سے دعاءِ استخارہ کرے گا، اسی قدر اس کی یہ دعا تاثیر دکھائے گی اور اسے ان کاموں میں اللہ کی طرف سے کوئی نہ کوئی رہنمائی مل جائے گی کہ اس کے لیے وہ کام کرنا مفید ہے یا نہیں۔ اس رہنمائی کی صورت یا تو یہ ہوتی ہے کہ خواب میں اس سلسلہ میں اسے کوئی اشارہ مل جاتا ہے مثلاً یہ کہ جو کام وہ کرنا چاہتا ہے، اس کے بارے میں اسے ایک اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے لیے مفید ہے یا نہیں۔ یا اسی طرح اس کے سامنے اگر دو صورتیں ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا اشارہ مل جاتا ہے اور یوں اس کے لیے اس میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے یا پھر بذریعہ الہام دل میں اللہ کی طرف سے کوئی بات ڈال دی جاتی ہے اور انسان پورے اطمینان سے اسے ہی انجام دیتا ہے جس پر اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے۔

دعاءِ استخارہ مع ترجمہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے معاملات میں استخارہ کرنے کا طریقہ اس طرح سکھایا کرتے تھے جس طرح قرآن کی کوئی سورت سکھایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کوئی کام انجام دینا چاہتا ہو تو وہ دو رکعت نفل نماز ادا کرے پھر یہ دعا مانگے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَيَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ))[1]

"یا اللہ! میں تجھ سے تیرے علم کی بدولت خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کی بدولت تجھ سے طاقت مانگتا ہوں اور تیرے فضل عظیم کا طلب گار ہوں کہ قدرت تو ہی رکھتا ہے اور مجھے کوئی قدرت نہیں، علم تجھ ہی کو ہے اور میں کچھ نہیں جانتا اور تو تمام پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے۔ یا اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام جس کے لئے استخارہ کیا جا رہا ہے، میرے دین، دنیا اور اُخروی انجام کے لحاظ سے میرے لئے بہتر ہے تو اسے میرے نصیب میں کر دے اور اس کام کا حصول میرے لئے آسان کر دے۔ اور اس کام میں میرے لئے برکت عطا فرما اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین، دنیا اور میرے کام کے انجام کے لحاظ سے برا ہے تو اسے مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس کام سے ہٹا دے، پھر جہاں کہیں خیر ہے، وہ میرے لئے مقدر فرما دے اور اس سے میرا دل مطمئن فرما دے۔"

استخارہ سے متعلقہ چند اہم ہدایات

آئندہ سطور میں ہم دعائے استخارہ سے متعلقہ مستند روایات کی روشنی میں چند اہم ہدایات درج کر رہے

(۱) صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب ما جاء فی التطوع مثنی مثنی، ح۱۱۶۲۔ نیز دیکھیے: صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الاستخارۃ۔ ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی الاستخارۃ۔ ترمذی، کتاب الوتر، باب ماجاء فی صلاۃ الاستخارۃ۔ نسائی، کتاب الصلاۃ، باب کیف الاستخارۃ۔ ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب صلاۃ الاستخارۃ۔ مسند احمد، ج۳ص۳۴۴۔ سنن بیہقی، ج۳ص۵۲۔

ہیں، استخارہ کے عمل کے سلسلہ میں انہیں ضرور مدنظر رکھیں:

استخارہ کی اہمیت

استخارہ سے متعلقہ روایات سے ایک تو اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو دعائے استخارہ اس اہتمام کے ساتھ سکھایا کرتے تھے جو اہتمام قرآن مجید سکھانے کے حوالے سے آپ فرمایا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس دعا کے سکھانے کا مقصد یہی تھا کہ وہ اپنے اہم معاملات میں اس دعا سے استفادہ کریں۔ بعض اہل علم نے اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے واجب قرار دیا ہے مگر جمہور اہل علم کی رائے یہی ہے کہ استخارہ سنت ہے، واجب نہیں۔ اور یہی رائے قوی ہے۔

استخارہ سے پہلے نماز

استخارہ سے متعلقہ گزشتہ ذکر کردہ صحیح بخاری کی حدیث سے اس بات کی وضاحت بھی ہوتی ہے کہ استخارہ بنیادی طور پر دعا ہی کی ایک قسم ہے، البتہ اس میں اور دیگر دعاؤں میں ایک فرق یہ ہے کہ دیگر دعاؤں سے پہلے دو رکعت نماز نہ بھی پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں مگر اس میں سنت طریقہ یہی ہے کہ دعا سے پہلے دو رکعت نفل نماز پڑھی جائے۔ اور اس نماز کی حکمت یہ ہے کہ اس طرح انسان اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے جیسا کہ بعض احادیث میں ہے:

((اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ))(۱)

''انسان اس وقت اپنے رب سے بہت قریب ہوتا ہے جب وہ حالتِ سجدہ میں ہو''۔ [مراد یہ کہ نماز میں حالتِ سجدہ میں ہو]

اگر دو رکعت نماز کے بغیر یہ دعا مانگی جائے تو پھر اس کی حیثیت دیگر دعاؤں کی طرح ایک دعا ہی کی ہوگی اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ کسی موقع پر اگر نماز کے بغیر یہ دعا کرنا پڑے تو کر لی جائے کیونکہ ایک دعا کی حیثیت سے اس میں کوئی مانع نہیں۔ اور بعض اوقات ایسی صورت پیدا ہو سکتی ہے کہ کسی کام میں رائے یا فیصلہ دینے کے لیے انسان کے پاس اتنا وقت بھی نہ ہو کہ وہ دوگانہ پڑھ سکے تو ظاہر ہے ایسی صورت میں کم از کم یہ دعا ہی پڑھ لی جائے تو کچھ نہ کچھ برکت تو ضرور حاصل ہو سکتی ہے۔ اسی طرح حالتِ حیض یا حالتِ

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود۔ ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء فی الرکوع والسجود۔ احمد، ج۲ ص ۴۲۱۔

نفاس میں کسی عورت کو استخارہ کی ضرورت پڑھ جائے تو ظاہر ہے وہ صرف دعا ہی کرے گی، کیونکہ یہ تو اس کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ ایسی حالت میں نماز پڑھے۔

پھر اس کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بعض روایات میں نماز کے بغیر بھی دعائے استخارہ کا ذکر ملتا ہے مثلاً ایک روایت میں ہے:

((إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَمْرًا فَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ.....))[۱]

''جب تم میں سے کسی کو کوئی معاملہ درپیش ہو تو وہ اس طرح دعا مانگے: یا اللہ! میں تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں''.....[آگے وہی دعائے استخارہ ہے اور اس دعا سے پہلے نماز پڑھنے کا ذکر نہیں]

بعض اہل علم کے بقول استخارہ سے پہلے دو سے زیادہ رکعات بھی پڑھی جاسکتی ہیں، ان کا استدلال ان روایات سے ہے جن میں استخارہ کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کے الفاظ بھی مروی ہیں:

((صَلِّ مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكَ))[۲]

''یعنی استخارہ سے پہلے حسبِ توفیقِ الٰہی نماز پڑھ لو''۔

اب کتنی نماز پڑھی جائے یہ یہاں مذکور نہیں، دیگر روایات میں دو رکعت نماز کا ذکر ہے اس لیے دو رکعات تو ضرور پڑھنی چاہییں مگر اس روایت کے عموم کی بنیاد پر دو سے زیادہ رکعات بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔[۳]

دعائے استخارہ نماز کے بعد یا حالت تشہد میں

بہتر تو یہی ہے کہ دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد دعائے استخارہ کی جائے لیکن اگر دعائے استخارہ کو عام دعا کے لحاظ سے دیکھا جائے تو پھر حالتِ تشہد میں بھی دعائے استخارہ کی جاسکتی ہے۔

دعائے استخارہ میں اپنے مطلوبہ کام کا نام لینا یا دل میں اس کا ارادہ کرنا

دعائے استخارہ میں جہاں هٰذَا الْأَمْر (یہ کام) کے الفاظ ہیں وہاں اپنے مقصود و مطلوب کام کا نام لیا

---

(۱) صحیح ابن حبان، ج۲ ص ۱۲۲، ۱۲۳۔ مسند ابی یعلیٰ، ج۲ ص ۴۹۷۔ المعجم الکبیر، ج۱۰ ص ۹۵، ص ۱۱۱۔ مجمع الزوائد، ج۲ ص ۲۸۰، ۲۸۱۔ ابن ابی شیبہ، ج۷ ص ۱۶۴۔ فتح الباری، ج۱۱ ص ۱۸۴۔

(۲) مسند احمد، ج۵ ص ۴۲۳۔ سنن بیہقی، ج۷ ص ۱۴۷، ۱۴۸۔ مستدرک حاکم، ج۱ ص ۳۱۴۔ ج۲ ص ۱۶۵۔ حاکمؒ اور ذہبیؒ نے اس کی سند کے راویوں کو ثقہ تسلیم کیا ہے۔

(۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح الباری، ج۱۱ ص ۱۸۵۔ نیل الاوطار، ج۳ ص ۸۹۔ عمدۃ القاری، ج۷ ص ۲۲۳۔

جائے مثلاً آپ کہیں سفر کے لئے نکلنا چاہتے ہیں تو اس سفر کا نام لے کر دعا کریں، یعنی اس طرح کہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا السَّفَرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاقْدُرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ ...... وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا السَّفَرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ

''یا اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ سفر میرے دین، دنیا اور اُخروی انجام کے لحاظ سے میرے لئے بہتر ہے تو اسے میرے نصیب میں کر دے......اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ سفر میرے دین، دنیا اور میرے کام کے انجام کے لحاظ سے برا ہے تو اسے مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے ہٹا دے''۔

سفر کی جگہ کوئی اور چیز ہو تو یہاں اس کا نام لیا جائے گا۔

اگر اس دعا کو اسی طرح پڑھا جائے جس طرح پیچھے ہم نے لکھی ہے اور ھٰذَا الْاَمْرَ کے الفاظ پر اپنی مطلوبہ چیز کی نیت کر لی جائے اور اس چیز کا نام نہ بھی لیا جائے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

استخارہ کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے مگر......

دعائے استخارہ میں دو رکعت نماز بھی پڑھی جاتی ہے، اس لیے اس نماز کے پیش نظر اس چیز کی احتیاط کی جائے کہ نماز کے تین ممنوعہ اوقات (یعنی طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور زوال) میں نماز استخارہ کا عمل نہ کیا جائے، اگرچہ بعض فقہاء سببی نمازوں (یعنی صلاۃ الاستخارۃ، صلاۃ الخسوف والکسوف، صلاۃ تحیۃ المسجد وغیرہ) کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے مکروہ اوقات میں بھی ان کی ادائیگی کو جائز قرار دیتے ہیں، مگر بعض دیگر فقہاء کی رائے میں احتیاط اسی میں ہے کہ مکروہ اوقات میں کوئی نماز نہ پڑھی جائے۔

اسی طرح استخارہ سے پہلے متعلقہ کام کے بارے میں ممکنہ حد تک یہ جاننے کی کوشش بھی کرنی چاہیے کہ وہ بہتر ہے یا نہیں۔ اس کوشش میں تجربہ کار لوگوں سے مشاورت، خود غور و فکر وغیرہ سبھی چیزیں شامل ہیں اور اگر اس کوشش میں واضح طور پر معلوم ہو رہا ہو کہ یہ چیز بہتر نہیں ہے تو پھر اس میں استخارہ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

ان تین ممنوعہ اوقات کے علاوہ استخارہ دن یا رات کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے۔ صرف اس چیز کا اہتمام ہو کہ جب یکسوئی نہ ہو تب استخارہ نہ کریں کیونکہ ایسی حالت میں آپ دعا ٹھیک طرح سے کر نہیں پائیں گے۔

بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ دعائے استخارہ کے بعد سونا چاہیے یا رات کے وقت ہی استخارہ کرنا چاہیے، حالانکہ یہ دونوں چیزیں ضروری نہیں کیونکہ استخارہ سے متعلقہ مستند روایات میں ایسی کوئی بات بیان نہیں ہوئی۔

استخارہ کے بعد خواب، اِلہام یا اطمینانِ قلب

اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ دعائے استخارہ کے بعد کوئی خواب آئے۔ خواب آ بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔ اس لئے کسی خواب کا منتظر نہیں رہنا چاہیے کیونکہ استخارہ مؤثر ہو جائے تو اس کے بعد اللہ کی رحمت اطمینانِ قلب کی صورت میں بھی شاملِ حال ہو سکتی ہے اور اس طرح بھی کہ جو چیز انسان کے حق میں بہتر ہو اسی کے موافق اللہ تعالیٰ حالات پیدا فرما دیں۔

ایک سے زیادہ مرتبہ استخارہ کرنا

اگر استخارے کے بعد طبیعت مطلوبہ کام پر مطمئن نہ ہو تو استخارہ بار بار بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ ایک دعا ہے اور دعا جتنی بار مانگی جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ علاوہ ازیں سلف صالحین کے حوالے سے بھی یہ بات ملتی ہے کہ وہ استخارہ ایک سے زائد مرتبہ کر لیا کرتے تھے۔

استخارہ کن کاموں میں کیا جاتا ہے؟

کوئی ایسا شرعی و دینی کام --- جو فرض یا حرام یا مکروہ کے درجہ میں ہو --- اس کے لئے استخارہ نہیں کیا جاتا مثلاً --- نماز پڑھنے یا چھوڑنے، روزہ رکھنے یا چھوڑنے --- کے لئے استخارہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ دینی فرائض ہیں جنہیں ادا کرنا ہر بالغ مسلمان پر فرض ہے خواہ یہ طبیعت پر گراں ہوں۔ اسی طرح کسی حرام کے ارتکاب کے لیے استخارہ نہیں کیا جائے گا کہ میں یہ کروں یا نہ کروں۔ کیونکہ حرام تو بہر صورت حرام ہے اور اس سے ماسوائے اضطرار کے، ہر حالت میں اجتناب واجب ہے۔ اس لئے استخارہ بالعموم ان امور میں کیا جاتا ہے جو مباح کے درجہ میں ہوں اور مباح سے مراد ایسا کام ہے جس کا کرنا اور نہ کرنا برابر ہو یعنی اس کے کرنے پر بھی کوئی ثواب نہ ہو اور اس کے چھوڑنے پر بھی کوئی گناہ نہ ہو۔ بعض اوقات مستحب معاملات میں بھی استخارہ کر لیا جاتا ہے بشرطیکہ دو مستحب کاموں میں سے کسی ایک کا انتخاب مقصود ہو مثلاً ایک طرف نفلی حج ہو اور ایک طرف نفلی صدقہ، تو ایسے موقع پر استخارہ کیا جا سکتا ہے۔

استخارہ کے باوجود نقصان اٹھانا

استخارے کے بعد اگر مطلوبہ کام کی بجائے کوئی اور کام ہو جائے تو اسے ہی اپنے لئے بہتر سمجھنا چاہیے، خواہ بظاہر اس میں کوئی نقصان کا پہلو ہو کیونکہ ممکن ہے کہ جس چیز میں زیادہ نقصان ہو، اس سے اللہ تعالیٰ نے بچا کر کم نقصان والی چیز مقدر میں کر دی ہو اور ایسا دعائے استخارہ کی قبولیت ہی کی وجہ سے ہوا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس چیز میں بظاہر نقصان ہوا ہے آگے چل کر یہی نقصان آدمی کے لیے اچھے کاموں کا باعث بن جائے، کیونکہ ایک چیز کو انسان اپنے حق میں بہتر سمجھ رہا ہوتا ہے مگر اللہ کے علم کے مطابق وہ انسان کے حق میں بہتر نہیں ہوتی اور ایک چیز کو انسان اپنے لیے برا سمجھ رہا ہوتا ہے مگر اللہ کے علم کے مطابق وہ انسان کے لیے بری نہیں ہوتی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [سورة البقرة : ۲۱٦]

''ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور حقیقت میں وہی تمہارے لیے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھا سمجھو، جب کہ وہ تمہارے لیے بری ہو۔ حقیقی علم اللہ ہی کو ہے جب کہ تم بے خبر ہو''۔

بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ دعاء استخارہ قبول نہیں ہوتی اور انسان اپنے مقدر کا نقصان اٹھا کر رہتا ہے۔ ایسی صورت میں صبر اور مزید دعائے خیر کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ ایک حدیث میں ہے:

((عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ ، وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ)) [1]

''مومن شخص کا معاملہ بھی خوب ہے، اس کا ہر معاملہ بہتر ہی ہوتا ہے اور یہ خوبی مومن کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں ہو سکتی، وہ یہ کہ جب اسے خوشی پہنچتی ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے، اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے''۔

ایک مسلمان کو اسی حدیث کا مصداق بننا چاہیے کہ خوشی میں اللہ کا شکر جب کہ غمی میں صبر اور دعا۔

(۱) صحيح مسلم ، كتاب الزهد ، باب المؤمن أمره كله خير۔

استخارہ کے فوائد اور حکمتیں

استخارہ کے عمل میں بہت سے فوائد اور حکمتیں پنہاں ہیں۔سب سے بڑا فائدہ تو یہی ہے کہ اگر دعائے استخارہ قبول ہوجائے تو انسان کے لیے کسی بھی اہم کام میں فائدے اور نقصان کے پہلو ایک حد تک واضح ہوجاتے ہیں اور اس طرح وہ اپنے لیے بہتر فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں ہوتا ہے۔

اسی طرح استخارہ سے پہلے نماز پڑھنے سے انسان کا اپنے رب سے روحانی تعلق تازہ ہوجاتا ہے اور دعاءِ استخارہ کے ذریعے اسے یہ حقیقت سمجھنے کا مزید ایک موقع ملتا ہے کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی مشکل کشا و حاجت روا نہیں، مشکلات اللہ ہی کے اذن سے آتی ہیں اور ان سے نجات کی راہ بھی وہی پیدا کرتا ہے۔

استخارہ عام طور پر اس وقت کیا جاتا ہے جب انسان کسی اہم معاملے میں فیصلہ نہ کرپانے کی وجہ سے حیرانی و پریشانی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔استخارہ کی بدولت اس کی یہ پریشانی اللہ کے حکم سے دور ہوجاتی ہے اور اسے ذہنی سکون اور قلبی اطمینان کی دولت حاصل ہوجاتی ہے۔اور اسے استخارہ کرنے والا واضح طور پر خود محسوس بھی کرتا ہے۔

استخارہ میں انسان کے تقویٰ کا بھی امتحان ہوتا ہے، اس لیے کہ دعا خواہ استخارہ کی ہو یا کوئی اور، بالعموم انسان کے تقویٰ اور خلوص ہی کے حساب سے اس کا اثر واضح ہوتا ہے۔اگر استخارہ کے باوجود انسان کے لیے خیر اور آسانی کی کوئی راہ نہ نکلے تو اسے اپنی دینداری اور خشیتِ خداوندی کا جائزہ لینے کا موقع بھی ملتا ہے۔ہم لوگ بعض اوقات بار بار استخارہ کرتے ہیں مگر صورت حال واضح نہیں ہوتی، اس لیے کہ ہمارا تقویٰ اور دینداری ہی اس درجہ کی ہوتی ہے کہ استخارہ کام ہی نہیں کرتا!

اسی طرح یہ استخارہ کے فوائد ہی میں سے ہے کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد امت کے جلیل القدر اور نیک طینت حضرات استخارہ کی سنت پر عمل پیرا رہے ہیں۔حضرت زینب بنت جحشؓ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے قاصد سے کہا کہ

"مَا اَنَا بِصَانِعَةٍ شَيْئًا حَتّٰى اُوَامِرَ (وفی روایة: اَسْتَأْمِرَ) رَبِّیْ"[1]

"جب تک میں اپنے رب سے مشورہ (یعنی استخارہ) نہ کرلوں تب تک کوئی حتمی رائے نہیں دوں گی"۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب زواج زینب بنت جحش ونزول الحجاب۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، باب صلاۃ المرأۃ اذا خطبت واستخارتها ربها۔ مسند احمد، ج۳ص ۱۹۵۔

چنانچہ پھر انہوں نے نماز پڑھی اور اس نکاح کو قبول کیا۔ اس طرح ان کا نکاح بابرکت ثابت ہوا اور وہ اللہ کے رسول ﷺ کی ازواج کی صف میں شمولیت کا شرف پا گئیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ تو باعثِ شرف ہے کہ پیغمبر نکاح کی درخواست کرے، پھر اس میں استخارہ کی کیا ضرورت؟

اس کا جواب بعض اہل علم کے بقول یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت زینب نے اس خدشہ سے استخارہ کیا ہو گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نکاح ان کے حق میں بہتر ثابت نہ ہو اور نکاح کے بعد وہ پیغمبر کے حقوق پورا کرنے سے قاصر رہے اور اس سے بڑی شقاوت بھی پھر کیا ہو گی کہ پیغمبر کی زوجہ کا شرف پانے کے باوجود کوئی عورت آپ کی حق تلفی کی مرتکب ٹھہر جائے۔

اسی طرح امام بخاریؒ کے بارے میں بھی حافظ ابن حجرؒ نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

"ما ادخلت فیه حدیثا حتی استخرت الله تعالیٰ وصلیت رکعتین وتیقنت صحته"(۱)

''میں نے اپنی اس صحیح میں اس وقت تک کوئی حدیث شامل نہیں کی جب تک کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ نہ کر لیا اور اس حدیث کی صحت کے بارے میں مجھے یقین نہ ہو گیا''۔

اہل علم اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ امام بخاری کی صحیح میں جو مرفوع احادیث ہیں، ان کی صحت محدثانہ اصولوں کے مطابق کتنی بلند پایہ ہے......!

اسی طرح کئی اور متقدم اہل علم مثلاً امام ابن خزیمہؒ، امام نسائیؒ، امام راغب اصفہانیؒ، امام ابوبکر اسماعیلیؒ وغیرہ کے حوالے سے بھی یہ بات ملتی ہے کہ وہ کسی کتاب کی تصنیف سے پہلے استخارہ کر لیا کرتے تھے۔ شاید ان کی دعائے استخارہ کی قبولیت ہی کا نتیجہ ہے کہ ان اہل علم کی کتابوں کو تاریخ میں اہم مقام حاصل ہوا۔

استخارہ کسی سے کروانا

قرآن وحدیث کے دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ دعا انسان خود اپنے لیے کر سکتا ہے، دوسروں کے لیے بھی کر سکتا ہے اور کسی نیک دوست یا متقی شخص یا والدین وغیرہ سے بھی اپنے حق میں کروا سکتا ہے، لیکن استخارہ صرف وہ شخص کرے جس کا اس استخارے والے معاملے سے براہِ راست تعلق ہو مثلاً ایک شخص اپنی بیٹی کی کہیں شادی کرنا چاہتا ہے، تو وہ اس شادی سے پہلے اس رشتہ کے سلسلہ میں استخارہ کر لے کیونکہ وہ ولی اور ذمہ دار ہے اور اس پہلو سے اس کا اس معاملے سے براہِ راست تعلق ہے۔ اسی طرح شادی کرنے والی

(۱) ھدی الساری، لابن حجر، ص ۴۸۹۔

عورت بھی استخارہ کر سکتی ہے کیونکہ یہ معاملہ اس سے بھی متعلق ہے۔ خلاصہ یہ کہ استخارہ وہ کرے جس کا اس کام سے بذات خود تعلق ہو، کسی دوسرے شخص سے اپنے لئے استخارہ نہیں کروانا چاہیے۔ اس لیے کہ اول تو استخارہ سے متعلقہ روایات سے یہی بات ثابت ہے کہ اس میں استخارہ کرنے والے ہی کو مخاطب کیا گیا ہے اور دعاءِ استخارہ میں جو کچھ سکھایا گیا، وہ بھی اس شخص کی اپنی ذات سے متعلقہ ہے۔ دوم اس لیے کہ اگر کسی سے اپنے کام کے لیے استخارہ کروانا درست ہوتا تو حضور نبی کریم ﷺ کے دور میں لوگ ضرور آپ سے استخارہ کرواتے لیکن ایسی کوئی مثال نہیں ملتی اور نہ ہی صحابہ میں سے کسی کے بارے میں ایسا واقعہ ملتا ہے کہ انہوں نے کسی دوسرے کے لیے استخارہ کیا ہو۔ البتہ وہ اپنے لیے استخارہ خود ہی کیا کرتے تھے۔

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ استخارہ میں دعا اور نماز دو چیزیں شامل ہیں اور یہ دونوں عبادت میں شامل ہیں اور عبادات میں کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اپنی مرضی سے کیا جائے تو وہ دین میں اضافہ کرنے کے مترادف ہوتا ہے اور اسے ہی بدعت کہا جاتا ہے۔ لہٰذا استخارہ کے حوالے سے کوئی ایسی بات یا عمل جس کا نبی کریم ﷺ سے کوئی ثبوت نہ ملے، از خود شروع کر دینا بدعت ہے۔ دوسروں سے استخارہ کروانا بھی اس لحاظ سے بدعت قرار دیا جائے گا، اس لیے کہ اس کا کوئی ثبوت احادیث سے نہیں ملتا۔

استخارہ کے سلسلہ میں ہمیں ایک ملتانی دوست نے بتایا کہ ان کے علاقے میں ایک مرتبہ کسی پیر صاحب سے ان کے عقیدت مند نے درخواست کی کہ حضرت میں نے بیٹی کی شادی کرنی ہے، آپ ذرا استخارہ فرما کر بتا دیں کہ کسے اس کا رشتہ دوں۔ پھر اس عقیدت مند نے کئی دن انتظار کیا مگر پیر صاحب نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ ایک دن ہمت کر کے اس نے پوچھا کہ پیر صاحب! آپ نے استخارہ کیا ہے؟ پیر صاحب نے جواب دیا کہ استخارہ کیا ہے اور کئی مرتبہ کیا ہے۔ عقیدت مند نے کہا کہ پھر کیا جواب ملا۔ پیر صاحب نے کہا کہ میں بتانا نہیں چاہتا۔ عقیدت مند نے کہا نہیں حضرت آپ ضرور بتائیں۔ جب عقیدت مند کے اصرار کی حد ہو گئی تو پیر صاحب نے کہا کہ کیا بتاؤں، جتنی مرتبہ استخارہ کیا میرا ہی نام سامنے آیا ہے۔ عقیدت مند کی عقیدت بھی اتنی اندھی تھی کہ اس نے جواب دیا حضرت یہ کون سی پریشانی والی بات ہے، جب اللہ کی مرضی یہی ہے تو میں آپ کو بچی کا رشتہ دے دیتا ہوں، چنانچہ جوان بیٹی کا بوڑھے پیر سے رشتہ کر دیا گیا!

اس لیے کہتے ہیں کہ اپنے کام کا استخارہ کسی اور سے نہیں کروانا چاہیے......!

استخارہ کے عمل میں خرافات وواہیات

عملیات کی دنیا میں دیگر خرافات کی طرح استخارہ کے سلسلہ میں بھی عجیب وغریب باتیں دیکھنے سننے کوملتی ہیں جو مضحکہ خیز بھی ہیں اور قابلِ افسوس بھی۔ پیشہ ور عامل لوگ یہ دعوے کرتے ہیں کہ ہمارا استخارہ کامیاب ہوتا ہے، لہٰذا ہم سے استخارہ کروائیں، ہم فوراً بتادیں گے کہ آپ کے جس کام لیے استخارہ کیا گیا ہے، اس میں آپ کے حق میں بہتر کیا ہے اور اللہ کی مرضی کیا ہے۔ پھر یہ لوگ چند ٹکوں کی خاطر لوگوں کے لیے استخارہ کرتے ہیں۔ یہ تو معلوم نہیں کہ واقعی یہ استخارہ کا مسنون عمل کرتے ہیں یا نہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ اٹکل پچو اور تکے بازیوں سے یہ اپنے گاہکوں کو مطمئن کر دیتے ہیں کہ ہم نے استخارہ کیا تھا اور یہ یہ جواب ملا ہے۔

استخارہ کا عمل چونکہ صحیح احادیث میں بیان ہوا ہے اور لوگوں میں یہ معروف بھی ہے، اس لیے پیشہ ور عاملوں کو موقع مل گیا کہ دیگر کفریہ وشرکیہ عملیات کے ساتھ استخارہ کے نام پر بھی اپنی دکانداری سجائی جائے اور لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کی جائے کہ ہم صحیح اسلامی روحانی علوم کے ساتھ اپنے عمل کرتے ہیں۔ نہ صرف استخارہ بلکہ دعا کے ساتھ بھی یہی حشر کیا جارہا ہے۔ ایسے لوگ موجود ہیں جن کا دعویٰ یہ ہے کہ ہماری دعا رد نہیں ہوتی، اس لیے ہم سے جو چاہیں دعا کروالیں، پھر انہوں نے ہر کام کی دعا کے لیے حسبِ موقع فیس مقرر کی ہوتی ہے۔ ایسے نام نہاد عاملوں کے ہتھکنڈوں سے ہمیشہ ہوشیار رہیں اور ان کے پاس نہ خود جائیں اور نہ دوسروں کو جانے دیں۔

وحی، خواب، اِلہام اور اِستخارہ میں فرق

گزشتہ صفحات میں آپ وحیِ الٰہی، وحیِ شیطانی، خواب، اِلہام اور استخارہ کے بارے میں ضروری تفصیلات بالترتیب پڑھ آئے ہیں، یہاں ہم استخارہ کے حوالے سے اس بات کی کچھ وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ وحیِ الٰہی، خواب اور الہام کی طرح 'استخارہ' بذاتِ خود غیب اور مستقبل کے کسی معاملے کو جاننے کا کوئی مستند ذریعہ نہیں ہے، بلکہ یہ دعا کی ایک قسم ہے اور ایسی قسم کہ جس کے بعد یا تو خواب کے ذریعے انسان کو کچھ حاصل ہوجاتا ہے یا اِلہام کے ذریعے۔ عام طور پر ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت پیش آتی ہے، مگر بعض اوقات ان دونوں میں سے کوئی بھی صورت پیش نہیں آتی، بلکہ جس کام کے بارے میں انسان استخارہ کرتا ہے، اس کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کسی ایک پہلو پر اسے اطمینانِ قلب حاصل ہوجاتا ہے۔

باب ۶

آثار و قرائن کا بیان

بعض اوقات کوئی صاحبِ فہم و بصیرت، مختلف آثار و قرائن (CIRCUMSTANTIAL EVIDENCIES) اور علامات کی روشنی میں کسی غیبی و مخفی امر تک رسائی حاصل کر لیتا ہے اور اس بنیاد پر وہ جو کچھ کہتا ہے، عام طور پر حقیقت ثابت ہوتا ہے مثلاً کسی مریض کی شدتِ مرض سے اس کے فوت ہونے کا اندازہ لگا کر ڈاکٹر پیشگی یہ کہہ دیتا ہے کہ اب اس مریض کے بچنے کی کوئی امید نہیں، اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس ڈاکٹر یا حکیم کی یہ بات سچ ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ڈاکٹر یا حکیم 'غیب دان' یا 'بڑی پہنچی ہوئی سرکار' ہے اور نہ ہی اس بنیاد پر عقل مند آدمی ایسے ڈاکٹر کے بارے میں یہ رائے قائم کرتا ہے۔ بلکہ یہی سمجھا جاتا ہے کہ ڈاکٹر نے ظاہری حالات اور قرائن سے اندازہ لگایا ہے اور قرائن و علامات سے لگایا جانے والا اندازہ بہت مرتبہ ٹھیک نکلتا ہے اور بعض اوقات وہ بالکل الٹ بھی ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح ماہرین معاشیات کسی ملک کی پیداوار، درآمدات، برآمدات اور کرنسی وغیرہ کی پوزیشن سے اس کی معیشت کے دیوالیہ ہونے یا مستحکم ہونے کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ اور ماہرین سیاسیات کسی ملک کی داخلی و خارجی سیاست کی کمزوری، حکمران طبقے کی بدنظمی اور ایسی ہی دیگر وجوہات کی بنا پر یہ اندازہ لگا لیتے ہیں کہ اب یہ حکومت چند ہی دنوں میں ختم ہو جائے گی یا یہ ملک ٹوٹ جائے گا۔ اور ان کے اندازے بہت حد تک ٹھیک ثابت ہوتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ یہ اندازے اور تخمینے ہی ہیں جن کی بنیاد مختلف قرائن و آثار اور اَسباب و وجوہات پر ہوتی ہے۔ اگر یہ بنیادی آثار و قرائن مضبوط ہوں اور اندازہ لگانے والا اس میدان کا ماہر ہو تو پھر وہ اندازہ بھی اکثر بیشتر قوی ہی ثابت ہوتا ہے مگر اس کے باوجود اسے صرف اندازہ، خیال اور اِمکان ہی کہا جا سکتا ہے، قطعی اور سو فیصد یقینی پیش گوئی ہرگز نہیں۔ کیونکہ بعض اوقات قوی آثار و قرائن کی موجودگی میں ماہر اندازہ شناس کا اندازہ اور پیش گوئی بھی غلط ثابت ہو جاتی ہے اور یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح اَبر آلود آسمان دیکھ کر کوئی شخص یا محکمہ موسمیات اندازہ لگاتا ہے کہ اب بارش ہوگی، ایسے حالات میں بسا اوقات بارش ہو بھی جاتی ہے اور بسا اوقات بارش کی ایک بوند بھی نہیں گرتی......!!

واضح رہے کہ آثار و قرائن کی روشنی میں کسی مخفی امر تک رسائی یا اندازہ لگانا، شرعاً ممنوع نہیں ہے۔

آثاروقرائن کی بنیادی اقسام

قرائن وآثار بنیادی طور پر دوطرح کے ہوتے ہیں: قطعی اور ظنی۔ایک اور لحاظ سے انہیں تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یعنی: حسابی، نفسیاتی اور مشاہداتی وتجرباتی۔اب ان کی کچھ تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

[ا]......حسابی قرائن

حسابی قرائن سے مراد وہ قرائن ہیں جن میں 4=2+2 کی طرح درست نتیجہ حاصل ہوتا ہے مثلاً آپ کے سامنے ایک سوال پیش ہوتا ہے کہ 10 آدمی راشن کی ایک بوری 30 دنوں میں ختم کرتے ہیں بشرطیکہ فی کس آدھا کلو راشن استعمال کرے۔اس بنیاد پر بتایئے کہ اس بوری میں کتنے کلو راشن ہوگا؟ یا اسی سوال کی بنیاد پر یہ پوچھا جاتا کہ اگر آدمیوں کی تعداد کم یا زیادہ ہوجائے تو پھر وہ راشن کتنے دن تک استعمال ہوسکے گا یا یہ کہ اگر دنوں کی تعداد کم یا زیادہ ہوجائے تو پھر وہ راشن کتنے دن تک قابل استعمال ہوگا۔ان مختلف پہلوؤں سے کیے گئے سوالات کے جواب آپ فوراً ریاضی کے قواعد کی مدد سے دے دیتے ہیں اور اگر آپ ان قواعد سے صحیح طور پر واقف ہیں تو آپ کا جواب سو فی صد درست ہی ثابت ہوتا ہے۔

حسابی قرائن کی بنیاد پر کیے جانے والے تبصرے یا پیش گوئیاں ہمیشہ درست ثابت ہوتی ہیں بشرطیکہ حساب لگانے میں کوئی غلطی واقع نہ ہو۔علم ہیئت میں بھی یہی چیز کارفرما ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ علم ہیئت کی بنیاد پر کی جانے والی پیش گوئی غلط ثابت نہیں ہوتی۔آئندہ سطور میں اس کی تفصیل آرہی ہے۔

حسابی قرائن اور علم ہیئت

'علم ہیئت' ریاضی (MATHEMATICS) کی بنیاد پر قائم ہے۔اس کی تعریف میں علامہ ابن خلدون رقم طراز ہیں کہ

''علم ہیئت میں ثابت متحرک اور متحیر سیاروں کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور ان مختلف حرکات سے جو ان سے لازمی طور پر پیدا ہوتی ہیں افلاک کی اشکال واضاع پر براہین ہندسہ کے ذریعے سے استدلال کیا جاتا ہے''۔[۱]

نواب صدیق حسن خان قنوجیؒ مدینة العلوم کتاب کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ

''یعنی علم ہیئت ایک ایسا علم ہے جس میں تمام اجرام سماوی کے احوالِ گردش اور ان اجرام کی شکلیں،

(۱) مقدمہ ابن خلدون، ج۲ص ۳۹۰۔

صورتیں، کیفیتیں، اور مسافتیں معلوم کی جاتی ہیں"۔ (۱)

چونکہ اس علم میں کوئی ایسی بات نہ تھی جسے خلافِ شرع کہا جاسکتا ہو اس لیے علماء نے اسے جائز، شریف، مستحسن، جلیل القدر اور عظیم المنفعت علم قرار دیا ہے۔ (۲)

علاوہ ازیں تاریخی طور پر بھی یہ بات ثابت ہے کہ مسلمان سائنس دان علم ہیئت میں خصوصی دلچسپی لیتے رہے ہیں حتیٰ کہ عباسی دور میں مسلمانوں نے علم ہیئت کو بامِ عروج تک پہنچا دیا اور اس علمی ترقی کے لیے بڑی بڑی رصدگاہیں تیار کی گئیں، وسیع بنیادوں پر تجربات کیے گئے، اجرامِ فلکی کی حرکت و گردش معلوم کرنے کے لیے جدید اور نہایت قیمتی آلات تیار کیے گئے، طاقت ور دوربینیں ایجاد کی گئیں، ستاروں کے نام اور فہرستیں تیار کی گئیں۔ ان کی رفتار، روشنی، حرکت، زمین سے دوری اور خسوف و کسوف پر روشنی ڈالی گئی، ماہ و سال کی مدت معین کی گئی، دنیا کا بہترین کیلنڈر تیار کیا گیا۔ علاوہ ازیں علم ہیئت پر مسلمان سائنس دانوں نے گراں قدر کتابیں تصنیف کیں جو آج بھی یورپ و امریکہ کی یونی ورسٹیوں اور لائبریریوں کے لیے قابلِ زینت ہیں۔ (۳)

قرآن و سنت کی روشنی میں اگر علم ہیئت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے اس کے حصول کی طرف رغبت دلائی ہے، اس سلسلہ میں قرآن مجید کے چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(۱): ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ [یونس:۶]

"اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ پیدا نہیں کیں۔ وہ یہ دلائل ان کو صاف صاف بتا رہا ہے جو علم و دانش رکھتے ہیں۔"

(۲): ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ [سورۃ یس:۳۸تا۴۰]

---

(۱) ابجد العلوم، ج۲ ص۵۷۶۔

(۲) ایضاً۔

(۳) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ایج آف فیتھ، ص ۳۲۱۔ بحوالہ: یورپ پر اسلام کے احسانات، ص ۲۲۲، ۲۲۳۔

''اور سورج کے لیے جو مقرر راہ ہے، وہ اسی پر چلتا ہے۔ یہ اندازہ ہے (ٹھہرایا ہوا اس) غالب، باعلم اللہ تعالیٰ کا۔ اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھیں ہیں یہاں تک کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کر طرح ہو جاتا ہے۔ نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے اور یہ سب کے سب آسمان پر تیرتے پھرتے ہیں''۔

(۳) : ﴿ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴾ [سورۃ الرحمن:۵]

''سورج اور چاند (مقررہ) حساب سے ہیں''۔

ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ لوگوں کے دنیاوی معاملات مثلاً کاروبار، شادی بیاہ، سفر، جنگ وصلح وغیرہ سے ان اجرام سماوی کا کوئی تعلق نہیں، البتہ ان فلکی اجرام کا وقت (ماہ وسال) اور موسم وغیرہ سے تعلق ہے جیسا کہ مندرجہ بالا آیات میں مذکور ہے کہ چاند کی منزلیں مقرر ہیں۔ پھر ہیئت دانوں نے تجربہ ومشاہدہ سے بالآخر یہ معلوم کرلیا کہ چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں اور ہر رات چاند ایک منزل طے کرتا جاتا ہے۔ پہلی منزلوں میں وہ چھوٹا اور باریک دکھائی دیتا ہے، پھر بتدریج بڑا اور واضح دکھائی دینے لگتا ہے حتیٰ کہ چودھویں منزل پر وہ مکمل اور پرنور، بدرِ کامل بن جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد دوبارہ سکڑنا اور باریک ہونا شروع ہو جاتا ہے حتیٰ کہ آخر میں ایک یا دو راتیں غائب رہنے کے بعد پھر ہلال کی صورت میں طلوع ہو جاتا ہے جبکہ سورج میں اس طرح کی کمی بیشی والی صورت نہ مشاہدے میں آئی ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف کوئی اشارہ کیا ہے۔ البتہ سورج کی طبعی گردش سے ہیئت دانوں نے شمسی تقویم بھی تیار کر رکھی ہے۔

ان آیات سے دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہیئت دانوں کا اجرام فلکی کی حرکت وگردش کی مناسبت سے چند بظاہر مخفی و پیچیدہ معلومات جمع کر لینا غیب دانی ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ اجرام فلکی تو روزِ اول ہی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع فرمان ہو کر، اپنے اپنے مداروں اور منزلوں میں اپنا سفر طے کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے زمینی موسموں کا تغیر اور وقتوں کا تعین ان کی حرکت وگردش سے اس طرح مربوط کر رکھا ہے کہ اس کی یہ عظیم مخلوق (اجرامِ فلکی) اس سے سرمو انحراف نہیں کر سکتی اور انسان کا کمال بس یہی ہے کہ اس نے روزمرہ کے مشاہدے اور ان طبعی حقائق کی بنیاد پر اپنے حسابی وتقویمی نظریے قائم کر لیے ہیں۔ اس لیے اسے غیب دانی سے تعبیر کرنا حماقت ونادانی ہے بلکہ اگر تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ انسان ان طبعی حقائق کو سمجھنے میں اکثر وبیشتر غلط فہمی کا شکار بھی ہوتا رہا ہے جیسا کہ ان علوم سے متعلقہ کتابوں میں سائنس دانوں اور

ہیئت دانوں کے نظری و عملی اختلافات کی مثالیں اس حقیقت کو آشکار کرتی ہیں۔

علم ہیئت کے ذریعے پیش گوئی

پیش گوئی کے اگر لغوی معنی کو مدنظر رکھیں تو اس کے مطابق کسی بھی چیز کی پیشگی خبر کو پیش گوئی کہا جا سکتا ہے، خواہ اصطلاحی طور پر وہ پیش گوئی کہلانے کی مستحق ہی کیوں نہ ہو مثلاً اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ فلاں گاڑی میں ایک لیٹر پٹرول ڈالنے سے بیس (20) کلومیٹر کا سفر با آسانی طے کیا جا سکتا ہے اور اس بنیاد پر جب وہ دیکھے کہ اس گاڑی میں دو لیٹر پٹرول موجود ہے تو وہ اپنا علمی سکہ منوانے کے لیے کہے کہ میں پیشگوئی کرتا ہوں کہ یہ گاڑی چالیس (40) کلومیٹر سفر طے کرنے سے پہلے بند نہ ہوگی مگر چالیس (40) کلومیٹر کے بعد یہ ضرور یہ بند ہو جائے گی۔ کوئی بے وقوف جاہل تو اس سے دھوکا کھا سکتا ہے مگر کوئی صاحب بصیرت خود دھوکے میں مبتلا ہونے کی بجائے ایسے شخص کی پیش گوئی پر ماتم ہی کرے گا کیونکہ یہ تو ایک مشاہدے اور تجربے کی بات ہے اور جو چیز اس طرح پہلے ہی مشاہدے میں ہو اس کی پیش گوئی نہیں کی جاتی اور نہ ہی یہ چیز اصطلاحاً پیش گوئی کے زمرے میں داخل ہے۔

اسے مزید آسانی کے لیے ایک اور مثال سے یوں سمجھئے کہ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ میں پیش گوئی کرتا ہوں کہ دو اور دو کو جب بھی جمع کرو گے تو نتیجہ چار ہی نکلے گا تو ایسی پیشگوئی کرنے والے کی بات سے علمی دنیا میں کوئی تہلکہ بپا نہیں ہو جائے گا......!!

اگر یہ مثالیں سمجھ آ جائیں تو پھر علم ہیئت کی بنیاد پر کی جانے والی پیشگوئیوں کی حقیقت از خود سمجھ آ جاتی ہے کیونکہ ان کی بنیاد بھی اسی طرح روزمرہ تجربات و مشاہدات پر ہے۔

سورج گرہن، چاند گرہن اور دم دار ستارے وغیرہ کے متعلق پیشگی خبر دینا

سورج بذات خود روشن ہے جبکہ زمین اور چاند کی اپنی کوئی روشنی نہیں ہوتی بلکہ یہ اس وقت ہی روشن ہوتے ہیں جب ان پر سورج کی روشنی پڑتی ہے۔ نیز زمین اور چاند دونوں ٹھوس وجود رکھتے ہیں، اس لیے سورج کی روشنی کی شعاعیں جب ان پر پڑتی ہیں تو ان میں سے گزر نہیں پاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی چاند گردش کرتے ہوئے سورج اور زمین کے بالکل درمیان میں آ جاتا ہے تو پھر سورج کی روشنی چاند تک محدود ہو کر زمین پر نہیں پہنچ پاتی، جس کے نتیجے میں زمین سے سورج کا رنگ تانبے کے رنگ کی طرح نظر آتا ہے۔

سورج کی اسی بدلی ہوئی کیفیت کو سورج گرہن کہا جاتا ہے۔

اسی طرح جب کبھی زمین حرکت کرتے ہوئے سورج اور چاند کے درمیان آجاتی ہے تو سورج کی شعاعیں چاند تک نہیں پہنچ پاتی اور ایسی حالت کو چاند گرہن سے موسوم کیا جاتا ہے۔ چاند اور سورج گرہن کی بنیادی وجہ چونکہ زمین یا چاند کا سورج کی روشنی کے درمیان آنا ہے، اس لیے ماہر فلکیات اور ہیئت دان جو سالہا سال سے اجرام فلکی کی حرکت و گردش کے بارے میں تجربات کرتے آئے ہیں، انہوں نے مسلسل جدوجہد کے بعد کائنات کے اس فطری نظام کے بارے میں حقیقت کو پالیا ہے کہ گرہن لگنے کی وجوہات کیا ہیں اور کتنے دنوں، مہینوں اور سالوں کے بعد دوبارہ وہی صورت پیدا ہوتی ہے اور جب بار ہا تجربات سے انہیں ان چیزوں کا یقین ہو گیا تو انہوں نے لوگوں کو بھی اس دریافت سے باخبر کرنا شروع کر دیا۔

اسی طرح اجرام سماوی کی حرکت و گردش کا مسلسل مطالعہ کرنے کے بعد ماہرین فلکیات نے دیگر بہت سے حقائق کو آشکار کیا مثلاً انہوں نے یہ معلوم کر لیا کہ ایک مخصوص وقت کے بعد دم دار ستارہ زمین کے قریب سے گردش کرتے ہوئے گزرتا ہے۔ اسی لیے ہیئت دان گرہن کی طرح دم دار ستارے کے بارے میں بھی پیشگی اطلاع دے دیتے ہیں۔ اور ان کی اطلاع کبھی جھوٹی ثابت نہیں ہوتی۔ لیکن اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ ہیئت دان غیب دان ہوتے ہیں بلکہ ان چیزوں کا تعلق انسانی دریافت سے ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہماری زمین اور پانیوں کی تہہ میں مختلف معدنیات رکھی ہوئی ہیں اور زمین اور پانی کے نمونے حاصل کر کے سائنس دان یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ یہاں فلاں فلاں قسم کی معدنیات ہو سکتی ہیں اور پھر عملی تجربات کے بعد وہاں سے اسی قسم کی معدنیات حاصل ہو جاتی ہیں حالانکہ یہ معدنیات چھپی ہوئی اور مدفون تھیں مگر سائنس دان انہیں دریافت کر لیتے ہیں، اسی طرح عالم سماوی میں بھی اللہ تعالیٰ نے اجرام فلکی کا ایک طبعی نظام جاری کر رکھا ہے یعنی سورج کا مخصوص وقت پر طلوع و غروب ہونا، موسموں کا تبدیل ہونا، سیاروں کا گردش کرنا اور شمس و قمر کو گرہن لگنا وغیرہ اور ہیئت دان مسلسل مشاہدات و تجربات کے بعد اسی جاری و ساری نظام میں سے بعض چیزوں کو دریافت کر لیتے ہیں اور یہ دریافت بھی صرف اس وقت اور اس چیز کے بارے میں ممکن ہوتی ہے، جس وقت اور جس چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا ہو، ورنہ سینکڑوں ہزاروں چیزیں آج تک ان تمام ماہرین کی نگاہ سے اوجھل رہی ہیں اور بے شمار چیزیں مثلاً باری تعالیٰ، فرشتے، جنت و جہنم وغیرہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پردہ غیب میں رکھی گئی ہیں.......!!

[۲]......نفسیاتی قرائن

قرائن کی بعض صورتیں انسانی نفسیاتی سے تعلق رکھتی ہیں۔علم نفسیات یا نفسیاتی اصولوں کا ماہران کی مدد سے کسی شخص کے ذہنی و جذباتی رویوں کے حوالے سے چند سوال کر کے بہت سی مخفی باتیں معلوم کر کے اسے یا دوسرے لوگوں کو بتا دیتا ہے۔آپ نے دیکھا سنا ہوگا کہ بعض اوقات ایک عامل شخص اپنے پاس آنے والے سے چند بنیادی سوال کرنے کے بعد اس کے صغرے کبرے ملا کر بہت جلد اسے بتا دیتا ہے کہ تمہارا ذوق شوق کیا ہے، تمہاری عادات کیسی ہیں، تم کس طرح کی چیزوں کو پسند اور کن چیزوں کو ناپسند کرتے ہو......وغیرہ وغیرہ۔اور اس کی بہت سی باتیں تقریباً صحیح ثابت ہوتی ہیں۔

آپ نے کبھی سوچا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ یہ اس لیے نہیں ہوتا کہ وہ شخص 'غیب دان' ہے بلکہ اس لیے ہوتا ہے کہ وہ انسانی نفسیات کو سمجھتا اور اس میں مہارت رکھنے والا ہوتا ہے اور اسی کی بنیاد پر بعض غیر معلوم باتیں بتا دیتا ہے۔دست شناسی، نجوم، جفر واعداد وغیرہ سے مخفی باتیں بتانا ممکن نہیں ہوتا، اس لیے نجومی اور پامسٹ وغیرہ بھی علم نفسیات سے متعلقہ کتابوں کا مطالعہ ضرور کرتے ہیں تا کہ اپنا بھرم قائم رکھ سکیں اور لوگوں میں اپنے آپ کو عملیات کا ماہر باور کروا سکیں۔

میں کئی مرتبہ ان کالے پیلے علوم سے متعلقہ لوگوں سے ملتا اور ان کے انٹرویو کرتا، سنتا اور دیکھتا رہتا ہوں۔ اخبارات میں بھی ان کے لیے مستقل کالم کا سلسلہ ہوتا ہے۔اسی طرح ایک مرتبہ ایک پامسٹ نے اپنے انٹرویو میں کہا کہ جو شخص پامسٹری میں ذوق رکھتا ہے، وہ اس وقت تک اسے بطور پیشہ اختیار نہ کرے جب تک کہ علم نفسیات میں ماسٹر نہ کر لے۔

اس کی مراد یہ تھی کہ علم نفسیات کے ذریعے ایک تو وہ اپنے آپ کو جھوٹا ثابت ہونے سے بچا سکتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ اٹھا سکتا ہے کہ نفسیاتی حربوں سے لوگوں کے مخفی احوال و عادات پر لب کشائی میں درست اندازے لگا سکتا ہے۔

......☆......

[۳]......مشاہداتی و تجرباتی قرائن

بعض قرائن مشاہدات و تجربات سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً ایک ڈاکٹر مریض کے چہرے اور جسم سے اس کی بیماری کا اندازہ لگاتا ہے اور اس کا وہ اندازہ درست ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے اس اندازے کے پیچھے اس کا گہرا مشاہدہ موجود ہوتا ہے۔ دانشور حضرات بھی سیاسی و سماجی تبصرے اور تجزیے مشاہدات کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ مشاہداتی قرائن کی بنیاد پر کیے جانے والے تبصرے یا پیش گوئیاں کبھی درست ثابت ہوتی ہیں اور کبھی غلط۔ آئندہ سطور میں ہم اس سے متعلقہ چند اہم صورتوں کو مثالوں کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

(۱)......ڈاکٹروں اور حکیموں کے مشاہدات و تجربات

ڈاکٹر اور حکیم رطبیب لوگ علامتوں کی بنیاد پر مختلف امراض کی شناخت کر لیتے ہیں مثلاً ایک ماہر حکیم نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کی حرکت اور رفتار سے مرض کی تشخیص میں مدد لیتا ہے اور انسانی جسم کی حرارت و برودت کی کیفیت سے اصل مرض تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ اسی طرح ماہر ڈاکٹر بھی انگلیوں کے ناخنوں اور ہاتھوں کی رنگت وغیرہ کی مدد سے مختلف امراض کی نشاندہی میں مدد حاصل کرتا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے گھر میں ایک بچی کو دیکھا جس کا چہرہ کالا (یا زرد) تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ نظرِ بد کا شکار ہے لہٰذا اس پر دم کر کے اس کا علاج کرو"۔ (۱)

گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کے چہرے کی رنگت سے یہ اندازہ کر لیا کہ یہ بیمار ہے۔

(۲)......عقل مند اور جہاں دیدہ لوگوں کے مشاہدات و تجربات

بسا اوقات انسانی جسم کی کسی ظاہری علامت اور خدوخال کی مدد سے کسی شخص کے بارے میں یہ اندازہ لگا لیا جاتا ہے کہ اس کا پیشہ یا ہنر کون سا ہے مثلاً کسی شخص کے ہاتھوں پر سخت چنڈیاں پڑی ہوں اور ہاتھوں کی

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الطب، باب رقیة العین، ح۵۷۳۹۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، ح۲۱۹۷۔

سختی اور مضبوطی کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں کٹاؤں اور چیروں وغیرہ کے زخم بھی ہوں تو اس مشاہدے سے ایک عام آدمی بھی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ شخص 'لوہار' ہوگا، یا لوہے سے متعلقہ کوئی کام کرتا ہوگا۔

اسی طرح 'درزیوں' کے ہاتھوں میں بار بار قینچی چلانے کی وجہ سے انگوٹھے اور انگشت شہادت کے مخصوص حصوں پر کچھ نشانات یا چنڈیاں پڑ جاتی ہیں اور اس حقیقت کو جاننے والا شخص ایسا ہاتھ دیکھ کر یہ اندازہ لگا لیتا ہے کہ یہ شخص درزی ہے۔

اسی طرح بہت سے فنون، پیشوں اور ہنروں کو ایسی ظاہری و مشاہداتی علامات سے پہچان لیا جاتا ہے لیکن اس مشاہداتی عمل پر غیب دانی کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ایسا شخص 'غیب دان' بن جاتا ہے بلکہ اس کی صورت ایسے ہی ہے جیسے پاکستان میں کالے رنگ کے پینٹ کوٹ میں ملبوس شخص کو دیکھ کر یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ صاحب کوئی وکیل یا جج ہیں اور خاکی وردی میں ملبوس شخص کو دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ (بری فوج سے تعلق رکھنے والا) فوجی ہے اور یہ اندازہ اس لئے درست نکلتا ہے کہ یہ خاص لباس، خاص لوگوں کی وردی (Uniform) اور علامت قرار پا چکا ہے، لہٰذا جس طرح اس اندازہ لگانے والے کو غیب دان نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح مشاہدے و تجربے کی بنا پر کسی پیشے سے متعلقہ افراد کے بارے میں صحیح اندازہ لگانے والے کو بھی غیب دان قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اہل علم سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ امام شافعیؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ بیت اللہ میں لوگوں کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک آدمی بیت اللہ میں داخل ہوا۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ یہ شخص لوہار ہے جبکہ امام محمدؒ نے کہا کہ یہ شخص بڑھئی ہے۔ حاضرین مجلس میں سے بعض لوگ بھاگ کر اس شخص کے پاس گئے اور اس سے پوچھا کہ آپ کا پیشہ کون سا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ پہلے میں لوہار تھا، لیکن اب بڑھئی ہوں۔[(۱)]

اگرچہ امام شافعی اور امام محمد نے اس شخص کے ہاتھ تو نہیں دیکھے، لیکن ممکن ہے کہ انہوں نے اس دور کے حوالے سے لوہار اور بڑھئی کی ظاہری علامات سے اپنا اپنا اندازہ لگایا ہو اور پھر دونوں کا اندازہ اپنی جگہ درست ثابت ہوا۔

---

(۱) تفسیر قرطبی، ج ۱۰ ص ۴۱۔

(۳)......قیافہ شناسوں کے مشاہدات و تجربات ☆

قیافہ،قوف (ق و ف) سے مشتق ہے جس کا لغوی معنٰی ہے: کھوج لگانا، تلاش کرنا، ڈھونڈنا، نشانات دیکھنا اور پیچھا کرنا۔ ان اوصاف کے حامل شخص کو عربی میں 'قائف' اور اردو میں 'قیافہ دان' یا 'قیافہ شناس' کہا جاتا ہے۔ (لفظ 'کھوجی' بھی کسی حد تک اس کا مترادف ہے)[1]

اہل علم نے قیافہ کی دو قسمیں بیان کی ہیں یعنی: (۱) قیافۃ البشر، اور (۲) قیافۃ الاثر۔

۱)......قیافۃ البشر

حاجی خلیفہ اپنی کتاب ''کشف الظنون'' میں فرماتے ہیں کہ

" وانما سمی به ای قیافة البشر لان صاحبه یتبع بشرة الانسان و جلده و اعضاء ه و أقدامه و هذا العلم لا یحصل بالدراسة و التعلیم ولهذا لم یصنف فیه"[2]

''اسے قیافۃ البشر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس علم کا ماہر (یعنی قائف) انسان کے جلد و چمڑے، اعضاء و جوارح اور قدموں کا جائزہ لیتا ہے اور یہ علم درس و تدریس سے حاصل نہیں ہوتا (بلکہ خداداد عطیہ ہے) اسی لئے اس علم میں کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے''۔

نواب صدیق خان قیافۃ البشر کی تعریف میں رقمطراز ہیں کہ

" وهو علم باحث عن کیفیة الاستدلال بهیئات اعضاء الشخصین علی المشارك ولاتحاد بینهما فی النسب والولادة "[3]

''یہ ایسا علم ہے جس میں دو شخصوں کے اعضاء و جوارح کی باہمی مشارکت و مماثلت کی بنیاد پر نسب و ولادت پر استدلال کیا جاتا ہے''۔

☆ قیافہ شناسی کے سلسلہ میں ہم یہاں ذرا تفصیل سے بات کریں گے۔ اس موضوع پر ہمارا ایک مقالہ مجلّہ 'فکر و نظر' (ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔ اشاعت: جنوری۔ مارچ ۲۰۰۰ء) میں شائع ہو چکا ہے۔ حوالہ جات کی تفصیل کے لیے اسے بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

(۱) اردو دائرۃ المعارف، ج۱۶ ص ۵۱۸۔ لسان العرب، القاموس، النہایۃ، المنجد، المعجم الوسیط بذیل مادہ: 'قوف'۔

(۲) کشف الظنون، ج۲ ص ۱۳۶۷۔ (۳) ابجد العلوم، ج ۲ ص ۶

طاش کبری زادہ فرماتے ہیں کہ

" ومبنى هذا العلم ما ثبت فى المباحث الطبية من وجود المناسبة والمشابهة بين الولد و والديه و تكون تلك المناسبة فى الامور الظاهرة بحيث يدركها كل احد وقد تكون فى أمور خفية لا يدركها الا ارباب الكمال و تدرك هذه المشابهة بمعونة القوة الباصرة و القوة الحافظة ولهذا اختلف احوال الناس فى هذا العلم كمالا وضعفا الى حيث لا يشتبه عليه لشيئ اصلا بسبب كماله فى القوتين وهذا العلم موجود فى قبائل العرب و يندر فى غيرهم "[1]

" اس علم کی اصل وہ طبی مباحث ہیں جن کی رو سے یہ بات ثابت ہے کہ علم قیافہ کی بنیاد بچے اور اس کے والدین کے مابین مشابہت ومماثلت تلاش کرنے پر ہے۔ کبھی کبھار تو یہ مشابہت اتنی واضح ہوتی ہے کہ ہر شخص اسے پہچان لیتا ہے اور بسا اوقات یہ اتنی مخفی ہوتی ہے کہ اسے صرف ماہر لوگ ہی پہچان سکتے ہیں۔ قوت باصرہ اور قوت حافظہ کی مدد سے اس مشابہت کا ادراک کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس علم میں لوگوں کی مہارت میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ جس کی یہ قوتیں قوی ہوں گی، وہ زیادہ ماہر ہوگا اور جس کی یہ دونوں قوتیں (باصرہ وحافظہ) کمال درجہ کی ہوں، اس کے لئے کسی چیز کی پہچان میں شبہ نہیں ہو گا۔ یہ علم عرب قبائل میں پایا جاتا ہے اور غیر عربوں میں اس کا وجود نادر ہے"۔

۲)...... قیافۃ الاثر

یہ اسی علم کی دوسری قسم ہے، اسے علم العیافۃ بھی کہا جاتا ہے۔ طاش کبرہ زادہ اس بارے رقمطراز ہیں کہ

" علم قيافة الأثر و يسمى علم العيافة وهو علم باحث عن تتبع آثار الأقدام و الأخفاف والحوافر فى الطرق القابلة للأثر وهى التى تكون تربة حرة تتشكل بشكل القدم ونفع. هذا العلم بين اذا القائف يجد بهذا العلم الخراب من ا لناس والضوال من الحيوان بتتبع آثارها و قوامها بقوة الباصرة و قوة الخيال و الحافظة حتى سمعت بعض من اعتنى بهذا العلم انهم يفرقون بين أثر قدم الرجل وأثر قدم المرأة و بين أثر قدم الشيخ والشاب ،

(۱) مفتاح السعادة، ج ۱ ص ۳۲۹۔

واللّٰہ اعلم بالصواب "(۱)

"علم قیافۃ الاثر جسے علم العیافۃ بھی کہا جاتا ہے، یہ ایسا علم ہے جس میں انسانوں اور جانوروں کے قدموں کے نشانات کا کھوج لگایا جاتا ہے بشرطیکہ وہ ایسی جگہ پر ہوں جہاں ان کے قدموں کی شکل زمین پر ثبت ہوسکتی ہو۔ اس علم کا فائدہ بالکل ظاہر ہے کہ اس کے ذریعہ قیافہ دان، بھاگنے والے لوگوں اور گمشدہ جانوروں کے پاؤں کے نشانات اور اثرات کو اپنی قوت باصرہ وحافظہ کے ذریعے پہچانتے ہوئے ان کا سراغ لگا لیتا ہے حتیٰ کہ میں نے اس علم کی واقفیت رکھنے والے بعض لوگوں سے سنا ہے کہ قیافہ دان مرد، عورت، بوڑھے اور جوان شخص کے قدموں کے نشانات میں فرق کر کے یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ ان میں سے کس کے پاؤں کا نشان ہے، واللہ اعلم بالصواب"۔

نواب صدیق حسن خان قنوجیؒ سے بھی یہی چیز منقول ہے، البتہ انہوں نے المصباح اور القاموس کے حوالے سے عیافہ کی ایک اور تعریف ذکر کی ہے کہ

" ان العیافۃ ھی زجر الطیر "(۲)

"شگون لینے کے لئے پرندوں کو اڑانا 'عیافہ' کہلاتا ہے"۔

اسی طرح ابن اثیر اور ابن منظور نے بھی عیافہ کی یہ مؤخر الذکر تعریف کی ہے کہ

" زجر الطیر و التفاؤل بأسمائھا وأصواتھا وممرھا وھو من عادۃ العرب کثیرا " (۳)

"شگون لینے کے لئے پرندوں کو اڑانا اور ان کے ناموں، آوازوں اور آمد ورفت سے فال لینا عیافہ کہلاتا ہے اور اہل عرب اس کے بہت عادی تھے"۔

علاوہ ازیں بعض احادیث میں بھی عیافہ کی یہی مؤخر الذکر تعریف ملتی ہے مثلاً ایک حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ

((اَلْعِیَافَۃُ وَالطِّیَرَۃُ وَالطُّرُقُ مِنَ الْجِبْتِ)) (٤)

"پرندوں کو اڑانا اور خط وغیرہ کھینچ کر شگون لینا کفریہ وشرکیہ کام ہے"۔

---

(۱) مفتاح السعادۃ، ج۱ ص ۳۲۸۔ (۲) ابجد العلوم، ج۲ ص ۳۸۵۔

(۳) النھایۃ، ج۳ ص ۳۳۰۔لسان العرب، ج۹ ص ۲۶۱۔

(٤) ابو داؤد، کتاب الطب، باب فی الخط وزجر الطیر، ح ۳۹۰۵۔ابن حبان، ح ۶۱۳۱۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ 'عیافہ' کی بھی دو قسمیں ہیں یا دو الگ الگ تعریفیں ہیں جن میں سے ایک کا تعلق فال اور بدشگونی سے جبکہ دوسری کا تعلق قیافہ سے ہے اور یہاں یہی قسم ہمارے پیش نظر ہے۔

یاد رہے کہ 'قیافۃ الاثر' کے معتبر ہونے میں فقہاء میں اختلاف نہیں پایا جاتا اور یہی وجہ ہے کہ مجرموں تک رسائی پانے اور ان کا سراغ لگانے کے لئے کھوجی آدمیوں، کھوجی کتوں، کھوجی مشینوں (جدید آلات) اور ذہین وفطین لوگوں کی فہم وفراست اور گہری بصیرت سے استفادے کو جائز ہی نہیں بلکہ فرض کفایہ بھی کہا گیا ہے۔

قیافہ شناس (قائف) کون؟

ابن اثیر قیافہ شناس (یعنی قائف) کی تعریف میں رقمطراز ہیں کہ

" ألذی یتتبع الآثار و یعرفھا و یعرف شبه الرجل بأخیه وأبیه" (۱)

''قیافہ شناس (قائف) وہ ہے جو نشانات تلاش کرتا ہے اور آدمی کی اس کے باپ اور بھائی سے مشابہت کی پہچان کرتا ہے''۔

امام جرجانیؒ فرماتے ہیں کہ

" ألقائف ھو الذی یعرف النسب بفراسته و نظرہ الٰی أعضاء المولود" (۲)

''قائف وہ شخص ہے جو اپنی فراست اور نومولود کے اعضاء کا جائزہ لیتے ہوئے نسب کو پہچانتا ہے''۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

"ألقائف ھو الذی یعرف الشبه و یمیز الأثر سمی بذلك لأنه یقفوا الأشیاء أی یتبعھا" (۳)

''قائف وہ شخص ہے جو مشابہت ومماثلت کو پہچانتا ہے اور نشانات کو نمایاں کرتا ہے اور اسے قائف اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ چیزوں کا کھوج لگاتا ہے''۔

گزشتہ تعریفات کا ملخص

گزشتہ تعریفات کا ملخص یہ ہے:

۱۔ قیافہ کی دو قسمیں ہیں؛ یعنی قیافۃ البشر اور قیافۃ الاثر۔

(۱) النھایة، ج٤ ص ۱۳۱۔
(۲) التعریفات، ص ۱۷۱۔
(۳) فتح الباری، ج۱۲ ص ۵۷۔

۲۔ قیافۃ البشر میں ظاہری مشابہت اور جسمانی خدوخال کی مناسبت سے یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ یہ بچہ کس شخص کا ہے۔ (ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کسی بچے کا نسب مشکوک ہو جائے یا کسی بچے پر ایک سے زیادہ شخص باپ ہونے یا باپ نہ ہونے کا دعویٰ کریں جبکہ یہ بات بھی قطعی ہو کہ بچہ انہی میں سے کسی ایک کا ہے، ایسے مشتبہ معاملہ میں 'قیافۃ البشر' کے ماہر سے مدد لی جاسکتی ہے۔ نیز آج کے دور میں یہی کام D.N.A ٹیسٹ کے ذریعے بھی کیا جاسکتا ہے)۔

۳۔ قیافۃ الاثر میں گمشدہ جانوروں یا مجرموں کے پاؤں کے نشانات یا جائے حادثہ کا جائزہ لیتے ہوئے مختلف آثار ونشانات کی مدد سے مطلوب تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔

۴۔ قیافۃ الاثر کو 'عیافۃ' بھی کہا جاتا ہے جبکہ عیافہ اس کے علاوہ دوسری تعریف کے مطابق بدشگونی کے مترادف بھی ہے۔

۵۔ 'قیافۃ البشر' کا تعلق اثباتِ نسب سے ہے جبکہ 'قیافۃ الاثر' کا تعلق اثباتِ جرم یا اثباتِ دعویٰ سے ہے۔

۶۔ 'قیافۃ البشر' کے ماہر (قیافہ شناس) کے لئے ضروری نہیں کہ وہ قیافۃ الاثر کا بھی ماہر ہو اور اسی طرح قیافۃ الاثر کے ماہر (کھوجی) کے لئے بھی یہ ضروری نہیں کہ وہ قیافۃ البشر کی بھی واقفیت رکھتا ہو۔

۷۔ بالعموم قیافہ شناس سے 'قیافۃ البشر' کا ماہر مراد لیا جاتا ہے۔

۸۔ قیافۃ الاثر کے ماہر کو عموماً 'کھوجی' کہا جاتا ہے۔

۹۔ قیافۃ البشر تعلیم وتعلم کی بجائے خداداد صلاحیت پر موقوف ہوتا ہے۔

۱۰۔ قیافۃ الاثر قدرے تعلیم وتعلم اور فہم وفراست پر موقوف ہے اسی لئے فوج اور پولیس میں اس کے منظم شعبے قائم کئے جاتے ہیں۔

قیافہ شناسی کی شرعی حیثیت

اسلامی نقطۂ نظر سے قیافہ شناسی نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض حالات میں یہ ناگزیر صورت اختیار کر جاتی ہے اور بالعموم قاضیوں (ججوں) کو اس سے ضرور واسطہ پڑتا ہے گو وہ خود قیافہ شناسی میں ماہر نہ ہوں لیکن کسی مشتبہ معاملہ میں جہاں قیافہ شناسی ہی صورتحال کو واضح کرسکتی ہو، وہاں وہ کسی ماہر قیافہ شناس سے بدد لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔

فقہاء نے اس سلسلہ میں اس طرح کی مثالیں ذکر کی ہیں کہ اگر کسی باندی (لونڈی) سے دو شخصوں نے ایک ہی طہر میں وطی کی ہو اور اسی طہر میں حمل ٹھہرا ہو تو اب اس کا بچہ دونوں شخصوں میں سے کس کی طرف منسوب کیا جائے گا؟ یا کسی عورت سے حالت عدت میں کوئی شخص شادی کرلے جبکہ اسے اس سے پہلے یا بعد میں حیض نہ آئے تو اب اس سے پیدا ہونے والا بچہ پہلے خاوند کی طرف منسوب ہوگا یا دوسرے کی طرف؟ یا کہیں سے گمشدہ بچہ ملے اور دو آدمی اس پر مدعی ہوں جبکہ دونوں میں سے کسی ایک کے پاس بھی اپنے حق میں کوئی دلیل نہ ہو یا دونوں کے پاس برابر کے دلائل ہوں تو ایسی صورت میں کس مدعی کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا؟

مذکورہ صورتیں اثباتِ نسب سے تعلق رکھتی ہیں لیکن اسی طرح کی بعض پیچیدہ صورتیں دیگر دیوانی اور فوجداری جرائم میں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایسی تمام صورتوں میں ماہر قیافہ شناس کی بات اور فیصلہ قابل اعتبار ہوگا۔ اگرچہ فقہائے حنفیہ اثباتِ نسب میں قیافہ شناس کے قول کو حجت تسلیم نہیں کرتے کیونکہ مذکورہ صورت میں قیافہ شناس کا فیصلہ 'شبہ' کی بنیاد پر ہوتا ہے۔[1]

جبکہ ائمہ ثلاثہ، جمہور فقہاء و محدثین ان صورتوں میں بھی قائف (قیافہ دان) کے قول کو حجت تسلیم کرتے ہیں بشرطیکہ ان صورتوں میں کوئی معارض یا مانع نہ ہو۔[2]

یاد رہے کہ فقہاء کا مذکورہ اختلاف 'قیافۃ البشر' سے تعلق رکھتا ہے اس لئے کہ 'قیافۃ البشر' کا دائرہ کار اثباتِ نسب سے ہے اور یہاں اثباتِ نسب ہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ البتہ 'قیافۃ الاثر' کے معتبر و مشروع ہونے میں فقہاء میں اختلاف نہیں پایا جاتا اور یہی وجہ ہے کہ مجرموں تک رسائی پانے اور ان کا سراغ لگانے کے لئے کھوجی آدمیوں، کھوجی کتوں، کھوجی مشینوں (جدید آلات) اور ذہین و فطین لوگوں کی فہم و فراست اور گہری بصیرت سے استفادے کو جائز ہی نہیں بلکہ فرض کفایہ بھی کہا گیا ہے۔ بہرصورت عملی طور پر اس کے

---

(۱) دیکھیے: المبسوط، للسرخسی، ج۱۷ ص ۷۰۔ بدایۃ المجتھد، لابن رشد، ج۲ ص ۶۴۰۔ شرح معانی الآثار، للطحاوی، ج۳ ص ۱۱۶۔ بدائع الصنائع، للکاسانی، ج۶ ص ۲۴۲۔

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بدایۃ المجتھد، ج۲ ص ۶۳۹۔ المغنی، لابن قدامہ، ج۸ ص ۶۷۲ تا ۶۷۴۔ الفروق، للقرافی، ج۴ ص ۹۹۔ مواھب الجلیل، ج۵ ص ۲۴۷۔ الاشباہ والنظائر، للسیوطی، ص ۴۱۹۔ مغنی المحتاج، ج۴ ص ۸۸۔ نھایۃ المحتاج، ج۸ ص ۳۷۵۔ المبدع، ج۵ ص ۳۱۰۔ الفتاوی الکبری، لابن تیمیۃ، ج۴ ص ۵۸۷۔ نیل الاوطار، ج۴ ص ۳۷۲۔ سبل السلام، ج۴ ص ۱۳۷۔ فتح الباری، ج۱۲ ص ۵۷۔

جواز میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے جیسا کہ آئندہ تفصیلی دلائل سے معلوم ہوگا۔

ذیل میں ہم اس بحث کو تین حصوں میں تقسیم کر رہے ہیں یعنی:

❶ : اثبات نسب میں قیافۃ البشر کی شرعی حیثیت

❷ : فوجداری جرائم میں قیافۃ الاثر کی شرعی حیثیت

❸ : دیوانی مقدمات میں قیافۃ الاثر کی شرعی حیثیت

۱۔ اثباتِ نسب میں قیافۃ البشر کی شرعی حیثیت

جن اہل علم کے ہاں اثباتِ نسب میں قیافہ شناس کی رائے حجت ہے، آئندہ سطور میں ہم ان کے دلائل ذکر کر رہے ہیں:

پہلی دلیل

(۱) : ((عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ مَسْرُورٌ فَقَالَ يَاعَائِشَةُ! أَلَمْ تَرَى أَنَّ مُجَزِّزًا الْمُدْلِجِيَّ دَخَلَ عَلَى فَرَأَى أُسَامَةَ وَ زَيْدًا وَ عَلَيْهِمَا قَطِيفَةٌ قَدْ غَطَّيَا رُؤُسَهُمَا وَ بَدَتْ أَقْدَامُهُمَا، فَقَالَ: إِنَّ هٰذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ))[1]

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس ایک دن تشریف لائے اور آپ ﷺ بہت خوش تھے اور فرمانے لگے عائشہ! کیا تم نے دیکھا نہیں کہ مُجَزِّزْ مُدْلَجِي آیا اور اس نے اُسامہ اور زید کو دیکھا، دونوں کے جسموں پر ایک چادر تھی جس سے ان کے سر ڈھکے ہوئے تھے اور پاؤں کھلے تھے تو اس نے کہا کہ یہ پاؤں ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں''۔

مُجَزِّزْ مُدْلَجِي آنحضرت ﷺ کے دور کا ایک مشہور قیافہ شناس تھا اور اس نے حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے صرف پاؤں دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ باپ بیٹا ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ

---

(۱) بخاری، کتاب الفرائض، باب القائف، ح ۶۷۷۱۔ مسلم، ح ۱۴۵۹۔ ابو داؤد، ح ۲۲۶۷۔ جامع الترمذی، ۹: ۱۲۔ سنن نسائی، ج ۶ ص ۱۸۴۔ سنن ابن ماجہ، ح ۲۳۴۹۔ احمد، ج ۶ ص ۲۲۶۔ البیہقی، ج ۱۰ ص ۲۶۲۔ دارقطنی، ج ۴ ص ۲۴۰۔

((فَسَرَّ بِذٰلِكَ النَّبِيُّ وَ أَعْجَبَهُ))[1]

"نبی کریم ﷺ کو قیافہ شناس کی یہ پہچان بڑی پسند آئی اور آپ ﷺ اس کی بات سے خوش ہوئے"۔

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ

"دورِ جاہلیت میں کفار و مشرکین حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے نسب میں شک کرتے تھے کیونکہ ان کا رنگ نہایت سیاہ تھا جبکہ ان کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ روئی سے زیادہ سفید تھے۔ (تو لوگوں نے شک کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسامہ زید کا بیٹا نہیں ہوسکتا) لیکن جب قیافہ شناس (مجزز مدلجی) نے (باپ بیٹا دونوں کے محض پاؤں کی مشابہت سے) تصدیق کر دی کہ یہ نسب صحیح ہے حالانکہ باپ بیٹے کے رنگوں میں اختلاف تھا تو اس کی اس بات سے حضور نبی کریم ﷺ بہت خوش ہوئے کیونکہ قیافہ شناس کی یہ بات ان مشرکین کو الزام تراشی سے روکنے کے لئے کافی تھی، اس لئے کہ وہ لوگ قیافہ شناس کی باتوں پر یقین رکھتے تھے"۔[2]

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین تو قیافہ شناسوں کو حجت سمجھتے تھے لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے اس قیافہ شناس کو کیسے حجت سمجھا؟ حافظ ابن حجرؒ، امام بخاریؒ کے حوالے سے اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

"وجه ادخال هذا الحديث في كتاب الفرائض الرد على من زعم ان القائف لا يعتبر قوله فانه من اعتبر قوله فعمل به لزم منه حصول التوارث بين الملحق و الملحق به"[3]

"یعنی امام بخاریؒ نے اس حدیث کو 'کتاب الفرائض' میں اس لئے بیان فرمایا ہے تاکہ ان لوگوں کی تردید ہو جائے جو قیافہ دان کو معتبر و حجت نہیں سمجھتے اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ جو قیافہ شناس کے قول کو حجت و سند تسلیم کر کے اس کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں تو اس (فیصلے) سے بچے اور باپ کے مابین وراثت کے احکام جاری ہوں گے"۔

مذکورہ روایت کے حوالہ سے امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ

---

(۱) بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب زید بن حارثة، ح ۳۷۳۱۔

(۲) فتح الباری، ج ۱۲ ص ۵۷۔

(۳) ایضاً۔

"فی هذا الحدیث دلیل علی ثبوت العمل بالقافة وصحة الحکم بقولهم فی الحاق الولد و ذلك لان رسول الله ﷺ لایظهر السرور الا بما هو حق عنده"[1]

"یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قیافہ شناس کی بات پر عمل کیا جائے گا اور ان کے کہنے پر بچے کا نسب ملانے کا فیصلہ صحیح ہوگا کیونکہ اللہ کے رسول صرف اسی بات پر خوشی کا اظہار کر سکتے ہیں جو آپ ﷺ کے نزدیک حق ہو"۔

صاحبِ مفتاح السعادة فرماتے ہیں کہ

"امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ اگر قیافہ شناس کی بات حجت نہ ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس پر مسرور نہ ہوتے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کا کہنا کہ اللہ کے رسول ﷺ قیافہ شناس کی بات پر اس لئے خوش ہوئے تھے کہ اس سے مشرکین کا الزام رفع ہو جائے گا کیونکہ مشرکین کے ہاں قیافہ شناس کی بات حجت تھی اور آپ ﷺ اس لئے خوش نہیں ہوئے کہ فی الواقع قیافہ شناس کی بات شرعی حجت ہے۔"[2]

دوسری دلیل

صحیح البخاری[3] وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی عدالت میں اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ (زنا کرنے کی) تہمت لگائی۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ

"گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگائی جائے گی"۔

انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہ! ایک شخص اپنی بیوی کو غیر کے ساتھ مبتلا دیکھے پھر کیا ایسی حالت میں گواہ تلاش کرنے جائے گا؟! لیکن آنحضرت ﷺ یہی فرماتے رہے کہ "گواہ لاؤ گر نہ تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی جائے گی"۔ اس پر ہلال نے کہا کہ

"قسم اس ذات کی جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے، میں اپنی بات میں سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ ضرور اس کے بارے میں کوئی ایسی وحی نازل فرمائیں گے جو مجھے حد سے بچا لے گی"۔

---

(۱) معالم السنن، ج۳ ص ۲۷۵۔

(۲) مفتاح السعادة، ج۱ ص ۳۳۰۔

(۳) بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: و یدرأ عنها العذاب، ح۴۷۴۷۔ مسند احمد، ج۱ ص ۲۳۸۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام حضور نبی کریم ﷺ پر یہ وحی لے کر حاضر ہوئے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ أَزْوَاجَهُمْ سے لے کر اِنْ كَانَ من الصَّادِقِين﴾ تک، (یعنی وہ آیات جن میں لعان کا حکم ہے)۔ نزولِ وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو آنحضرت ﷺ نے آدمی بھیج کر ہلال اور اس کی بیوی کو بلوایا۔ ہلال نے لعان کی قسمیں کھائیں۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بخوبی جانتے ہیں کہ تم میں ایک ضرور جھوٹا ہے تو کیا وہ توبہ کے لئے تیار ہے؟ پھر عورت کھڑی ہوئی اور اس نے بھی اپنے حق میں قسمیں کھائیں جب وہ پانچویں قسم (کہ اگر میں جھوٹی ہوئی تو مجھ پر اللہ کا عذاب نازل ہو) کھانے لگی تو لوگوں نے اسے روکنے کی کوشش کی اور کہا کہ (اگر تم جھوٹی ہو تو) اس سے تم پر اللہ کا عذاب ضرور نازل ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس پر وہ عورت ہچکچائی تو ہم نے سمجھا کہ وہ اپنا بیان واپس لے لے گی لیکن اس نے پانچویں قسم کھالی اور کہا کہ میں اپنی قوم کو زندگی بھر کے لئے رسوا نہیں کر سکتی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے (لوگوں سے) فرمایا کہ دیکھنا اگر اس کا بچہ خوب سیاہ آنکھوں والا، بھاری سرین اور بھری ہوئی پنڈلیوں والا (پیدا) ہوا تو پھر وہ شریک بن سحماء کا ہوگا۔ چنانچہ وہ بچہ اسی شکل وصورت کا پیدا ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر کتاب اللہ کا حکم نہ آچکا ہوتا تو میں ضرور اس عورت کو رجم کی سزا دیتا"۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

((لَوْ لَا الْاَيْمَانُ لَكَانَ لِيْ وَلَهَا شَأْنٌ)) (۱)

"یعنی اگر لعان نہ ہوتا تو میں اسے رجم کرتا۔"

روایت کے ان الفاظ کے حوالے سے ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ

"لولا الايمان لكان لى ولها شان، يدل على انه لم يمنعه من العمل بالشبه الا الايمان فاذا انتفى المانع يجب العمل به لوجود مقضيه" (۲)

"اس جملے (یعنی لو لا الایمان ......) سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو 'شبہ' پر عمل کرنے سے صرف 'لعان' نے روکا ہے (اور اس سے معلوم ہوا کہ لعان ایک مانع ہے) لہٰذا جب مانع نہیں ہوگا تو شبہ کی بنیاد پر فیصلہ کرنا ضروری ہوگا کیونکہ وہ شبہ (اس فیصلے کا) متقاضی ہے"۔

(۱) مسند احمد، ج۱ ص۲۳۸۔ بیهقی، ج۷ ص۳۹۴۔ ابو داؤد، ح ۲۲۵۶۔

(۲) المغنی، لابن قدامه، ج۸ ص۳۷۳۔

امام شوکانیؒ اس روایت کے بعد رقمطراز ہیں کہ

"ومن الأدلة المقوية للعمل بالقافة حديث الملاعنة المتقدم حيث أخبر بأنها ان جاء ت به على كذا فهو لفلان وان جاء ت به على كذا فهو لفلان فان ذلك يدل على اعتبار المشاهدة ...... وفي ذلك اشعار بانه يعمل بقول القائف مع عدمها "(۱)

"قیافہ شناس کی بات کے حجت ہونے کے دلائل میں سے ایک قوی دلیل یہ لعان والی حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس عورت نے فلاں فلاں اوصاف کا حامل بچہ جنم دیا تو وہ فلاں کا ہے۔ آپ ﷺ کی یہ بات مشابہت کے معتبر و حجت ہونے کی دلیل ہے۔ (چونکہ یہاں لعان مانع تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس قیافہ پر عمل نہ کیا) اس سے یہ معلوم ہوا کہ قیافہ دان کی بات اس وقت حجت تسلیم ہوگی جب کوئی مانع نہ ہو"۔

اس کے برعکس فقہائے حنفیہ اس روایت سے اپنے موقف کی دلیل پکڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"لعان میں قائف کی طرف رجوع کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قائف کی بات حجت ہوتی تو بوقت شبہ اس کی طرف رجوع کرنا معتبر قرار پاتا"۔(۲)

جبکہ دیگر فقہاء نے لعان کو مانع قرار دیا ہے اور مذکورہ روایت کے ان الفاظ: ((لَوْ لاَ الْاَیْمَانُ لَکَانَ لِیْ وَلَھَا شَأْنٌ)) ہی سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ

"حضور نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر 'لعان' نہ ہوتا تو آپ ضرور 'شبہ' (یعنی بچے کی زانی سے مشابہت) کی بنیاد پر فیصلہ فرماتے، اس کے لئے قیافہ دان کی بات حجت ہوگی بشرطیکہ کوئی قوی مانع (لعان یا فراش وغیرہ) نہ ہو"۔(۳)

تیسری دلیل

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

"عتبہ بن ابی وقاص (کافر) نے (مرنے سے پہلے) اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص (جو مسلمان ہوگئے

(۱) نیل الاوطار، ج ٤ ص ۳۸۲، ۳۸۳۔

(۲) المبسوط ،للسرخسی ، ج ۱۷ ص ۷۰۱۔

(۳) دیکھیے: المغنی، لابن قدامہ ، ج۸ ص ۳۷۱ تا ۳۷٤۔ نیل الاوطار، ج ٤ ص ۳۸۲۔

تھے) کو وصیت کی تھی کہ "زمعہ" کی باندی کا بچہ میرا ہے اس لئے تم اسے اپنی ولایت میں لے لینا۔
حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جس سال مکہ فتح ہوا، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس لڑکے کو اٹھالیا اور کہا کہ یہ میرے بھائی (عتبہ) کا بچہ ہے اور انہوں نے اس کے متعلق مجھے وصیت کی تھی جبکہ عبد بن زمعہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ یہ میرے باپ کی لونڈی کا لڑکا ہے اور میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔
بالآخر دونوں حضرات یہ مقدمہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! یہ میرے بھائی کا لڑکا ہے اور مجھے انہوں نے اس کے بارے میں وصیت کی تھی۔ پھر عبد بن زمعہ نے کہا کہ یہ (بچہ) میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی کا لڑکا ہے اور یہ میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (دونوں طرف سے بیان سننے کے بعد) فرمایا کہ اے عبد بن زمعہ! یہ لڑکا تمہارے پاس ہی رہے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بچہ اسی کا ہوگا جس کے بستر پر پیدا ہو، اور زانی کے لئے پتھروں کی سزا ہے"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عبد کی بہن) حضرت سودہ رضی اللہ عنہا (جو ایک لحاظ سے اب اس لڑکے کی بہن بنتی تھیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بھی تھیں) سے فرمایا کہ "اس لڑے سے پردہ کرنا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے میں عتبہ کی مشابہت محسوس کر لی تھی"۔ پھر (حضرت سودہؓ کے پردہ کرنے کی وجہ سے) اس لڑکے نے انہیں مرتے دم تک نہیں دیکھا"۔ [1]
بعض شارحین نے اس روایت میں مذکور واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ
"عتبہ بن ابی وقاص، حضرت سعد بن ابی وقاص مشہور صحابیؓ کا بھائی تھا۔ عتبہ اسلام کے شدید دشمنوں میں سے تھا اور کفر ہی پر اس کی موت واقع ہوئی۔ زمعہ نامی ایک شخص کی لونڈی سے اسی عتبہ نے زنا کیا اور وہ حاملہ ہوگئی۔ عتبہ جب مرنے لگا تو اس نے اپنے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص کو وصیت کی کہ زمعہ کی لونڈی کا حمل مجھ سے ہے، لہٰذا اس کے پیٹ سے جو بچہ پیدا ہو اس کو تم اپنی تحویل میں لے لینا۔ چنانچہ زمعہ کی لونڈی کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا اور وہ انہی کے ہاں پرورش پاتا رہا۔ جب مکہ فتح ہوا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اپنے بھائی کی وصیت کے تحت اس بچہ کو اپنی پرورش میں لے لیں مگر زمعہ کا بیٹا عبد بن زمعہ کہنے لگا کہ یہ میرے والد کی لونڈی کا بچہ ہے، اس لئے اس کا وارث میں ہوں۔

(۱) بخاری، کتاب البیوع، باب تفسیر المشبہات، ح ۲۰۵۳۔

جب یہ مقدمہ عدالتِ نبویؐ میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ

((اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاھِرِ حَجَرٌ))

''بچہ اسی کا مانا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا ہے''۔ اگر چہ وہ کسی دوسرے فرد کے زنا کا نتیجہ ہے۔ اس فرد (زانی) کے حصہ میں شرعی حد سنگساری ہے۔ (اگر وہ شادی شدہ ہو وگرنہ سو کوڑے اور ایک سال جلا وطنی) اس قانون کے تحت حضور نبی اکرم ﷺ نے وہ بچہ عبد بن زمعہ ہی کو دے دیا مگر بچہ کی مشابہت عتبہ بن ابی وقاص ہی سے تھی۔ اس لئے اس شبہ کی بنیاد پر حضور ﷺ نے حضرت ام المؤمنین سودہ کو پردے کا حکم فرمایا۔ وہ زمعہ کی بیٹی ہونے کے ناطے بظاہر اس لڑکے کی بہن تھیں مگر لڑکا مشتبہ ہو گیا لہٰذا مناسب ہوا کہ وہ اس سے غیروں کی طرح پردہ کریں۔ حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک سودہ رضی اللہ عنہا کو پردہ کا حکم اس اشتباہ کی وجہ سے احتیاطاً دیا گیا تھا کہ باندی کے ناجائز تعلقات عتبہ سے تھے اور بچے میں اس کی مشابہت تھی''۔ (۱)

جن فقہاء نے 'شبہ' کی بنیاد پر قیافہ شناس کے قول کو حجت تسلیم نہیں کیا وہ بھی اپنے موقف کی تائید میں درج بالا روایت پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر 'شبہ' کی بنیاد پر فیصلہ معتبر ہوتا تو آنحضرت ﷺ لازمی طور پر اس بچہ کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالہ کرتے کیونکہ ان کے بھائی عتبہ کی مشابہت بالکل نمایاں تھی لیکن اس کے برعکس آنحضرت ﷺ نے یہ بچہ عبد بن زمعہ کے حوالے کر دیا اور شبہ کو اہمیت نہیں دی۔

اس کے برعکس 'شبہ' کو معتبر و حجت تسلیم کرنے والے فقہاء بھی اسی روایت سے استدلال کرتے ہیں اور مذکورہ اعتراض کا یہ جواب دیتے ہیں کہ

" أنما لم يعمل به فى ابن زمعة لأن الفراش اقوى و ترك العمل بالبينة لمعارضة ماهو أقوى منها لا يوجب الأعراض عنها اذا خلت عن المعارض " (۲)

''آپ ﷺ نے زمعہ کے بیٹے کے حوالے سے قیافہ شناسی پر اس لئے عمل نہیں کیا کہ (یہاں) فراش زیادہ قوی قرینہ ہے اور کسی قوی تر دلیلِ معارض کی وجہ سے دوسری دلیل کو چھوڑنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب وہ معارض دلیل نہ ہو تب بھی اس کم تر قوی (متروکہ) دلیل پر عمل نہ کیا جائے (بلکہ اس وقت

---

(۱) صحيح البخارى، ترجمه و تشريح، از: محمد داؤد راز دهلوى، ج ۳ ص ۲۷٤۔

(۲) المغنى، ج ۸ ص ۳۷۳۔

کم تر دلیل ہی حجت ہوگی)''

اس سے معلوم ہوا کہ بچہ جس شخص کے گھر اور بستر پر پیدا ہوا اور وہ شخص اس عورت کا جائز شوہر یا مالک (سید) ہو تو وہ بچہ اسی گھر اور بستر کے مالک کا ہوگا۔ گو اس عورت کے کسی غیر سے ناجائز تعلقات کی بنا پر بچے کی شکل وصورت حقیقی شوہر یا آقا کی بجائے اس زانی ہی سے کیوں نہ ملتی ہو اور قیافہ شناس بھی اس زانی کو ایسے بچے کا باپ قرار دے رہا ہو تب بھی اس بچہ کو صاحب فراش کی طرف منسوب کیا جائے گا البتہ زانی کو شرعی سزا دی جائے گی بشرطیکہ اس کا زنا گواہوں کی بنیاد پر ثابت ہو جائے۔

مذکورہ صورت میں قیافہ شناس کی بات اس لئے حجت نہیں کہ شریعت نے 'فراش' کے قرینہ کو 'قیافہ شناسی' کے قرینہ سے زیادہ قوی بلکہ قانونی طور پر 'سند' قرار دیا ہے، اس لئے ایسی صورت میں جبکہ ایک طرف صاحب فراش ہو اور دوسری طرف قیافہ شناس، تو قیافہ شناس پر صاحب فراش بہر صورت قابل ترجیح ہوگا۔ اسی لئے فقہائے ثلاثہ نے ایسی صورت میں 'فراش' کو 'لعان' کی طرح مانع قرار دیا ہے یعنی اگر یہ موانع نہ ہوں تو پھر قیافہ شناس کی بات ہی حجت ہوگی اور اگر ان میں سے کوئی مانع ہو تو پھر قیافہ شناس کی بات شرعی نقطۂ نگاہ سے حجت تسلیم نہیں ہوگی۔

حضرت عمرؓ اور قیافہ شناسی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود بھی قیافہ شناسی کی اہلیت رکھتے تھے اور بہت سے پیچیدہ مسائل میں دیگر ماہر قیافہ شناسوں کی خدمات بھی حاصل کیا کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

" وقد أخرج يزيد بن هارون في الفرائض بسند صحيح الى سعيد بن المسيب أن عمر كان قائفا "(۱)

''یزید بن ہارون نے فرائض (کتاب) میں سعید بن میسب سے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قیافہ دان تھے''۔

حافظ ابن قیم، عبدالرزاق کی سند سے بیان کرتے ہیں کہ

" أن عمر ابن الخطاب دعا القافة في رجلين اشتركا في الوقوع على امرأة في طهر

(۱) فتح الباری، ج۱۲ ص۵۷۔

واحد وادعیا ولدها فألحقه القافة بأحدهما "

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی عورت کے معاملہ میں قیافہ دان کو طلب کیا کہ جس عورت سے ایک ہی طہر میں دو آدمیوں نے وطی کی تھی اور وہ دونوں اس کے بچے کے مدعی تھے۔ چنانچہ قیافہ شناس نے ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ بچے کو ملحق کر دیا"۔ (۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے واقعات میں قیافہ شناس کی رائے کے مطابق فیصلے کئے ہیں۔ (۲)

حتیٰ کہ ابن قدامہ حنبلیؒ اس پر اجماع کا دعویٰ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

" وكان عمرؓ قضى به بحضرة الصحابة فلم ينكره منكر فكان اجماعا " (۳)

"چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیافہ شناس کے قول پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں فیصلہ کیا اور کسی نے ان پر انکار نہیں کیا اس لئے (اثباتِ نسب میں قیافہ شناس کے قول کے حجت ہونے) پر اجماع ہو گیا۔"

حافظ ابن قیمؒ کی رائے

موصوف قیافہ شناسی کی شرعی حیثیت کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ

" وقد دلت عليها سنة رسول الله ﷺ و عمل خلفائه الراشدين والصحابة من بعدهم منهم عمرؓ بن الخطاب و علي بن ابي طالب و أبو موسى الاشعريؓ وابن عباسؓ و أنس بن مالكؓ ولا مخالف لهم في الصحابة و قال بها التابعين ؛ سعيد بن المسيب و عطاء بن أبي رباح والزهري و أياس بن معاوية و قتادة و كعب بن سوار و من تابعي التابعين؛ ألليث بن سعد و مالك بن أنس وأصحابه وممن بعدهم ؛ ألشافعي وأصحابه واسحاق و أبو ثور و أهل الظاهر كلهم و بالجملة فهذا قول جمهور الأمة " (٤)

"(اثباتِ نسب میں) قیافہ شناسی کے حجت ہونے پر اللہ کے رسول ﷺ کی سنت بھی دلالت کرتی ہے اور خلفائے راشدین اور ان کے بعد دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل بھی اس کا مؤید ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے

---

(۱) الطرق الحكمية ، لابن القيم، ص ٢٥٤۔ حافظ ابن قیمؒ نے اس کی سند کو صحیح و متصل قرار دیا ہے۔

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الطرق الحكمية ، ص ٢٥٣، ٢٥٥۔ الموطأ، كتاب الاقضية، باب القضاء بالحاق الولد بأبيه، ح ٢٢، ح٢٣، ح ٢٤، ح ٢٥۔

(۳) المغنی ، ج٨ ص ٣٧٢۔ (٤) الطرق الحكمية ، ص ٢٥٢۔

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابوموسیٰ، حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنھم اسے حجت سمجھتے تھے اور کسی صحابی نے بھی ان کی اس بات پر مخالفت نہیں کی۔ پھر تابعین میں سے سعید بن میتب، عطا، زہری، ایاس بن معاویہ، قتادہ اور کعب بن سوارر حمھم اللہ بھی اسی کے قائل تھے۔ پھر تبع تابعین میں سے لیث بن سعدؒ، امام مالکؒ اور ان کے اصحاب اس کے قائل رہے اور ان کے بعد امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب اور اسحاقؒ، ابوثورؒ اور تمام اہل ظاہر اس کے قائل تھے۔ بالاختصار یہ کہ جمہور علماءِ امت کا یہی قول ہے"۔

۲۔ فوجداری جرائم میں قیافۃ الاثر کی شرعی حیثیت

قیافہ شناسی کی دوسری قسم قیافۃ الاثر ہے اور اس کی تعریف میں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ یہ ایک ایسا علم ہے جس میں جائے حادثہ پر پاؤں وغیرہ کے نشانات اور دیگر آثار و قرائن کی مدد سے مطلوب و مقصود تک رسائی حاصل کی جاتی ہے اس لئے اسے "قیافۃ الاثر" کہا جاتا ہے۔

کسی معاملہ کی گہرائی تک پہنچنے کے لئے آثار و قرائن کی اہمیت مسلمہ ہے لیکن یاد رہے کہ محض آثار و قرائن کی بنیاد پر ہر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قرائن، آثار، علامات، امارات و نشانات وغیرہ مجرم یا امر واقعہ کی معرفت و شناخت میں معاون ہوتے ہیں اس لئے انہیں حادثات و واقعات میں بنیادی طور پر 'معاون' ہی کی حیثیت دی جائے گی، البتہ اگر آثار و قرائن کے بعد مجرم خود اعتراف جرم کر لے تو پھر اقرار جرم کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے گا۔

اگر کوئی قرینہ قطعی و یقینی ہو تو کیا اس کی بنیاد پر اس طرح شرعی فیصلے کئے جا سکتے ہیں جس طرح 'عینی گواہوں' کی بنیاد پر کئے جاتے ہیں؟ اس بارے اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض اس کے حق میں اور بعض اس کے خلاف ہیں جب کہ بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ دیوانی مقدمات میں قطعی قرائن و آثار کی بنیاد پر فیصلے کئے جا سکتے ہیں مگر فوجداری مقدمات میں محض قرائن کی بنیاد پر حدود جاری کرنے سے اس وقت تک گریز کیا جائے گا جب تک کہ مجرم خود اعتراف جرم نہ کر لے یا پھر عینی گواہ میسر آ جائیں۔

شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ ماہر اور ذہین و فطین کھوجیوں، قیافہ دانوں، عمر رسیدہ تجربہ کاروں

حتیٰ کہ کھوجی کتوں اور دیگر جدید آلات سے مختلف حوادث میں استفادہ کیا جائے۔ درج ذیل دلائل وامثلہ سے اس کی توضیح کی جاتی ہے۔

پہلی دلیل

قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں مذکور ہے کہ ان کے بھائی انہیں کنویں میں پھینک آئے اور ان کی خون آلود قمیص لاکر اپنے باپ سے کہتے ہیں کہ

﴿ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِندَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَا أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ وَجَاءُوا عَلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴾ [سورة يوسف:۱۷، ۱۸]

''اور وہ کہنے لگے کہ اباجان! ہم تو آپس میں دوڑ میں لگ گئے اور یوسف کو ہم نے سامان کے پاس چھوڑ دیا پس اسے بھیڑیا کھا گیا، آپ تو ہماری بات نہیں مانیں گے، گو ہم بالکل سچے ہی ہیں اور وہ یوسف کے قمیص کو جھوٹ موٹ کے خون سے خون آلود بھی کر لائے تھے۔ باپ نے کہا یوں نہیں ہوا بلکہ تم نے اپنے جی سے ایک بات بنالی ہے لہٰذا صبر ہی بہتر ہے اور تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے''۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب اس خون آلود قمیص کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ اس میں کوئی چیڑ پھاڑ کے نشان نہیں بلکہ سارا کرتہ صحیح سالم ہے حالانکہ یہ ایک بدیہی امر تھا کہ اگر بھیڑیے۔ یوسف علیہ السلام کو کھایا ہوتا تو قمیص بالاولیٰ پھٹی ہوتی جبکہ قمیص کا سالم ہونا اس بات کا ثبوت بن گیا کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیے نے نہیں کھایا بلکہ اس کے بھائی جھوٹ بولتے ہیں۔ گویا اس علامت کی بنیاد حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ آثار وقرائن کی مدد سے حقائق کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ ایک مرتبہ پاکستان کے ایک معروف لیڈر نے سیاسی مفادات کے پیش نظر یہ دعویٰ کیا کہ حکومت کی طرف سے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا ہے، چنانچہ اِدھر انہیں ہسپتال پہنچا دیا گیا اور اُدھر تفتیشی ٹیموں نے جائے وقوعہ کا جائزہ لیا اور سراغ

---

(۱). دیکھیے: تفسیر قرطبی، بذیل آیت مذکورہ۔ الأکلیل فی استنباط التنزیل، للسیوطی، ص ۱۳۰۔ احکام القرآن، لابن العربی: ج۳ ص ۱۰۶۵۔

لگانے کے لیے خون کا سیمپل بھی لے لیا۔ بعد میں لیباٹری تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ انسانی خون نہیں بلکہ بکرے کا خون ہے......!

اسی طرح جب حضرت یوسف علیہ السلام پر عزیز مصر کی بیوی نے بدکاری کی تہمت لگائی تو قرائن و آثار کی بنیاد پر حضرت یوسف علیہ السلام کا صدق ثابت کیا گیا۔ (۱)

دوسری دلیل

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عکل اور عرینہ (قبائل) کے کچھ لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ آئے اور اسلام میں داخل ہو گئے پھر انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبیؐ! ہم لوگ مویشی رکھتے تھے۔ کھیت وغیرہ ہمارے پاس نہیں تھے۔ (اس لئے ہم صرف دودھ پر گزارا کیا کرتے تھے) چنانچہ انہیں مدینہ کی آب و ہوا نا موافق آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اونٹ اور ایک چرواہا ان کے ساتھ کر دیا اور فرمایا: ان اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیو۔ (تو تم صحت یاب ہو جاؤ گے)

وہ لوگ (چراگاہ کی طرف) نکلے حتیٰ کہ جب مقام حرہ کے قریب پہنچے تو اسلام سے پھر گئے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو لے کر بھاگ نکلے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے کچھ لوگوں کو دوڑایا (اور بالآخر یہ پکڑے گئے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں (کیونکہ انہوں نے بھی چرواہے کو اسی طرح قتل کیا تھا) اور انہیں حرہ کے کنارے پھینک دیا گیا حتیٰ کہ وہ اسی حالت میں مر گئے"۔ (۲)

مذکورہ روایت میں یہ بات قابل غور ہے کہ آپ نے ان مخبروں کو پکڑنے کے لئے ان کے پیچھے کچھ لوگوں کو روانہ کیا جبکہ دیگر روایات میں ہے کہ

"وعنده شباب من الأنصار قريب من عشرين فأرسلهم اليهم وبعث معهم قائفا يقتص اثرهم" (۳)

---

(۱) دیکھیے: سورۃ یوسف: آیات ۲۵ تا ۲۸۔

(۲) بخاری، کتاب المغازی، باب قصة عكل و عرينة، ح۴۱۹۲۔ مسلم، کتاب القسامة و المحاربین، ح۱۶۷۱۔ نسائی، ح۴۰۳۶۔

(۳) مسلم، کتاب القسامة، باب حكم المحاربين والمرتدين، ح۱۶۷، ۴۳۵۸۔

''(جب آپ ﷺ کے پاس چرواہے کے قتل کی خبر پہنچی تو اس وقت) آپ ﷺ کے پاس تقریباً بیس (۲۰) انصاری نوجوان تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں ان (مجرموں) کے تعاقب میں روانہ کیا اور ان کے ساتھ ایک قیافہ شناس بھی روانہ کیا جو ان (مجرموں) کے قدموں کے نشان تلاش کرتا تھا''۔

سنن ابی داؤد میں ہے کہ

"فبعث رسول الله ﷺ فی طلبهم قافة فأتی بهم"(۱)

''اللہ کے رسول ﷺ نے ان مجرموں کے تعاقب میں چند قیافہ شناس (بھی) روانہ کئے اور بالآخر ان مجرموں کو گرفتار کرلیا گیا''۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرموں کی سراغ رسانی کے لئے قیافہ دانوں اور کھوجیوں کی خدمات حاصل کرنا شرعاً درست ہے۔ حافظ ابن قیمؒ اس واقعہ کے بعد فرماتے ہیں کہ

"فدل علی اعتبار القافة والاعتماد علیها فی الجملة فاستدل بأثر الأقدام علی المطلوبین"(۲)

''حاصل کلام یہ ہے کہ اس واقعہ سے قیافہ دانوں کے معتبر و حجت ہونے اور ان پر اعتماد کرنے کی دلیل حاصل ہوتی ہے جیسا کہ قدموں کے نشانات سے مطلوبہ افراد پر استدلال کیا گیا ہے۔''

تیسری دلیل

عہدِ فاروقی میں ایک مرتبہ ایک عورت کسی نوجوان انصاری پر فریفتہ ہوگئی اور اسے بدکاری کی دعوت دینے لگی مگر اس انصاری شخص نے اسے موقع نہ دیا تو اس عورت نے یہ حیلہ کیا کہ ایک انڈہ لیا اور اس کی زردی ضائع کر کے اس کی سفیدی اپنے کپڑوں اور رانوں کے درمیان گرادی، پھر اسی حالت میں چیختی چلاتی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جا پہنچی اور کہنے لگی کہ فلاں شخص نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے اور یہ 'نشانات' اس کا بین ثبوت ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیگر عورتوں کو تحقیق کے لئے بلوایا۔ وہ عورتیں کہنے لگیں کہ ہاں اس کے جسم اور کپڑوں پر منی ہی کے نشانات ہیں۔ اب اس انصاری شخص کو گمان ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے سزا دیں گے، تو وہ

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب ماجاء فی المحاربة، ح۴۳۵۸۔

(۲) الطرق الحکمیة، ص۲۵۴۔

فریادرسی کرنے لگا کہ امیر المؤمنین! آپ میرے معاملہ میں توقف فرمائیں۔ اللہ کی قسم! میں نے نہ برائی کی ہے اور نہ ہی برائی کا ارادہ کیا بلکہ اس عورت نے مجھے ورغلانے کی کوشش کی تھی مگر میں گناہ پر آمادہ نہیں ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے ابوالحسنؓ! اس معاملہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کپڑوں کا جائزہ لیا، پھر گرم کھولتا ہوا پانی منگوایا اور کپڑے پر ڈالنے لگے۔ دریں اثناء وہ سفیدی (جسے منی سمجھا جارہا تھا اچانک) جمنا شروع ہوگئی۔ پھر حضرت علیؓ نے اسے اتارا اور سونگھنے کے بعد اس کا ذائقہ چکھا تو انہیں معلوم ہوگیا کہ یہ انڈے کا ذائقہ ہے۔ پھر انہوں نے اس عورت کی زجروتوبیخ کی تو اس عورت نے اپنی تہمت کا اعتراف کرلیا۔[1]

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ''یہاں ظاہری علامات پر فیصلہ موقوف کیا گیا ہے اس لئے کہ منی کو آگ کی حرارت پگھلا کر مضمحل کردیتی ہے جبکہ انڈے کی سفیدی اس حرارت سے جامد ہوجاتی ہے''۔[2]

چوتھی دلیل

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نوجوان کی لاش لائی گئی جسے کسی نے قتل کرکے راستے میں پھینک دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاملے میں کافی بھاگ دوڑ کی لیکن قاتلوں کا سراغ تک نہ ملا اور آپؓ پر یہ معاملہ بڑا مشکل ہوگیا۔ آپؓ نے دعا مانگی: یا اللہ! مجھے اس کے قاتل تک پہنچنے میں کامیابی عطا فرما۔ پھر ایک سال کے بعد عین اسی جگہ ایک نومولود بچہ ملا جہاں سے مقتول ملا تھا۔ اس بچے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر اللہ نے چاہا تو اب میں مقتول کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔

حضرت عمرؓ نے وہ بچہ ایک عورت کے سپرد کردیا کہ وہ اس کی پرورش کرے اور بیت المال سے اس کا خرچہ وصول کرے اور اسے سمجھا دیا کہ اگر کوئی شخص تم سے یہ بچہ منگوائے تو اسے پہچان لینا اور اگر کوئی عورت تم سے یہ بچہ حاصل کرکے اس سے (بہت زیادہ) پیار کرے تو اس عورت کا پتہ مجھے بتادینا۔ یہ بچہ اس عورت کے پاس پرورش پانے لگا حتیٰ کہ ایک لونڈی آئی اور اس عورت سے کہنے لگی کہ میری مالکہ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ میں اس بچے کو تھوڑی دیر کے لئے اپنی مالکہ کے پاس لے جاؤں۔ پھر میں اسے تمہارے پاس واپس لے آؤں گی۔ اس عورت نے کہا کہ بالکل لے جاؤ لیکن میں بھی تمہارے ساتھ تمہاری مالکہ کے ہاں جاؤں گی۔ چنانچہ وہ عورت اس بچے کو لے کر اس باندی کے ساتھ اس کی مالکہ کے پاس چلے گئی۔

(۱) الطرق الحکمیۃ، ص ۵٦۔ (۲) ایضاً۔

اس مالکہ نے جب اس بچے کو دیکھا تو اسے اپنے سینہ سے لگا لیا اور خوب پیار کرنے لگی اور معلوم ہوا کہ یہ کسی انصاری صحابی کی بیٹی ہے۔ پھر بچہ کی نگہداشت کرنے والی عورت نے حضرت عمر کو اس معاملے کی خبر دی تو حضرت عمرؓ نے اپنی تلوار پکڑی اور اس عورت (مالکہ) کے گھر جا پہنچے۔ اس مالکہ کا باپ گھر کے دروازے کے پاس آرام کر رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے باپ سے پوچھا کہ تمہاری فلاں بیٹی کیسی ہے؟

اس نے کہا: امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ اسے اجر کثیر سے نوازے وہ تو بڑی نیک، دیندار، صوم وصلوٰۃ کی پابند اور اللہ تعالیٰ اور والدین کے حقوق کا بڑا لحاظ رکھنے والی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اسے مزید نیکی کی نصیحت کروں۔

اجازت پانے کے بعد حضرت عمرؓ نے اس عورت کو بالکل الگ کر لیا اور اپنی تلوار سونتے ہوئے کہا کہ "سچ سچ بات بتانا وگرنہ تمہاری گردن کاٹ دوں گا"۔ چونکہ حضرت عمر جھوٹ نہیں بولتے تھے اس لئے اس عورت نے کہا: "بخدا! میں آپ کو سچ سچ بتا دیتی ہوں۔ دراصل ایک بڑھیا میرے پاس آیا جایا کرتی تھی جس نے مجھے اپنی بیٹی کا اور میں نے اسے ماں کا درجہ دے رکھا تھا۔ ایک مرتبہ وہ آ کر کہنے لگی کہ مجھے ایک سفر پر جانا ہے اور میری نوجوان بیٹی اکیلی ہے، میں اسے تمہارے پاس چھوڑ کر جانا چاہتی ہوں تاوقتیکہ میں سفر سے واپس آ جاؤں۔ لیکن وہ لڑکی نہیں بلکہ نوخیز لڑکا تھا۔ البتہ اس کی چال ڈھال لڑکیوں جیسی تھی اور جب وہ اسے میرے پاس چھوڑ گئی تو میں اسے لڑکی ہی سمجھتی رہی اور وہ بھی میرے ساتھ اسی طرح بات چیت کرتا جس طرح لڑکیاں آپس میں کرتی ہیں۔ ایک دن میں سوئی ہوئی تھی کہ اس نے میرے ساتھ مباشرت کر ڈالی، تو میں نے ایک چھری کے ساتھ اسے قتل کر کے وہاں پھینک ڈالا جہاں سے آپ کو وہ مقتول ملا تھا۔ پھر اس کی مباشرت سے یہ بچہ پیدا ہوا جسے میں نے اسی کے زانی باپ والی جگہ جا پھینکا۔ اللہ کی قسم! ان دونوں کا یہی معاملہ ہے"۔

حضرت عمرؓ نے ساری بات سن کر فرمایا کہ "تم نے واقعی سچ بولا ہے" اور پھر اسے کچھ نصیحت کی اور دعا دے کر باہر تشریف لے آئے اور اس کے باپ سے کہنے لگے کہ "تمہاری بیٹی واقعی بہت نیک ہے" پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس لوٹ آئے۔ [1]

---

(۱) الطرق الحکمیة، ص ۳۳، ۳۴۔

۳۔ دیوانی مقدمات میں قیافہ شناسی کی شرعی حیثیت

جس طرح فوجداری جرائم میں قیافہ دانوں اور کھوجیوں کی خدمات حاصل کرنا شرعاً جائز ہے اسی طرح دیوانی مقدمات میں بھی ان کی مدد لی جاسکتی ہے۔اس سلسلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں کہ

''جس طرح کسی گمشدہ چیز پر دو آدمی مدعی ہوں تو اس چیز کے صحیح اوصاف بتانے والے کے حق میں ہم فیصلہ دیں گے اور یہ قیافہ سے ملتی جلتی صورت ہے۔اسی طرح اگر دو آدمی کسی پودے یا کھجور کے بارے میں جھگڑا کریں جبکہ وہ ان دونوں کے ہاتھ (قبضہ) میں ہو تو اس جھگڑے کا فیصلہ اہل خبرہ (یعنی کھوجی یا قیافہ شناس یا ماہرفن یا صاحب فہم وفراست) لوگ کریں گے۔اسی طرح جیسے نسب کے جھگڑے میں قیافہ شناسوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے ویسے ہی دیگر مقدمات ومعاملات میں ان کی طرف رجوع کیا جائے گا اور یہ اس وقت ہوگا جب مدعی برابر درجہ کے ہوں''۔[۱]

دیوانی مقدمات کے سلسلہ میں جن شرعی دلائل کو پیش کیا جاتا ہے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

پہلی دلیل

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ بدر میں، میں صف میں کھڑا تھا کہ میں نے اپنے دائیں اور بائیں قبیلہ انصار کے دو نوعمر لڑکے کھڑے تھے۔میں نے آرزو کی کہ کاش! میں ان سے زبردست (اور زیادہ) عمر والوں کے درمیان ہوتا۔ایک لڑکے نے میری طرف اشارہ کیا اور پوچھا چچا جان! آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں! لیکن بیٹا تم لوگوں کو اس سے کیا سروکار؟ لڑکے نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے۔قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر وہ مجھے مل گیا تو اس وقت تک میں اس سے جدا نہیں ہوں گا جب تک کہ ہم میں سے کوئی ایک جس کی قسمت میں پہلے مرنا ہوگا، مرنہ جائے۔(ابن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) مجھے اس پر بڑی حیرت ہوئی۔ پھر دوسرے لڑکے نے مجھے اشارہ کیا اور وہی باتیں اس نے بھی کہیں۔ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ مجھے ابوجہل دکھائی دیا جو لوگوں (کفار کے لشکر) میں گھومتا پھر رہا تھا۔میں نے ان لڑکوں سے کہا کہ جس کے

---

(۱) الفتاویٰ الکبریٰ، ج ۵ ص ۵۰۹۔

متعلق تم مجھ سے پوچھ رہے تھے، وہ سامنے (نظر آرہا) ہے۔ دونوں نے اپنی تلواریں سونتیں اور اس پر جھپٹ پڑے اور حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو اس کے قتل کی خبر دی۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ "تم دونوں میں سے کس نے اسے مارا ہے؟" دونوں لڑکوں میں سے ہر ایک نے کہا کہ "میں نے اسے مارا ہے"۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ "تم نے اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں؟" انہوں نے عرض کیا کہ "نہیں"۔ تو آپ ﷺ نے ان دونوں کی تلواروں کو دیکھا اور فرمایا کہ "تم دونوں ہی نے اسے مارا ہے"۔ پھر آپ ﷺ نے اس (مقتول) کا سارا سامان معاذ بن عمرو بن جموع کو دے دیا۔ یہ دونوں نوجوان معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو بن جموع تھے"۔ (۱)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتول کافر کا مالِ غنیمت اسے دیا جائے گا جس نے اسے قتل کیا ہو جیسا کہ ایک روایت میں ہے:

((مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ)) (۲)

"جس نے کسی کافر کو قتل کیا اور اس کا ثبوت بھی بہم پہنچا دیا تو اس مقتول کا مال اسی قاتل کو ملے گا۔"

اس لحاظ سے ابوجہل کا مالِ غنیمت ان دونوں نوجوانوں میں سے کسی ایک یا پھر دونوں کا حق قرار پاتا تھا۔ اب اس فیصلے کے لئے نبی کریم ﷺ نے آثار و علامات کو بنیاد بناتے ہوئے ان دونوں کی تلواروں کا جائزہ لیا اور آپ ﷺ اس نتیجہ پہنچے کہ ان دونوں ہی نے ابوجہل کو قتل کیا ہے، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ

((كِلاَكُمَا قَتَلَهُ))

"یعنی تم دونوں نے اس بد بخت کو مارا ہے"۔ (۳)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت معوذؓ و معاذؓ دونوں کی تلواروں پر لگے خون کے آثار سے آنحضرت ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں نے اسے برابر قتل کیا ہے تو پھر مالِ غنیمت صرف ایک کو کیوں دیا بلکہ اسے دونوں میں برابر تقسیم کرنا چاہئے تھا؟

شارحینِ حدیث نے اس سوال کا ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب فرض الخمس، باب من لم یخمس الاسلاب و من قتل قتیلا فله سلبه، ح ۳۱۴۱۔

(۲) بخاری، کتاب فرض الخمس، ح ۳۱۴۲۔ مسلم، ح ۱۷۵۱۔ ابو داؤد، ح ۲۷۱۷۔ ترمذی، ح ۱۵۶۲۔

(۳) دیکھیے: فتح الباری، ج ۶ ص ۲۴۸۔

''معاذ بن عمرو نے چونکہ ابو جہل کو قتل کرنے میں زیادہ کام دکھایا تھا، اس لئے اسے ہی آپ ﷺ نے مالِ غنیمت عنایت فرمایا۔ جبکہ اس سے زیادہ بہتر جواب یہ ہے کہ مالِ غنیمت میں واقعی معوذؓ و معاذؓ دونوں کا حصہ بنتا تھا مگر آپ ﷺ نے صرف حضرت معاذؓ ہی کو مالِ غنیمت اس لئے دیا تھا کہ ''حضرت معوذؓ اس معرکے میں شہید ہو گئے تھے''۔ (۱)

دوسری دلیل

ابراہیم بن مرزوق بصری بیان کرتے ہیں کہ

''دو آدمی حضرت ایاس بن معاویہ کے پاس آئے اور ان دونوں کا دو چادروں کے بارے میں جھگڑا تھا جن میں سے ایک چادر سرخ اور دوسری سبز تھی۔ ایک نے کہا کہ میں غسل کے لئے حوض میں داخل ہوا تو میں نے اپنی چادر (ایک طرف) رکھ دی۔ پھر یہ شخص آیا اور اس نے اپنی چادر میری چادر کے نیچے رکھ دی اور غسل کرنے لگا۔ پھر یہ مجھ سے پہلے فارغ ہو کر نکلا اور میری چادر اٹھا کر چلتا بنا جبکہ میں نے حوض سے نکل کر اس کا تعاقب کیا تو یہ کہنے لگا کہ یہ میری چادر ہے۔ ایاس نے اس سے پوچھا کہ تیرے پاس کوئی دلیل ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ تو ایاس نے کہا ایک کنگھی لاؤ۔ کنگھی لائی گی اور یکے بعد دیگرے دونوں کے سروں پر کنگھی کی گئی تو ایک کے سر سے سرخ اون جبکہ دوسرے کے سر سے سبز اون نکلی تو حضرت ایاس رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو سرخ چادر دے دی جس کے سر سے سرخ اون نکلی تھی جبکہ دوسرے کو سبز چادر دی جس کے سر سے سبز اون نکلی تھی''۔ (۲)

قیافۃ الاثر سے متعلقہ ایک اور واقعہ

حافظ ابن قیمؒ نے قیافہ شناسی کے سلسلہ میں ایک اہم واقعہ ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

''کعب بن سوار جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے قاضی نامزد تھے، ان کے پاس دو عورتیں ایک جھگڑا لے کر حاضر ہوئیں۔ ان دونوں کے پاس اپنا اپنا ایک بچہ تھا۔ دونوں میں جھگڑا ہوا اور ایک نے دوسری عورت کا بچہ مار ڈالا۔ پھر باقی بچنے والے دوسرے بچے پر ان کا جھگڑا شروع ہو گیا۔ ایک کہتی تھی کہ مقتول بچہ اس کا تھا اور زندہ بچ جانے والا یہ بچہ میرا ہے جبکہ دوسری عورت کا دعویٰ یہ تھا کہ باقی بچنے والا بچہ میرا ہے۔ حضرت

---

(۱) فتح الباری، ج۷ص۲۹۶۔ (۲) الطرق الحکمیۃ، ص۳۸۔

کعب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں حضرت سلیمان بن داوٗد علیہ السلام کی طرح اتنا ذہین و فطین تو نہیں[1]، پھر انہوں نے کیچڑ منگوا کر زمین پر پھیلا دیا اور دونوں عورتوں کو حکم دیا کہ اس کیچڑ سے گزریں۔ چنانچہ وہ دونوں عورتیں ننگے پاؤں اس کیچڑ سے گزریں پھر اس بچے کو اس کیچڑ پر سے گزارا گیا اور اس کے بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے ایک ماہر قیافہ شناس طلب کیا اور اسے کہا کہ اس بچے کے پاؤں کے نشانات اور دونوں عورتوں کے پاؤں کے نشانات دیکھ کر یہ فیصلہ کرو کہ اس کی مشابہت کس کے ساتھ ہے؟ چنانچہ قیافہ شناس نے بچے کے پاؤں کے نشانات کو ان میں سے ایک عورت کے پاؤں کے نشانات کے مماثل قرار دیا اور حضرت کعب نے اس بنیاد پر وہ بچہ اسی عورت کے حوالے کر دیا جس کے پاؤں اس کے مشابہ تھے۔[2]

قیافہ شناسی کی بنیاد

دراصل اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اربوں کھربوں انسان پیدا کیے ہیں اور تا قیامت نامعلوم تعداد تک لوگ پیدا ہوتے رہیں گے لیکن یہ اس مالک الملک کی قدرتِ کاملہ ہے کہ ہر انسان دوسرے سے مختلف اور ممتاز ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک شخص کائنات میں پھیلے ہوئے اربوں انسانوں میں سے کسی دوسرے کے مشابہ نہیں ہوتا بلکہ دو جڑواں بھائی بھی اہل خانہ کے نزدیک الگ الگ پہچان لئے جاتے ہیں لیکن اہل خانہ کے علاوہ دیگر لوگوں کے لئے ان کو پہچاننا قدرے مشکل بلکہ بسا اوقات ناممکن بھی ہو جاتا ہے جبکہ اہل خانہ کے نزدیک ان کی پہچان میں ذرا بھی مشکل نہیں ہوتی۔

اسی طرح ایک نسل یا ملک اور خطے کے لوگ شکل وصورت، رنگت اور عادات وغیرہ میں ایک جیسے ہوتے

---

(۱) انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا حوالہ اس لئے دیا کہ ایک مرتبہ دو عورتوں کا ایک بچے کے بارے میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ ہر ایک دعویٰ تھا کہ وہ بچہ اس کا ہے تو حضرت سلیمان نے اس کی تحقیق کے لئے اپنی خداداد فہم وفراست کو اس طرح استعمال کیا کہ جلاد کو حکم دیا کہ اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں عورتوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دو۔
یہ حکم سن کر بچے کی حقیقی ماں کی ممتا نے جوش مارا اور وہ چیخ و پکار کرتے ہوئے کہنے لگی کہ نہیں نہیں بچے کے دو ٹکڑے نہ کرو اور یہ زندہ ہی دوسری عورت کو دے دو، میں اس کا مطالبہ نہیں کرتی جبکہ اس کے برعکس دوسری عورت حضرت سلیمان کے اس فیصلہ پر خاموش رہی تو اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اندازہ ہو گیا کہ بچے کی زندگی بچانے اور اپنا دعویٰ چھوڑنے والی عورت ہی اصل میں بچے کی ماں ہے۔ چنانچہ آپ نے وہ بچہ اسی عورت (یعنی حقیقی ماں) کے حوالے کر دیا''۔ دیکھیے: صحیح البخاری، کتاب الفرائض، ح ۶۷۶۹۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ۔

(۲) الطرق الحکمیہ، ص ۷۸۔

ہیں مگر متعلقہ نسل یا خطے کے لوگوں میں سے کوئی فرد دوسرے کو پہچاننے میں غلطی کا شکار نہیں ہوتا لیکن دوسری نسل، ملک یا خطے کے لوگ انہیں پہچاننے میں مشکلات کا شکار ہوتے ہیں مثلاً پٹھان، افغان، ترک، چینی، جاپانی یا سوڈانی (حبشی) وغیرہ میں سے کسی ایک نسل کے 10 یا 20 مختلف افراد کو آپ مختلف اوقات میں الگ الگ دیکھیں تو آپ ان سب کو تقریباً ایک ہی شخص خیال کریں گے جبکہ اسی نسل سے تعلق رکھنے والے کسی شخص کو آپ اپنی جگہ کھڑا کر کے یہی مشاہدہ کروائیں تو وہ بیس کے بیس افراد کے بارے میں بتا دے گا کہ ان میں کیا کیا اور کہاں کہاں فرق ہے......!

مذکورہ مثال سے راقم یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نسل، ہر قبیلے اور خاندان میں اس طرح کا سلسلہ رکھا ہے کہ کوئی بھی ذہین و فطین شخص مختلف آثار و قرائن سے اسے پہچان سکتا ہے اور قیافہ شناس حقیقت میں اس طرح کے کسی انتہائی ذہین و فطین شخص ہی کو کہا جاتا ہے جو مختلف شخصیتوں کے مابین چند ظاہری مماثلت رکھنے والے خدوخال وغیرہ سے یہ معلوم کر لیتا ہے کہ یہ شخص (یا بچہ) کس خاندان (یا شخص) کا ہے۔

قیافہ شناسی کی بعض ناجائز اور بے تکی صورتیں

قیافہ شناسی کی حقیقت وہی ہے جو پیچھے بیان ہو چکی، لیکن کچھ کاہنوں اور عاملوں نے تکے بازیوں کی بنیاد پر علم قیافہ کی دو قسمیں کر رکھی ہیں۔ ایک کا تعلق صرف چہرے کی شکل و صورت اور خدوخال پر موقوف کیا جاتا ہے جسے 'چہرہ شناسی' یا 'چہروں سے قسمت کا حال معلوم کرنا' بھی کہا جاتا ہے جبکہ دوسری صورت کا تعلق مجموعی طور پر انسان کے سارے جسم، قد، دبلے بدن، یا موٹاپے وغیرہ سے جوڑا جاتا ہے۔

چہرہ شناسی کے حوالے سے ان عاملوں اور کاہنوں کی درج ذیل باتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے:

۱)......جس شخص کے ناک، نتھنے اور ماتھا تقریباً برابر (چپٹا ہوا) ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ کسی اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ عقلمند ہے، کھیل اور پڑھائی میں یکساں حصہ لیتا ہے، اس کی شادی اور پھر اولاد ہوگی۔

۲)......جس شخص کا ماتھا، ناک یا ٹھوڑی سے بہت چھوٹا ہو اور ناک چہرے کے درمیان تک چلی جائے تو وہ شخص خرد ماغ، بے وقوف اور کاہل وجود ہوگا۔

۳)......لمبی ناک، بہادری اور دلیری کی نشانی ہے۔

۴)......چھوٹی ناک والے کو لوگ اہمیت نہیں دیتے۔

۵)......چھوٹی آنکھیں بے غیرت اور ظالم ہونے کی علامت ہیں۔

۶)......زیادہ جھکنے والی آنکھیں تنگ دل اور کمزور دل ہوتی ہیں۔

۷)......چھوٹے کان والا انسان بہت اچھا رہتا ہے لیکن زیادہ چھوٹے کانوں والا بزدل، کمینہ ہوتا ہے۔

۸)......لمبے کانوں والا اچھا انسان ہوتا ہے۔

۹)......گہرے بھورے بال دلیری اور جرأت کا نشان ہیں۔

۱۰)......لمبے بالوں والے مرد وزن عجیب طبیعت کے مالک اور ہوائی قلعے بنانے والے ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا تمام باتیں فضول اور حقائق و واقعات کے برعکس ہیں۔اسی طرح ان عاملوں نے پورے جسمانی خدوخال کی بنیاد پر کچھ جھوٹی پیشگوئیاں بھی کر رکھی ہیں، وہ بھی ذرا ملاحظہ فرمالیں:

۱)......جس شخص کا سر بڑا اور گول ہوتا ہے، وہ اپنے ارادوں میں پختہ خیال ہوتا ہے۔علاوہ ازیں وہ دیانت دار، نیک خصلت، صاحبِ مروت اور دولت مند ہوتا ہے۔

۲)......جس آدمی کا سر بڑا اور لمبا ہوتا ہے وہ بے وقوف، کم عقل، کمزور اور حاسد ہوتا ہے۔

۳)......فراخ پیشانی والا شخص صاحب علم ودانش ہوتا ہے۔

۴)......ناہموار اور بے اعتدال پیشانی والا آدمی ہمیشہ رنج ومصیبت میں رہتا ہے۔

۵)......جس شخص کا چہرہ زیادہ پر گوشت ہو تو وہ زندہ دل اور فیاض ہوتا ہے اور سب لوگ اس میں دلچسپی رکھتے اور اس سے ملتے ہیں۔

۶)......جس شخص کی گردن پتلی ہو وہ دانا اور عقلمند ہوتا ہے۔

۷)......موٹی گردن والا بد بخت ہوتا ہے۔

۸)......جس کے بازو لمبے ہوتے ہیں وہ بہادر اور جس کے بازو چھوٹے ہوں وہ ماتحت اور غلام ہوتا ہے۔

۹)......جس کا دایاں ہاتھ بائیں سے لمبا ہو تو یہ بہادری کی نشانی ہے اور اس کے برعکس بزدلی کی علامت ہوتی ہے۔

۱۰)......جس شخص کی آٹھ پسلیاں ہوں وہ صاحبِ سلطنت ہوتا ہے، جس کی نو یا دس پسلیاں ہوں وہ فقیر اور

درویش اور جس کی گیارہ پسلیاں ہوں، وہ زاہد و متقی اور جس کی بارہ پسلیاں ہوں وہ مصیبت زدہ اور تیرہ پسلیوں والا دولتمند اور چودہ پسلیوں والا بدکار اور بداخلاق ہوتا ہے۔

یہ تمام علامتیں بھی اٹکل پچو اور اندازے ہیں جن میں سے اکثر و بیشتر حقائق و مشاہدات کے سراسر خلاف ہیں۔ اس لئے ان علامتوں کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

اسی طرح تقریباً ہر انسان کے جسم پر کہیں نہ کہیں کالے رنگ کے چھوٹے چھوٹے نشان ہوتے ہیں جنہیں 'تل' کہا جاتا ہے۔ یہ تل انسانی ساخت میں شروع سے ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے بال اور مسام وغیرہ ہوتے ہیں جبکہ بعض احمق لوگوں نے انہیں بھی قسمت کا راز داں بنا دیا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ

۱)......جس شخص کی داہنی کن پٹی پر تل ہوگا، وہ بڑا دولتمند اور خوش قسمت ہوگا۔

۲)......جس شخص کی پیشانی کے درمیان بالوں کے قریب تل ہوگا، وہ تنگ مزاج ہوگا اور اگر عورت ہو تو وہ صدموں اور مصیبتوں کا شکار رہتی ہے۔

۳)......جس شخص کا تل سیاہ ہوگا وہ جھوٹا ہوگا اور جس کا تل سرخ ہوگا وہ بڑا صاحب بصیرت ہوگا۔

۴)......جس شخص کے داہنے یا بائیں رخسار پر تل ہوگا وہ قسمت کے لحاظ سے درمیانے درجے کا ہوگا۔

۵)......جس شخص کی گردن کے دونوں طرف تل ہو وہ پھانسی کی موت مرے گا۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ سب واہیات وفضولیات اور اٹکل پچو ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی توہمانہ باتوں سے محفوظ فرمائے، آمین!

......☆......

باب ۷

دست شناسی/Palmistry

جاہل اور وہمی قسم کے لوگوں میں دست شناسی (پامسٹری) کو غیب دانی اور مستقبل بینی کا ایک بہت بڑا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔ پیشہ ور دست شناس (پامسٹ/Palmist) حضرات تو اسے ایک سائنٹیفک علم ثابت کرتے نہیں تھکتے۔ یہ لوگوں کے ہاتھوں کی لکیریں دیکھ کر ان کے ماضی اور اخلاق و کردار کے بارے میں یا ان کے مستقبل اور قسمت کے بارے میں غیبی معلومات کا دعویٰ کرتے ہیں اور مستقبل کے حوالے سے پیش گوئیاں بھی کرتے ہیں۔

پامسٹ حضرات کا کہنا ہے کہ انسان کے ایک ہاتھ کی لکیروں میں اس کے ماضی کا ریکارڈ ہوتا ہے، دوسرے میں مستقبل کا اور دونوں کو ملا کر دیکھنے سے اس کے سیرت و کردار کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا واقعی دست شناسی کے حوالے سے یہ بات درست ہے؟ اگر درست ہے تو کس بنیاد پر؟ اور بحیثیتِ مسلمان کیا ہمیں اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس کے ثبوت کے لیے قرآن و حدیث سے کوئی دلیل مانگیں؟

دست شناس تو قرآن و حدیث کے حوالے سے اپنے حق میں ہمیں کوئی دلیل نہیں دیتے مگر جب ہم اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان دست شناسوں کے موقف کے خلاف بے شمار دلائل ملتے ہیں مثلاً قرآن مجید میں بارہا یہ کہا گیا کہ غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔ تقدیر اور قسمت اللہ نے طے کر رکھی ہے اور اس کا علم بھی کسی کے پاس نہیں۔ لہٰذا اگر ہاتھوں کی لکیروں میں ماضی یا مستقبل کی کسی غیبی بات کا اشارہ ہوتا تو اللہ کے آخری پیغمبرؐ، جن پر دین مکمل کر دیا گیا، وہ ضرور اس بارے میں ہمیں کچھ نہ کچھ بتا دیتے۔ مگر آپ ﷺ نے اس کی تائید میں امت کو کچھ نہیں بتایا بلکہ ایسے لوگوں کے پاس جانے ہی سے سخت منع فرمایا ہے۔ [ایسی احادیث ہم آگے ذکر کریں گے۔]

دست شناسوں کے دلائل

جب دست شناسوں سے اس پہلو سے بات کی جاتی ہے تو ان کے پاس سوائے چند ٹوٹکوں کے کوئی معقول و مستند جواب نہیں ہوتا۔ دست شناس اپنے علم (پامسٹری) کے جواز میں جو دلائل دیتے ہیں، وہ بنیادی طور پر دو ہی ہیں۔

۱)......ایک تو یہ کہ ان کے بقول دست شناسی مشاہداتی اور سائنسی علم ہے۔ جس طرح بہت سے سائنسی علوم بحیثیت علم اسلام آنے کے بہت بعد معلوم ہوئے ہیں، اسی طرح یہ علم بھی بار ہا مشاہدات کے بعد معلوم کیا گیا ہے۔ اور اس کے سائنٹیفک ہونے کی دلیل وہ مشاہدات ہیں جو ہاتھوں کی لکیروں اور ان کے ابھاروں کی بنیاد پر بار ہا کیے گئے اور (دست شناسوں کے بقول) بے شمار مرتبہ درست ثابت ہوئے ہیں۔

دست شناسی کو سائنٹیفک علم قرار دینے کی یہ دلیل اتنی کمزور ہے کہ خود بہت سے دست شناسوں نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ واقعتاً کوئی سائنسی علم ہوتا تو اس کے اصول وضوابط اور نتائج ہمیشہ ایک سے ہوتے اور سب دست شناس انہیں من وعن تسلیم کرتے، مگر دست شناسی کی دنیا میں ایسا نہیں ہے۔ دست شناسوں کے ہاں کئی مکتب فکر ہیں، ہر ایک کے اصول وضوابط دوسرے سے مختلف ہیں اور ظاہر ہے جب اصول وضوابط مختلف ہوں گے تو نتائج بھی مختلف ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دست شناس کے ہاں ایک لکیر اگر فرض کیا خوش قسمتی کی علامت ہے تو دوسرے کے ہاں وہی بد قسمتی کی علامت ثابت ہو رہی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی اسے سائنٹیفک علم قرار دینے پر مصر ہو تو اس کی سوچ پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔

۲)...... پامسٹری سے تعلق رکھنے والے حضرات اپنی حمایت میں دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ہاتھوں پر جو خطوط اور لکیریں پیدا کی ہیں یہ بلا مقصد پیدا نہیں کی گئیں کیونکہ اللہ کا کوئی کام بھی بلا مقصد اور فضول نہیں ہوتا۔ پھر خود ہی ان لکیروں کا مقصد تجویز کرتے ہوئے پامسٹ حضرات کہتے ہیں کہ ان لکیروں کو اس لیے بنایا گیا ہے تاکہ ان کے ذریعے ماضی، مستقبل اور قسمت و تقدیر کے بارے میں معلوم کر لیا جائے۔

دست شناس حضرات کے اس استدلال سے یہاں ایک بڑا اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہاتھوں کے خطوط اور اُبھار انسانی قسمت کے رموز و اشارات ہیں تو جسم کے دیگر حصوں پر موجود خطوط اور لکیروں سے یہ

کام کیوں نہیں لیا جاتا؟ مثلاً پاؤں پر بھی خطوط ہوتے ہیں، دست شناس ان سے کیوں نہیں کام لیتے؟ کیا دست شناسوں کے نزدیک پاؤں کے خطوط، لکیریں اور ابھار، اللہ تعالیٰ نے بلا مقصد پیدا کیے ہیں؟

کوئی پتہ نہیں کہ یہ بے وقوف آئندہ زمانے میں 'ماہر دست شناس' کی جگہ 'ماہر قدم شناس' اور 'ہاتھ بولتے ہیں' کی جگہ 'پاؤں بولتے ہیں' کے بورڈ بھی آویزاں کرلیں اور جس طرح انہوں نے 'دست شناسی' میں تخمینے اور اندازے قائم کر رکھے ہیں اسی طرح 'قدم شناسی' کے نام سے پاؤں کے خطوط اور لکیروں کو بھی انسانی قسمت کا 'رازداں' قرار دینا شروع کردیں۔ بلکہ سنا ہے کہ بعض لوگوں نے یہ کام بھی شروع کردیا ہے!

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کسی چیز کو بھی بلا مقصد پیدا نہیں کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض چیزوں کی حکمتیں اور مقاصد ہمیں معلوم کروا دیئے ہیں اور بعض ہم سے مخفی رکھے گئے ہیں۔ ہاتھوں کی لکیریں اور خطوط بھی انہی امور سے تعلق رکھتے ہیں جن کے بارے میں شریعت خاموش ہے۔ البتہ اگر غور کیا جائے تو ان کی کئی ایک فیزی کلی (Physically) حکمتیں معلوم ہوتی ہیں مثلاً ہاتھ سے جس طرح کے کام لیے جاتے ہیں، ان میں اسے بارہا کھولنا اور بند کرنا پڑتا ہے اور ہاتھوں کی لکیریں اس مقصد کے لیے کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔

دست شناسی جھوٹ، فریب اور کبیرہ گناہ!

گزشتہ نصف صدی میں دست شناسی کے حوالے سے بے شمار کتابیں مارکیٹ میں آئی ہیں جن میں ہاتھوں کی لکیروں اور ابھاروں کے ساتھ مال و دولت، مرض و صحت، فرحت و مسرت، شادی و طلاق، خوش بختی و بدبختی وغیرہ جیسے غیبی اور تقدیر سے متعلقہ معاملات کو اپنے زعم باطل میں قطعی طور پر مربوط کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور نشاندہی کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ فلاں فلاں خطوط اور اُبھار فلاں فلاں معاملات کے لئے یقینی اور حتمی علامتوں کا کردار ادا کرتے ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ سب جھوٹ اور فریب ہے اور ایک لحاظ سے کبیرہ گناہ بھی۔ اس کے جھوٹا ہونے کے ہمارے پاس تین طرح کے دلائل ہیں جو ذیل میں بالترتیب پیش کیے جا رہے ہیں۔

۱)......پہلی دلیل

اگر انسانی ہاتھ کی لکیروں، خطوط اور اُبھاروں میں ہی انسانی قسمت اور تقدیر مخفی ہوتی تو اسلامی شریعت اس

کی طرف ضرور ہماری رہنمائی کرتی لیکن پورے قرآن مجید اور مکمل ذخیرہ اَحادیث میں ایسی کوئی ایک آیت یا حدیث دکھائی نہیں دیتی جس میں دست شناسی کے حصول کی رغبت یا اس کے فائدے کی طرف کوئی اشارہ ہی ملتا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینِ عظامؒ، محدثین و مفسرین کرامؒ میں سے کسی ایک شخصیت کے بارے میں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے کسی کا ہاتھ دیکھ کر یا اپنا ہاتھ دکھا کر کسی غیبی معاملے تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی ہو۔ اس لئے اگر دست شناسی واقعی کوئی شرعی اور مستند علم ہوتا تو کم از کم نبیوں کے سردار پیغمبر جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو اس سے ہرگز محروم نہ رکھا جاتا......!

۲)......دوسری دلیل

دست شناسی کوئی مشاہداتی، تجرباتی یا سائنسی علم بھی ہرگز نہیں کیونکہ مشاہداتی علم وہ ہوتا ہے جس میں ہر بار مشاہدہ و تجربہ ایک ہی نتیجہ پیدا کرتا ہے حتیٰ کہ اگر ایک جیسی خاصیات کی حامل مختلف چیزوں کے بارے میں سو تجربات کیے جائیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے اصولوں اور نتیجوں سے ہٹ جائے تو اسے سائنسی علم قرار نہیں دیا جاتا۔

اس لحاظ سے اگر جائزہ لیا جائے تو دست شناسوں کی تضاد بیانیاں ہی یہ واضح کر دیتی ہیں کہ ان کا علم محض اندازوں اور تخمینوں پر مبنی ہے اور اس میں دو جمع دو، برابر چار، والی کوئی بات نہیں۔ پامسٹ حضرات کے پاس جانے اور پامسٹری سے متعلقہ کتابوں کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت آشکارا کی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ تو کسی پامسٹ کا بیان سو فیصد دوسرے پامسٹ سے ملتا ہے اور نہ ہی پامسٹری پر لکھنے والے کسی ایک مصنف کی باتیں دوسرے سے میل کھاتی ہیں بلکہ بہت سی باتیں تو واضح طور پر متضاد اور متناقض ہوتی ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک مثال ملاحظہ ہو۔

چوکور ہاتھ کے بارے میں ایک دست شناس صاحب رقمطراز ہیں کہ

''یہ ہاتھ ایک موجد اور مشین ایجاد کرنے والے کے ہاتھ ہوتے ہیں۔ سائنس اور انجینئرنگ ان کا شعبہ ہوتا ہے اور وہ سفر اور سرگرمی کو پسند کرتے ہیں۔ ان کی زندگی میں تبدیلی آتی رہتی ہے اور وہ عام طور پر مستقل دوست نہیں بناتے لیکن ان کی محبت دلچسپی کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اس ہاتھ والی عورتیں ہمیشہ سرگرم رہتی ہیں''۔ [۱]

(۱) ہاتھ کی لکیریں، از: معظم جاوید، ص ۳۱۔

جبکہ ایک دوسرے صاحب اسی قسم کے ہاتھ کے بارے میں یوں غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں کہ

''ایک چوکور ہاتھ کا مالک جنسی زندگی میں یکسانیت پسند ہوگا۔ ہر روز بار بار ایک ہی وقت، ایک ہی طریقہ کا اصول اس کے ہاں کارفرما ملتا ہے۔ یہ شخص محبت میں مستحکم ہوتا ہے۔ ناجائز تعلقات قائم نہیں کرتا۔ اگر کسی عورت کے شوہر کا ہاتھ چوکور ہو تو اسے چاہئے کہ وہ وقت پر کھانا دینا اور ایک تنظیم اور ضابطہ اپنا لے اور اسے کسی معاملے میں انتظار نہ کرائے''۔ (۱)

ایک ہی قسم کے ہاتھ کے بارے میں ان دونوں دست شناسوں کے بیانات کو بار بار پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ ایک ہی نگاہ ڈالنے سے ان دونوں بیانات میں تناقض ظاہر ہو جائے گا کہ پہلے 'دست شناس' کے بقول ایسے شخص کی زندگی میں تبدیلی آتی رہتی ہے اور وہ عام طور پر مستقل دوست نہیں بناتا جبکہ دوسرے 'غیب دان' کے بقول ایسا شخص اپنے اصول وضوابط میں پکا اور دوٹوک ہوتا ہے یعنی کسی تبدیلی کو پسند نہیں کرتا بلکہ ایسے شخص کی بیوی کو بھی نصیحت کی جا رہی ہے کہ وہ اس کے نظم وضبط کو ڈسٹرب نہ کرے!!

اب بتائیے یہ تضاد اور تناقض نہیں تو تضاد اور تناقض کس بلا کا نام ہے.....؟!

اس حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے کہ دست شناسی جھوٹ اور تکے بازی کا مرکب ہے، آپ ملک کے چند بڑے دست شناس حضرات کے پاس یکے بعد دیگرے حاضر ہوں اور اپنا ہاتھ دکھا کر معلومات حاصل کریں۔ راقم دعوے کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ ایک طرف تو ان 'غیب دانوں' کی اکثر وبیشتر باتیں اور پیش گوئیاں تقریباً جھوٹی ہی نکلیں گی اور دوسری طرف ان میں سے کسی ایک 'ماہر دست شناس' کا بیان بھی دوسرے دست شناس سے من وعن مطابقت نہیں رکھتا ہوگا۔ یہاں میں اپنا ایک ذاتی تجربہ بیان کرتا ہوں۔

پاکستان کے ایک شہری جو کاروبار وغیرہ کے سلسلہ میں ایک مغربی ملک میں رہائش اختیار کیے ہوئے ہیں، نے میری کتاب ''عاملوں، جادوگروں اور جنات کا پوسٹمارٹم'' پڑھنے کے بعد مجھ سے رابطہ کیا کہ میں آج کل پاکستان میں ہوں اور آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ جب ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ میں گزشتہ پچیس (۲۵) برس سے روحانی عملیات سے وابستہ ہوں اور مختلف ماورائی علوم کے ساتھ دست شناسی کے بارے میں جتنا لٹریچر میں نے پڑھا ہے، اتنا کسی بڑے سے بڑے دست شناس نے بھی کم ہی پڑھا ہو گا۔ پھر روحانیت کے حوالے سے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ وہ کہنے لگے کہ میں کم وبیش بیس سال

---

(۱) پامسٹری، از: اے، ایس، صدیقی، ص ۱۱۹۔

سے ماہر دست شناس کی حیثیت سے کام کررہا ہوں۔اس پیشے سے میں نے بہت دولت اور شہرت پائی ہے۔اب میں پیشے کی حیثیت سے اسے چھوڑ چکا ہوں، تاہم شوق کے طور پر ابھی بھی دست شناسی سے دلچسپی رکھتا ہوں۔

انہوں نے صاف طور پر بتایا کہ دست شناسی کوئی سائنٹیفک علم نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد مشاہدے اور تکے بازی پر ہے اور میرے اپنے تکے بھی ساٹھ فیصد تک کام کرتے ہیں۔اس لیے اس سلسلہ میں قرآن کی بات حتمی ہے کہ غیب کا علم اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔اور جو نجومی یا دست شناس یہ دعویٰ کرے کہ میں ماضی اور مستقبل کی غیبی باتیں سو فیصد یقین سے معلوم کر لیتا ہوں، وہ سراسر جھوٹا اور فریبی ہے۔یہی بات ان دنوں P T V پر ایک اور دست شناس بھی کررہا تھا جو ماہر نفسیات بھی ہے۔اس کاٹی۔وی انٹرویو بعد میں اخبارات میں بھی شائع ہوا۔اس کے تراشے میرے پاس محفوظ تھے لیکن اتفاق کہ اس وقت وہ میری کتابوں کے ذخیرے میں کہیں دفن ہیں،اس لیے اس سے کوئی اقتباس نہیں دیا جاسکتا۔

یہاں یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ مذکورہ صاحب سے گفتگو کے آخر میں، میں نے ان سے کہا کہ آپ میرا ہاتھ دیکھ کر اپنی معلومات کا اظہار کریں۔میں نے یہ اس لیے کہا کہ وہ شخص ابھی بھی دست شناسی کے حوالے سے یہ سوچ رکھتا تھا کہ یہ علم مشاہدات پر مبنی ہے اور مستقبل کی باتیں تو اس سے کم معلوم ہوتی ہیں، تاہم ماضی اور انسانی کردار کے حوالے سے اس سے بہت سے باتیں معلوم بھی کی جاسکتی ہیں۔مجھے یقین تھا کہ دو گھنٹے کی تفصیلی و تعارفی نشست کے باوجود یہ میرے بارے میں کئی باتیں غلط ہی بتائے گا اور اس طرح اس کی جب غلطی واضح ہو جائے گی تو شاید دست شناسی کے حوالے سے اس کے جو شکوک و شبہات ابھی باقی ہیں، وہ دور ہو جائیں اور میں اسے صحیح اسلامی نقطہ نظر پر قائل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔

میرا ہاتھ دیکھنے کے بعد انہوں نے تین طرح کی پیش گوئیاں کیں۔ایک تو میرے ماضی کے بارے میں، ایک مستقبل کے بارے میں اور ایک سیرت و کردار کے بارے میں۔مستقبل کی پیش گوئیوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں تھی جو آئندہ پانچ سال سے پہلے سے تعلق رکھنے والی ہو، اس لیے اس کے بارے میں انہیں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔تاہم ماضی اور سیرت و کردار کے حوالے سے انہوں نے جتنی باتیں بیان کیں، ان میں سے زیادہ تر غلط ہی تھیں اور جو تھوڑی بہت صحیح تھیں وہ صرف کردار، ذہانت وغیرہ کے بارے میں تھیں اور میں پورے شرحِ صدر سے یہ سمجھتا ہوں کہ وہ بھی اس لیے صحیح تھیں کہ دو گھنٹے کی نشست میں اس

حوالے سے انہوں نے میری کئی باتیں نوٹ کر لی تھیں۔ اگر شروع ہی میں وہ ہاتھ دیکھتے تو اس حوالے سے بھی ان کے اکثر تکے غلط ہی ثابت ہوتے۔

میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ دست شناسی تکے بازی کا کھیل ہے اور تکے بازی، اٹکل پچو وغیرہ کو قرآن مجید نے نہایت ناپسند کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ [سورة الاسراء: ٣٦]

''جس چیز کا تمہیں علم نہیں، اس کے پیچھے نہ پڑو۔''

اب اس کے باوجود کوئی شخص ایسی چیز کے پیچھے پڑتا ہے تو گویا وہ اس قرآنی حکم کی صاف خلاف ورزی کر رہا ہے۔

۳)......تیسری دلیل

یہ بات تو واضح ہو چکی ہے کہ دست شناسی اور پامسٹری کے ذریعے مختلف غیبی معاملات پر اظہار خیال کیا جاتا ہے اور لوگوں کی موت و حیات، سعادت و شقاوت، کامیابی و ناکامی وغیرہ جیسے غیبی امور بتانے اور مستقبل بینی کی سعیِ لاحاصل کی جاتی ہے۔ اب ہم قرآن و سنت کے حوالے سے یہ جائزہ لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی 'غیب دان' ہو سکتا ہے؟ اور نیز ایسے لوگوں کے پاس جانے، اپنا ہاتھ دکھانے اور ان جھوٹے دست شناسوں، نجومیوں، کاہنوں اور عاملوں کو سچا تسلیم کرنے والے شخص کے بارے میں ہمارا دین ہمیں کیا بتاتا ہے؟

قرآن مجید کی بے شمار آیات میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی غیب دان نہیں۔ بطور مثال چند ایک آیات ملاحظہ ہوں:

(١) : ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾

''کہہ دیجئے کہ آسمان والوں اور زمین والوں میں سے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی غیب نہیں جانتا، اور یہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے''۔ [سورۃ النمل: ٦٥]

(٢) :﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ﴾ [سورة الانعام: ٥٩]

''اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، ان کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے''۔

(۳) : ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ [سورة لقمان: ۳٤]

''بے شک قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ وہ بارش نازل کرتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں جو کچھ ہے اسے وہ جانتا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی علم و خبر والا ہے۔''

(٤) : ﴿قُلْ لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ [سورة الاعراف: ۱۸۸]

''(اے نبیؐ!) آپ فرما دیں کہ میں اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، سوائے اس کے جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب دان ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان یا تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو محض اہلِ ایمان کو (جہنم سے) ڈرانے والا اور (جنت کی) خوشخبری دینے والا ہوں''۔

(٥) : ﴿قُلْ لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ [سورة الانعام: ٥٠]

''(اے نبیؐ!) آپ فرما دیجئے کہ میں اس چیز کا دعویدار نہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہوں اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں بلکہ میں تو صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے''۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایسے شخص کے پاس جانے سے منع فرما دیا ہے جو غیب دانی کا کسی طرح بھی مدعی ہو۔ اس سلسلہ میں چند ایک احادیث ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

(۱) : ((عَنْ صَفِيَّةَ عَنْ بَعْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً))

''حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجہ مطہرہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: جو شخص کسی عراف (کاہن رنجومی رپامسٹ وغیرہ) کے پاس آیا اور اس سے کسی (غیبی) چیز کے متعلق سوال کیا تو اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہیں ہوتی''۔ (۱)

(۲) : ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: مَنْ اَتٰی کَاهِناً اَوْ عَرَّافًا فَصَدَّقَهُ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی کاہن یا عراف کے پاس آیا اور اس کی بات کی تصدیق کی تو گویا اس نے اس چیز (دین) کا کفر کیا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی''۔ (۲)

(۳) : ((عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ الانصَارِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی عَنْ ثَمَنِ الْکَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِیِّ وَحُلْوَانِ الْکَاهِنِ))

''حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کتوں کے (کاروبار)، زانیہ کی کمائی اور کاہن کی شیرینی (کمائی) سے منع فرمایا ہے''۔ (۳)

(٤) : ((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَیْسَ مِنَّا مَنْ تَطَیَّرَ اَوْ تُطُیِّرَ لَهُ اَوْ تَکَهَّنَ اَوْ تُکُهِّنَ لَهُ اَوْ سَحَرَ اَوْ سُحِرَ لَهُ وَمَنْ عَقَدَ عُقْدَۃً وَمَنْ اَتٰی کَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا قَالَ فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ)) (٤)

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو بدفالی لے یا اس

---

(۱) مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکهانة واتیان الکهان، ح ۲۲۳۰۔ احمد، ج ٤ ص ٦٨۔ حلیة الاولیاء، ج ١٠ ص ٤٠٦۔ بیهقی، ج ٨ ص ١٣٨۔ المعجم الاوسط، ح ١٤٢٤۔ مجمع الزوائد، ج ٥ ص ١١٨۔

(۲) مسند احمد، ج ٢ ص ٤٢٩۔ مستدرك حاکم، ج ١ ص ٨۔ امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔ طحاوی، ج ٣ ص ٤٤۔ ارواء الغلیل، ج ٥ ص ٦٩۔ شیخ البانی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

(۳) مسلم، کتاب المساقاة، باب تحریم ثمن الکلب وحلوان الکاهن ومهر البغی ...، ح ١٥٦٧۔ نیز دیکھیے: بخاری، کتاب الطب، ح ٥٧٦١۔

(٤) المعجم الکبیر للطبرانی، ج ١٨ ص ٣٥٥۔ مسند بزار، ح ٣٠٤٣۔ ح ٣٠٤٤۔ مجمع الزوائد، ج ٥ ص ١١٧۔ امام ہیثمی فرماتے ہیں: "ورجاله رجال الصحیح خلا اسحاق بن ربیع وهو ثقة" اسے بزار نے روایت کیا اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے اسحاق بن ربیع کے البتہ وہ بھی ثقہ راوی ہے''۔

کے لیے بدفالی کا عمل کیا جائے یا جو شخص کاہن بنے یا اس کے لیے کہانت کا عمل کیا جائے یا جو جادو کرے یا جادو کروائے یا گرہ لگائے ایسے لوگوں کا ہم سے کوئی تعلق نہیں اور جو شخص کاہن کے پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو گویا اس نے اس چیز کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے''

(۵) : ((عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍؓ قَالَ: مَنْ أَتٰی عَرَّافًا أَوْ سَاحِرًا أَوْ كَاهِنًا فَسَأَلَهُ فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ)) [1]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی عرّاف، جادوگر یا کاہن کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی تو اس نے اس چیز کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی''۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ دست شناسوں، عاملوں، عرافوں، کاہنوں، نجومیوں، جوتشیوں، جوگیوں، پروفیسروں، سادھوؤں، بنگالی بابوؤں وغیرہ کے پاس جانا اسلام میں سخت منع کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے پاس جانے والوں اور ان پر یقین رکھنے والوں کا ایمان بھی خطرے میں رہتا ہے۔ دوسری طرف ایسے تمام نام نہاد عاملوں اور دست شناسوں کی کمائی بھی حرام کی کمائی ہے۔ اس لیے انہیں بھی سنجیدگی سے اپنے اس پیشہ کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ اللہ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے، آمین۔

اللهم اهدنا الصراط المستقيم (آمين)

......☆......

(۱) المعجم الكبير، للطبراني، ج۱۰ ح۱۰۰۰۵۔ مسند ابی یعلیٰ، ج۹ ح۵۴۰۸۔ مسند بزار، ح۳۰۴۵۔ مجمع الزوائد، ج۵ ص۱۱۸۔ وقال رجال الكبير والبزار ثقات۔

باب ۸

علم جفر، علم عدد اور علم اَسرار الحروف

دراصل یہ تمام علوم مختلف حروفِ تہجی (خواہ اردو حروفِ تہجی ہوں یا عربی یا انگریزی یا ہندی یا لاطینی وغیرہ) اور مختلف عددوں مثلاً ۱،۲،۳ یا 1,2,3 وغیرہ کے گرد گھومتے ہیں۔ ان میں سے بعض کا تعلق ان حروف کے مخفی اسرار سے بتایا جاتا ہے (اگرچہ یہ صاف جھوٹ ہے جس کی وضاحت آئندہ صفحات میں آ رہی ہے) اور بعض کا تعلق محض گنتی کے استعمال سے، خواہ گنتی کا یہ استعمال ظاہری طور پر ہو یا رموزی (رمزی) طور پر۔

اس لحاظ سے علمِ جفر، علمِ اسرار الحروف اور علمِ سیمیا تو تقریباً مترادف المعنی ہیں جب کہ 'علمِ عدد' (یا علمِ اَبجد وغیرہ) ان سے جدا ہے۔ علاوہ ازیں اعداد کو رموز اور شعار وغیرہ کے لئے استعمال کرنا صحیح ہے جبکہ انہی اعداد اور حروف کو مؤثر سمجھ کر تعویذ گنڈے، شگون اور فالنامے وغیرہ کے لئے استعمال کرنا غلط اور ناجائز ہے۔ اب آئندہ سطور میں تفصیلات ملاحظہ فرمایئے۔

علم جفر

حاجی خلیفہ 'علم جفر' کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ

''اس سے مراد لوحِ محفوظ (یعنی تقدیر) کے اس علم کا حصول ہے جس میں ماضی اور مستقبل کی جزوی اور کلی معلومات درج ہیں۔ بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بسط اعظم کی ترتیب سے ایک چمڑے (جفر) پر اٹھائیس (28) حروف لکھے اور ان حروف سے مخصوص شرائط کے ساتھ کچھ ایسے الفاظ نکالے جو تقدیر کا راز مہیا کرتے ہیں اور پھر یہی علم اہل بیت اور ان سے محبت کرنے والوں کو ورثہ میں حاصل ہوا اور اہل بیت اس علم کو دوسرے لوگوں سے چھپا کر رکھتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان حروف کے اَسرار و رُموز کو مہدیٔ منتظر (شیعوں کے بقول ان کا بارہواں امام جو کسی غار میں چھپ گیا تھا اور قیامت کے قریب ظاہر ہوگا) کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔ (۱)

معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کے ہاں علم جفر سے مراد 'حروف' کا ایسا علم ہے جس میں حروف کے مخفی اَسرار کے

---

(۱) کشف الظنون، ج۱ ص ۵۹۱۔

سانحہ تقدیر کی بابت معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔[۱]

اور جن لوگوں نے اسے 'علم جفر' قرار دیا، ان کے نزدیک اسے 'علم جفر' اس لئے کہا جاتا ہے کہ

''حضرت علیؓ نے سب سے پہلے ان حروف کو جفر (یعنی چمڑے) پر لکھا تھا''۔[۲]

علم جفر کے حوالے سے اردو دائرۃ المعارف میں لکھا ہے کہ

''ایک عددی علم ہے جس میں مخفی معانی کی مدد سے واقعات، خصوصاً آنے والے واقعات کی تعبیر یا ان کی اطلاع حاصل کی جاتی ہے۔ یہ کشفی یا باطنی روایت بعض خاص حلقوں میں بڑی مقبول ہوئی۔ خلافت کے لئے بعض حلقوں کی سرتوڑ کوشش کے دوران میں جو ابتداء ہی سے باہمی اختلافات سے کمزور ہو گئے تھے اور بالخصوص المتوکل کے عہد خلافت میں سخت جبر و تشدد کا شکار بنے رہے۔ ۲۳۶ھ/۵۱ء میں ایک کشفی اور اِلقائی ادب کا آغاز ہوا۔ یہ ادب مختلف شکلوں میں منظر عام پر آیا جس پر بحیثیت مجموعی جفر کے اسم کا عام اطلاق ہوتا ہے۔ اکثر اس کے ساتھ اسم جامعہ یا صفت جامع کا بھی اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ جفر کا رجحان مافوق الفطرت اور کائناتی پیمانے پر رؤیت عالم کی طرف ہے۔ اپنی ابتدائی صورت میں اِلہامی نوعیت کے ایسے علم باطنی سے ہٹ کر جو ائمہ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وارثوں اور جانشینوں سے مخصوص تھا، اب یہ پیشگوئی کے ایک ایسے طریق کار سے منسوب ہونے لگا جس تک ہر حسب و نسب کے معقول آدمی خصوصاً صوفیاء حضرات کی رسائی ہو سکے''۔[۳]

اسی طرح 'الجفر' نامی ایک کتاب بھی اس علم کے حوالے سے لوگوں (بالخصوص شیعہ و صوفیا) میں معروف ہے جس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ فرقہ زیدیہ کے سردار ہارون بن سعید العجلی کے پاس ایک کتاب تھی جس کی اشاعت وہ امام جعفر صادقؒ کی سند پر کیا کرتا تھا اور اس میں مستقبل کی اطلاعات درج تھیں۔[٤]

ہمارا تبصرہ

مذکورہ اقتباسات سے درج ذیل نکات واضح ہوتے ہیں کہ

(۱) تفصیل کے لئے دیکھیے: المنجد، لسان العرب، تاج العروس بذیل مادہ حفر۔

(۲) کشف الظنون، حوالہ مذکور۔

(۳) اردو دائرۃ المعارف، ج۷ ص ۳۱۱۔

(٤) دیکھیے: کشف الظنون، ج۱ ص ۵۹۱۔ اردو دائرۃ المعارف، ج۷ ص ۳۱٤۔

ا)......بعض کے بقول یہ علم حضرت علیؓ سے شروع ہوا جبکہ بعض کے بقول یہ امام جعفر صادقؒ سے شروع ہوا۔ حالانکہ ان میں سے کسی ایک شخصیت تک بھی اس کی کوئی سند یا ثبوت نہیں ملتا، اس لیے یہ کہنا ہی مناسب ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت جعفر صادقؒ کی طرف بعض لوگوں نے اسے ازخود منسوب کر دیا ہے۔

ا)......بعض لوگوں کے بقول ان حروف کے اَسرار کو مہدیِ منتظر کے سوا کوئی نہیں جانتا جبکہ دیگر لوگوں کے بقول اہل بیت اور صوفیاء اسرارِ حروف کے ماہر ہیں۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اول تو اس علم کی کوئی سند نہیں اور دوم یہ کہ گنتی یا لغت کے حروف یا قرآنی حروف مقطعات وغیرہ کے بارے میں شریعت نے کوئی اسرار اور راز نہیں بتائے بلکہ ایسا دعویٰ گویا غیب دانی کے دعویٰ کے مترادف ہے اور ایک مسلمان کو اچھی طرح یہ معلوم ہونا چاہیے کہ غیب کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور جفر، رمل، نجوم، دست شناسی وغیرہ کی بنیاد پر غیب کا دعویٰ کرنے والے شخص کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ

((مَنْ اَتٰی عَرَّافًا فَسَاَلَهُ عَنْ شَیْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةُ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً))[1]

''جو شخص کسی عراف (کاہن) کے پاس آیا اور اس سے کسی (غیبی) چیز کے متعلق سوال کیا تو اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہیں ہوتی''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس حدیث کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ

''ہر وہ شخص عراف ہے جو علم نجوم، کہانت، رمل اور اس سے ملتی جلتی کسی ایسی چیز سے عمل کرے جس سے 'غیب' کا علم حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے''۔[2]

علم الحروف یا علم اَسرار الحروف یا علم سیمیا

یہ تینوں تقریباً مترادف المعنی الفاظ ہیں۔ اردو دائرۃ المعارف کے مقالہ نگار کے بقول:

''علم الحروف، جفر کی ایک شاخ (ہے) جس کا شروع میں صحیح مفہوم محض ناموں سے فال نکالنا تھا لیکن بعض باطنی فرقوں میں اس نے ایک ساحرانہ عمل کی شکل اختیار کر لی۔ اس حد تک کہ ابن خلدونؒ نے

(۱) مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکهانة...، ح ۲۲۳۰ - احمد، ج ٤ ص ٦٨ - حلیة الاولیاء ج ۱۰ ص ٤٠٦ - بیهقی، ج ٨ ص ١٣٨ - المعجم الاوسط، ح ١٤٢٤ - مجمع الزوائد، ج ٥ ص ١١٨ -

(۲) مجموع الفتاوی، ج ١٨ ص ١٠٦ -

اسے سیمیا کا نام دیا ہے جو بالعموم سحر حلال (جادو کی ایک قسم White Magic) کے لئے مستعمل ہے۔ یہ علم حروفِ ہجا، نیز اسماء الحسنٰی اور اسمائے ملائک کے حروف کے سری خواص پر مبنی ہے''۔[1]

آئندہ سطور میں ہم پہلے اعداد اور حروف سے غیب معلوم کرنے کے وہ طریقے بیان کریں گے جو ان علوم کے ماہرین نے بیان کیے ہیں، اس کے بعد اسلامی نقطۂ نظر سے ان پر تبصرہ کریں گے، ان شاءاللہ!

عربی حروفِ تہجی کے خواص معلوم کرنے کا طریقہ

اس علم کے دعوے دار حضراتِ عربی حروف تہجی کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱۔ آتشی حروف: یعنی ایسے حروف جن کی مدد سے سردی اور ٹھنڈک کو کم کیا جاتا ہے یا مزید گرمائش اور آتش بھڑکائی جاتی ہے۔ اس کے لئے درج ذیل حروف استعمال کئے جاتے ہیں:

ا، ہ، ط، م، ف، ش، ذ، جن کا مجموعہ اھطم فشذ ہے۔

۲۔ آبی حروف: یعنی ایسے حروف جنہیں ایسی خرابیوں کی پیشگوئی اور مدافعت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جن کا تعلق گرمی سے ہو مثلاً بخار کی مختلف اقسام، نیز سردی کے اثر میں اضافہ کرنے کے لئے جہاں اس کی ضرورت درپیش ہو۔ اس عمل کے لئے عامل حضرات درج ذیل حروف استعمال کرتے ہیں:

ج، ز، ک، س، ق، ث، ظ، جن کا مجموعہ جز کس قثظ ہے۔

۳۔ بادی حروف: انہیں بھی مختلف مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس میں درج ذیل حروف شامل ہیں:

ب، و، ی، ن، ص، ت، ض، ان کا مجموعہ بوین صتض ہے۔

۴۔ خاکی حروف: اس میں درج ذیل حروف شامل ہیں:

د، ح، ل، ع، ر، خ، غ، جن کا مجموعہ دحل عرخغ ہے۔

اسے بالاختصار درج ذیل جدول سے بھی نمایاں کیا جاتا ہے:

---

(۱) مجموع الفتاوی، ج ۱۴ ص ۳۱۱۔

نمبر شمار	کواکب	آتشی	بادی	آبی	خاکی
۱	زحل	ر	ب	ج	د
۲	مشتری	ہ	و	ز	ح
۳	مریخ	ط	ی	ک	ل
۴	سورج	م	ن	س	ع
۵	زہرہ	ف	ص	ق	ر
۶	عطارد	ش	ت	ث	خ
۷	قمر	ذ	ض	ط	غ

عربی حروفِ تہجی کی عددی قیمت

مذکورہ حروفِ تہجی کی عددی قیمت بھی معین کی گئی ہے، اگرچہ اس عددی قیمت میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے، تاہم درج ذیل عددی قیمت کو کسی حد تک معیاری خیال کیا جاتا ہے۔

اکائیاں	دہائیاں	سیکڑے	ہزار
الف-1	ی-10	ق-100	غ-1000
ب-2	ک-20	ر-200	
ج-3	ل-30	ش-300	
د-4	م-40	ت-400	
ھ-5	ن-50	ث-500	
و-6	س-60	خ-600	
ز-7	ع-70	ذ-700	
ح-8	ف-80	ض-800	
ط-9	ص-90	ظ-900	

مذکورہ حروف اوران کی عددی قیمت کے مجموعے کو 'حروف ابجد' بھی کہا جاتا ہے۔ اہل عرب نے اٹھائیس حروفِ تہجی کو نو نو حرفوں کے تین متواتر سلسلوں میں تقسیم کر رکھا تھا یعنی پہلے سلسلہ میں الف سے ط تک کو اکائیوں کے لئے، دوسرے سلسلہ میں ی سے ص تک دہائیوں کے لئے اور تیسرے سلسلہ میں ق سے ظ تک سیکڑوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ البتہ ہزار کے لئے صرف ایک حرف یعنی 'غ' مقرر تھا۔ علاوہ ازیں ان تمام حروف کو درج ذیل مجموعہ جات میں تقسیم کر رکھا تھا:

" ابجد، هوز، حطي، كلمن، سعفص، قرشت، ثخذ، ضظغ "

یہ اہل مشرق کے وضع کردہ مجموعہ جات ہیں جبکہ اہل مغرب کے وضع کردہ مجموعہ جات اس سے قدرے مختلف ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

" ابجد، هوز، حطي، كلمن، صعفض، قرست، ثخذ، ظغش "

اہلِ عرب کے ہاں یہ حروف اوران کے عددی اشارے (یا قیمتیں) روایتی طور پر چلے آتے ہیں جبکہ ان کے آغاز کی تاریخ اور پس منظر قطعی طور پر معلوم نہیں۔ اس سلسلہ میں بعض نے کہا ہے کہ مدین کے چھ بادشاہ گزرے ہیں جنہوں نے ان مجموعہ جات کو اپنے ناموں کے لئے وضع کیا تھا۔ بعض کے بقول یہ مختلف دیوتاؤں کے نام ہیں۔ بعض کے بقول یہ ہفتے کے دنوں کے نام ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی توجیہات منقول ہیں لیکن یہ سب اَفسانوی بیانات ہیں۔

عامل حضرات ان اعداد کو اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ سائل کا نام، اس کے والد کا نام اور بسا اوقات اس کی تاریخِ پیدائش وغیرہ بھی معلوم کی جاتی ہے پھر اس کے نام کے حروف کی عددی قیمت نکال کر جمع کیا جاتا ہے اور اس کے بعد حسب سوال کبھی دو پر کبھی تین یا پانچ یا بارہ پر تقسیم کیا جاتا ہے، پھر تقسیم سے باقی بچنے والے اعداد کے انہوں نے اپنی طرف سے کچھ فرضی جواب مقرر کیے ہوتے ہیں اور وہی جواب سائل کو بتا دیا جاتا ہے۔ گویا کوئی بھی فرضی جوابِ مقرر کیا جا سکتا ہے۔

انگریزی حروفِ تہجی سے خواص معلوم کرنے کا طریقہ

علم جفر کے دعوے دار ہرقوم میں پائے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہر زبان کے حروفِ تہجی اور اعداد کی مناسبت سے لوگوں کی قسمت، اخلاق و کردار وغیرہ معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ انگریزی میں اس

کے لئے درج ذیل چارٹ استعمال کیا جاتا ہے:

1	2	3	4	5	6	7	8	9
A	B	C	D	E	F	G	H	I
J	K	L	M	N	O	P	Q	R
S	T	U	V	W	X	Y	Z	

یعنی جب بھی J,A اور S کا عدد نکالنا ہوگا تو وہ '1' نکالا جائے گا۔ اسی طرح T-K-B میں سے کوئی حرف استعمال ہو تو اس کے لئے 2 کا عدد تصور کیا جائے گا۔ اسے سمجھنے کے لئے درج ذیل مثال پر غور کریں:

''فرض کریں کہ ہمیں ایک مشہور نام 'لنڈن بینس جانسن' (LYNDON BAINES JOHNSON) کا عددی ارتعاش معلوم کرنا ہے چنانچہ اس کے لئے سب سے پہلے اس کے مساوی حروف کے مساوی اعداد جمع کیجئے۔ یہ نام درج ذیل طریقے کے مطابق لکھا جائے گا، نیچے مساوی اعداد بھی درج ہیں:

L	Y	N	D	O	N	-	B	A	I	N	E	S	-	J	O	H	N	S	O	N
3	7	5	4	6	5	-	2	1	9	5	5	1	-	1	6	8	5	1	6	5

ان تمام اعداد کو جمع کیا جائے تو ان کا مجموعہ 85 بنتا ہے جسے اگر مختصر کیا جائے یعنی 5+8 تو 13 جمع ہوئے۔ اب اسے مزید مختصر کیا جائے یعنی (3+1) تو چار (4) جواب آیا۔ گویا 'مسٹر جانسن' کا سائیکل نمبر 4 ہے جس سے اس کی زندگی کے ارتعاش یا زیر و بم کا بخوبی پتہ لگایا جاسکتا ہے''۔[1]

گویا اس طرح ہر نام کا اختصار کر کے ایک عدد نکالا جاتا ہے جسے اس شخص کا سائیکل نمبر قرار دیا جاتا ہے اور ان سائیکل نمبروں کی تعداد ایک (1) سے نو (9) تک ہے اور ہر سائیکل نمبر کے تحت اس کی خاصیات یعنی قسمت کا مکمل حال درج کر دیا جاتا ہے اور اسی کا نام 'علم جفر' وغیرہ ہے۔

بیلنس نمبر

بیلنس نمبر، سائیکل نمبر ہی کی مزید اختصاری شکل سے حاصل ہوتا ہے یعنی مذکورہ نام (لنڈن بینس جانسن)

(۱) پراسرار اعداد، مترجم: اظہر کلیم، ص ۸۔

کے حامل شخص کا بیلنس نمبر اس طرح نکالا جاتا ہے کہ اس کے نام کے تین ٹکڑے کر لئے جائیں یعنی (1) لنڈن (2) بینس (3) جانسن۔ اور ہر ٹکڑے کا صرف پہلا حرف لے کر اس کا نمبر نکالا جائے یعنی لنڈن (LYNDON) کا L، بینس (BAINES) کا B اور جانسن (JOHNSON) کا J:

اب ہمیں درج ذیل جواب حاصل ہوا:

3	=	L
2	=	B
1	=	J
6	=	+

پھر سائیکل نمبر ہی کی طرح بیلنس نمبر بھی ایک سے نو (9) تک مقرر ہیں اور ہر ایک بیلنس نمبر میں تقدیر و قسمت اور اخلاق و کردار سے متعلقہ کچھ چیزیں ذکر کردی جاتی ہیں۔

لکی (قسمت) نمبر

بیلنس نمبر کے علاوہ ایک قسمت نمبر بھی معروف ہے اور اسے نکالنے کا طریقہ بھی ان سے ملتا جلتا بتایا جاتا ہے مثلاً کسی شخص کا قسمت نمبر معلوم کرنا ہو تو اس کی مکمل تاریخِ پیدائش معلوم کریں مثلاً کسی شخص کی تاریخِ پیدائش اگر 27 اگست 1908 ہے تو اب یہ دیکھئے کہ اگست سال کا کون سا مہینا ہے؟ معلوم ہوا کہ یہ آٹھواں مہینا ہے لہٰذا:

8	=	مہینا
27	=	تاریخ
1908	=	سال
1943	=	اعداد کا مجموعہ

اب ان اعداد کو پہلے ہی کی طرح جمع کریں یعنی:

17=3+4+9+1

اور 17 کو مزید مختصر کیا یعنی:

8=1+7

تو معلوم ہوا کہ ان صاحب کا قسمت نمبر 8 ہے۔

پھر بیلنس اور سائیکل نمبر کی طرح قسمت نمبر بھی 1 سے 9 تک ہیں جن میں ہر قسمت کے نمبر کے تحت قسمت کا حال درج کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح 'ماہانہ نمبر'، 'سالانہ نمبر'، 'خوش نصیبی نمبر'، 'زندگی کا سپیشل نمبر' وغیرہ جیسے کئی اور نمبر بھی مقرر کیئے گئے ہیں اور ان میں بھی ایک سے نو تک مختلف اعداد نکال کر ان سے 'لوحِ محفوظ' دیکھنے کی کوشش کی جاتی ہے......!

از راہِ اختصار اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اب ہم ان نمبروں کا شرعی نقطہ نظر سے جائزہ لیتے ہیں:

ہمارا تبصرہ

۱۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس علم میں واضح طور پر 'غیب' جاننے کی کوشش کی جاتی ہے اور قرآن و سنت میں وضاحت کے ساتھ یہ بات بیان کر دی گئی ہے کہ ''اللہ کے سوا کوئی غیب دان نہیں''۔

۲۔ قرآن و سنت میں کہیں بھی اس علم کی مذکورہ افادیت بیان نہیں کی گئی بلکہ اگر اس علم کی واقعی کوئی ایسی وقعت اور حیثیت ہوتی تو آنحضرت ﷺ اپنے سفر، جہاد، دعوت و تبلیغ وغیرہ جیسے ہر اہم کام میں اسے بروئے کار لاتے جب کہ آپ ﷺ کی زندگی سے بلکہ صحابہ کرام، تابعین عظام، محدثین و مفسرین کرام وغیرہ میں سے بھی کسی شخصیت سے ایسی کوئی بات منقول نہیں۔

۳۔ اگر اس طرح کے علوم سے تقدیر کا پیشگی علم حاصل کیا جا سکتا ہوتا تو ہمیں بار ہا تقدیر پر ایمان لانے اور اس پر صبر کرنے کی تلقین نہ کی جاتی بلکہ اس کے برعکس ایسے کسی علم کے حصول کی رغبت دلائی جاتی تا کہ ہم اپنی زندگی میں تمام معاملات کو پیشگی معلوم کر کے اس علم سے فائدہ اٹھاتے۔

۴۔ اگر یہ کوئی حتمی اور قطعی علم ہوتا تو کم از کم اس علم کے دعوے داروں میں اختلاف اور تضاد نہ ہوتا لیکن اس علم پر مشتمل کتابیں پڑھنے سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی عدد کے خواص ایک صاحب کے نزدیک کچھ اور ہیں اور دوسرے صاحب کے نزدیک کچھ اور۔

۵۔ بعض اوقات تو ایک ہی مصنف کی باتوں میں مطابقت دکھائی نہیں دیتی۔ ایک شخص کے قسمت نمبر میں الگ خصوصیات دکھائی جاتی ہیں اور 'خوش قسمتی نمبر' میں اس کے برعکس۔ جبکہ قسمت اور خوش قسمتی میں

کوئی ایسا بڑا فرق نہیں کہ انہیں جدا جدا بیان کیا جائے۔ اسی طرح سائیکل نمبر، بیلنس نمبر اور قسمت نمبر وغیرہ تمام کا تعلق تقدیر سے ہے لیکن انہیں الگ الگ نمبروں اور خاصیتوں میں بیان کیا جاتا ہے حالانکہ ہر شخص کی ایک ہی 'تقدیر' ہے جو پیدائش سے بھی پہلے اللہ تعالیٰ نے طے کر رکھی ہے جب کہ 'پراسرار حروف' کے دعوے داروں کے نزدیک انسان کی کئی الگ الگ تقدیریں دکھائی دیتی ہیں۔

٦۔ اس پر بھی طرفہ تماشا یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا 'قسمتی نمبر' برا ہو تو وہ اپنا نام تبدیل کر لے اور اس طرح نام کی تبدیلی سے اس کا 'قسمت نمبر' بھی تبدیل ہو جائے گا حالانکہ یہ چیز محال ہے اس لئے کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اسے اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی کوئی طاقت تبدیل نہیں کر سکتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ﴾ [الرعد: ٢٨، ٢٩]

"ہر مقررہ چیز کی مدت لکھی جا چکی ہے، اللہ تعالیٰ جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہے قائم رکھتا ہے اور لوحِ محفوظ اسی کے پاس ہے"۔

٧۔ یہ بات اس طرح بھی ناممکن ہے کہ اگر ان حروف کے ساتھ ہر شخص اپنی تقدیر کا حال معلوم کر سکتا ہو تو دنیا میں کوئی بدقسمت اور دکھوں، تکلیفوں کا شکار دکھائی ہی نہ دے گا بلکہ ہر شخص ایسا نام رکھنے کی کوشش کرے گا جس کے عدد خوش قسمتی کی علامت ہوں تاکہ اس طرح وہ خوش قسمت بن سکے۔

٨۔ اگر کسی عدد میں 'بادشاہ' یا حاکم ملک بنانے کی تاثیر ہو تو پھر ہر شخص ہی بادشاہ اور حاکم بننے کی کوشش کرے گا۔ اب بتائیے کہ اگر بالفرض صرف ایک ملک میں 100 آدمی بادشاہ/حاکم بننے کے لئے اپنا نام اس عدد کے مطابق کر لیں تو ان میں سے بادشاہ/حاکم کون بنے گا؟

٩۔ اس علم پر یقین کرنے والے بھی عجیب احمق ہیں کہ یہ ایسے لوگوں کو جن کا عدد ناموافق ہو، ہر دم احتیاط کی تاکید کرتے ہیں حالانکہ اگر ان کے بقول نام کی تبدیلی سے عدد کی تبدیلی اور عدد کی تبدیلی سے قسمت کی تبدیلی ممکن ہے تو پھر یہ 'احتیاط' کی نصیحت کیوں فرماتے ہیں؟ انہیں چاہیے کہ نام کی تبدیلیاں کر کے لوگوں کی قسمتوں کو تبدیل کرتے رہیں بلکہ پھر تو بغیر کسی خرچ کے ہر بدقسمت گھر بیٹھے خود ہی خوش قسمت بن جانا چاہیے، بیمار کو خود ہی اپنے نام کی تبدیلی سے صحت حاصل کر لینی چاہیے۔ اس طرح نہ کسی ڈاکٹر و حکیم کی ضرورت رہے گی نہ کسی ہسپتال کی۔ نہ محافظوں، سپاہیوں اور فوج کی ضرورت رہے گی، نہ محنت مزدوری اور کام کاج کی۔ بلکہ پھر تو نہ دنیا میں کوئی پریشانی رہے اور نہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کی ضرورت

رہے، معاذ اللہ!

۱۰۔ حروف کی تاثیر کے قائلین کے نزدیک علم جفر کی مدد سے عملیات کے لئے بسا اُوقات تاریخِ پیدائش کا جاننا ضروری ہوتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کسی کو اپنی تاریخِ پیدائش یاد نہ ہو تو پھر کیا کیا جائے گا؟ کیونکہ بہت سے لوگوں کو اپنی تاریخِ پیدائش یاد نہیں ہوتی (اگر چہ بعض نام نہاد عاملوں نے اس کے بھی کئی من گھڑت طریقے وضع کر رکھے ہیں لیکن ان کی بھی کوئی حقیقت نہیں)

حروفِ ابجد کا درست استعمال

یہ تو ثابت ہو چکا کہ کسی حرف یا عدد میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جس کے ذریعے کسی انسان کی قسمت، اَخلاق یا مستقبل کے غیبی حقائق معلوم کئے جا سکیں البتہ اگر ان حروف اور اعداد کو مختلف رموز، کنائے اور اشارہ جات یعنی کوڈ ورڈ (Code Word) کے لئے استعمال کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں مثلاً حروفِ اَبجد ہی سے یہ بات سمجھیے کہ بعض اساتذہ امتحانی نمبر لگانے کے لئے طالب علم کا امتحان لیتے ہوئے اس کے سامنے اس کے نمبر لگا دیتے ہیں لیکن اس طالب علم کو بالکل معلوم نہیں ہوتا کہ میرے نمبر کتنے ہیں کیونکہ استاد حروفِ ابجد کے ذریعے نمبر لگاتا ہے اور شاگرد حروفِ ابجد کے استعمال کو نہیں جانتا مثلاً کسی طالب کے نمبر اگر بیاسی (82) لگانے ہوں تو 82 کی جگہ استاد، ف اور ب (فب) ڈال دے گا کیونکہ ف کی عددی قیمت اسی (80) اور ب کی دو (2) ہے۔

اسی طرح جنگوں میں بعض ایسے کلمات، حروف اور اَعداد استعمال ہوتے ہیں جنہیں صرف مخصوص افراد ہی سمجھ سکتے ہیں کیونکہ دوسرے لوگوں کے سامنے وہ محض کوئی حرف، عدد یا عام لفظ ہے لیکن اسے پہچاننے والے ان کے ذریعے مخصوص لوگوں تک اپنا کوئی پیغام پہنچا رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح قرآنِ مجید میں حروفِ رموز واَوقاف استعمال کئے جاتے ہیں مثلاً ج، ز، ط، لا، وغیرہ اور ان کا مقصود قرآنِ مجید کے ابتدائی یا آخری صفحات میں ذکر کر دیا جاتا ہے کہ 'ج' وقف جائز کی علامت ہے...... 'ط' وقف مطلق کی علامت ہے...... وغیرہ وغیرہ۔ گویا ان قواعد کو ایک ہی مرتبہ لکھ دیا جاتا ہے اور جہاں کہیں ان میں سے کسی قاعدے اور اصول کا اطلاق ہو، وہاں اس سے متعلقہ رمزیہ حرف، ج، ز، ط، وغیرہ ڈال دیا جاتا ہے۔ اور ایسا اختصار کے لیے کیا جاتا ہے اور شرعی اعتبار سے اس میں کوئی حرج نہیں۔

حروفِ ابجد کے استعمال کی ایک ناجائز صورت

بعض لوگ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مکمل لکھنے کی بجائے ان کے اعداد نکال کر محض (۷۸۶-786) لکھ دیتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی کاغذ پر پوری بسم اللہ لکھ دی جائے تو عین ممکن ہے کہ اس کاغذ کو ردی کی ٹوکری یا زمین وغیرہ پر پھینک دیئے جانے سے بسم اللہ کی توہین ہو، لہٰذا اس توہین سے بچنے کے لیے بسم اللہ کے اعداد یعنی '۷۸۶' لکھنے چاہییں۔ حالانکہ یہ بھی بسم اللہ کی توہین ہے کہ اسے اصل حالت میں لکھنے کی بجائے اس طرح اعداد کی صورت میں لکھا جائے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی سنت سے یہی ثابت ہے کہ آپؐ نے جب بھی خطوط لکھوائے ان پر پوری بسم اللہ تحریر کروائی اور ایسے کئی خطوط کافر بادشاہوں کی طرف بھی روانہ کئے گئے بلکہ ایران کے بادشاہ (کسریٰ) 'خسرو پرویز' کا تو واقعہ مشہور ہے کہ اس بدبخت نے آپ ﷺ کا نامہ مبارک چاک کر دیا تھا۔ اگرچہ حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی اندیشہ ہوگا کہ کہیں کوئی کافر بسم اللہ کی توہین نہ کرے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے بسم اللہ کی جگہ اعداد وغیرہ کبھی نہیں لکھوائے جبکہ آپؐ کے عہد مبارک میں عرب کے ہاں اعداد کا طریقہ بھی مروج تھا۔ اس لئے قرآنی آیات اور مسنون وظائف و اوراد کو من و عن اسی طرح پڑھا لکھا جائے جس طرح کہ یہ قرآن و حدیث کی صورت میں محفوظ ذرائع کے ساتھ ہم تک منتقل ہوئے ہیں۔

علاوہ ازیں بعض اہل علم کے بقول بسم اللہ کو ۷۸۶ (786) کی عددی صورت میں لکھنا ہندوانہ اثرات کا نتیجہ ہے، اس لئے کہ ہندوؤں کے ایک معبود کرشن کے نام کا نعرہ 'ہرے کرشنا' ہے اور اس کے اعداد کا مجموعہ بھی 786 ہے۔ اور اسی طرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اعداد کا مجموعہ بھی 786 بنتا ہے۔ گویا ہندو 786 لکھ کر 'ہرے کرشنا' سے فریاد رسی کرتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو ان کے اس شرکیہ مذہبی شعار کی مشابہت سے بہر صورت بچنا چاہیے۔ باقی رہا بسم اللہ لکھی تحریر کی بے حرمتی کا مسئلہ تو اس کے لیے کوئی معقول حفاظتی تدابیر اختیار کرنی چاہییں۔ اللہ ہمیں ہدایت دے، آمین!

......☆......

باب ۹

علم نجوم/ASTROLOGY

سورج، چاند اور ستارے دیگر مخلوقات کی طرح، اللہ تعالیٰ کے تخلیق کردہ اَجرامِ فلکی ہیں۔ دیگر اشیاء کی طرح انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے خاص مقاصد کے لیے پیدا فرمایا ہے مثلاً مختلف ستاروں کی مدد سے سمت اور وقت کا تعین کیا جاتا ہے۔ سورج سے روشنی اور حرارت حاصل کی جاتی ہے۔ چاند کے ذریعے بھی وقت اور تاریخ کے تعین میں مدد ملتی ہے۔ علاوہ ازیں سمندروں کے مدوجزر اور پھلوں کی مٹھاس وغیرہ میں دیگر عوامل کی طرح چاند بھی ایک مؤثر عامل بنایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اجرام فلکی سے آسمان کی زیب وزینت اور شیطانوں کو مار بھگانے کے لیے ہتھیار کا کام بھی لیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ازل ہی سے اَجرامِ فلکی کی رفتار و حرکات کے ساتھ مندرجہ بالا چیزوں کو مربوط کر رکھا ہے اور جب انسانوں نے ان سیاروں اور ستاروں کی حرکات کا بغور مشاہدہ کرنا شروع کیا تو انہوں نے انسانی تاریخ کے آغاز ہی میں دن رات کا فرق، دنوں کی تقسیم، ماہ و سال کا اندازہ، سمتوں کا تعین، موسموں کی تقسیم وغیرہ جیسی بنیادی چیزوں کو معلوم کر لیا اور پھر جیسے جیسے ان فلکی اجرام کے گہرے مشاہدے کئے گئے، ویسے ویسے انسان ان سے متعلقہ ایسی بہت سی چیزوں کا ادراک کرتا گیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے تخلیقی مقاصد میں شامل کر رکھا تھا اور بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و اذن ہی سے ممکن ہوا۔

ان معلومات کو علم فلکیات (Astronomy)، علم ہیئت، علم النجوم، علم صناعۃ التنجم وغیرہ ناموں سے موسوم کیا جاتا رہا۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ لوگوں نے ان اجرام فلکی کے ساتھ بہت سی ایسی چیزوں کو مربوط کرنا شروع کر دیا جن کا ان اجرام سے قطعی طور پر کوئی تعلق نہ تھا مثلاً ان اجرام فلکی کی حرکت و رفتار کے ساتھ لوگوں کی قسمت کے فیصلے وابستہ کیے جانے لگے۔ انسانی زندگی میں عروج و زوال، صحت و بیماری، فقر و غنیٰ، غمی و خوشی، کامیابی و ناکامی، فتح و شکست، وغیرہ جیسی بہت سی چیزوں میں بھی ان اجرام کو قطعی مؤثر سمجھا جانے لگا۔ ان کی حرکت و گردش کے ساتھ غیب کے دعوے اور مستقبل کی خبریں دی جانے لگیں۔ پھر رفتہ رفتہ توہم پرست انسان نے اپنی زندگی کے ہر معاملے کو دینی و مذہبی تعلیمات کی بجائے انہی اجرام سے

وابستہ کرلیا اور نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ انہیں خدائی کا درجہ دیا جانے لگا اور ان کی پرستش کی جانے لگی......معاذ اللہ!!

قرآن مجید میں ایک مقام پر اجرام فلکی کی پرستش سے منع کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾ [سورة حم السجدة: ۳۷]

''دن اور رات، اور سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تم سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو، بلکہ سجدہ اس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تم واقعی اس اللہ کی عبادت کرنا چاہتے ہوتو۔''

کواکب پرستی کی ایک ادنیٰ سے مثال یہ بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ ہفتہ کے دنوں کے نام انہی اجرام فلکی سے منسوب کر کے رکھے گئے جیسے انگریزی زبان میں اتوار کو سنڈے (Sunday) کہا جاتا ہے جس کا ترجمہ ہے 'سورج کا دن' یعنی اس دن کو سورج دیوتا کا دن قرار دیا گیا۔ سوموار کو منڈے (Monday) کہا جاتا ہے یعنی چاند کا دن۔ گویا سورج کی طرح چاند کو بھی دیوتا تسلیم کیا گیا ہے اور اس دن کو چاند کی طرف منسوب کیا گیا۔ منگل کو ٹیوز ڈے (Tyuesday) سے موسوم کیا گیا ہے یعنی ٹیو، دیوتا کا دن، اور کہا جاتا ہے کہ یہ ٹیو دراصل مریخ سیارے کے دیوتا کا نام ہے جس کی طرف اس دن کی نسبت کی گئی ہے۔ اسی طرح بدھ کو وینس ڈے (Wednesday) سے موسوم کیا گیا ہے اور Weden دراصل عطارد سیارے کے دیوتا کا نام ہے جس کی طرف یہ دن منسوب ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ Weden دیوتا کے ایک بیٹے کا نام (Thor) ہے جو رعد (گرج کڑک) کا دیوتا تھا، اسے سیارہ مشتری کا دیوتا قرار دے کر اس کے نام سے جمعرات کو Thursday سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اور weden دیوتا کی بیوی کا نام فرگ (Frigg) یا (Friga) تھا جو زہرہ سیارے کی دیوی تھی اور اسی مناسبت سے جمعہ کو (Friday) یعنی 'فرگ' دیوی کا دن کہا جانے لگا۔ ہفتہ کو سیچر ریٹر ڈے (Saturday) کہا جاتا ہے اور (Satur) دراصل زحل سیارے کا نام ہے اور یہی اس کا دیوتا ہے۔ چنانچہ اسی سیارے کی طرف ہفتہ کا دن منسوب کر دیا گیا۔

اسی طرح ہندوؤں کے ہاں بھی ہفتہ کے دنوں کو مختلف سیاروں کی طرف منسوب کیا گیا ہے مثلاً اہل ہند

زہرہ سیارے کو 'شکر' کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے جمعہ کو 'شکروار' سے موسوم کیا جاتا ہے اور زحل کو سینچر نام سے پکارتے ہیں اور اسی نسبت سے ہفتہ کو سینچر وار سے پکارتے ہیں۔ اسی طرح انگریزی مہینوں کے نام بھی مختلف سیاروں کی طرف منسوب کر کے رکھے گئے ہیں مثلاً پہلا انگریزی مہینہ جنوری (January) کہلاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ (جنوری) اہل مغرب کے معتقدات کے مطابق، جینس نامی رومن دیوتا کی چونکہ یاد تازہ کرتا ہے لہٰذا اسی دیوتا کر طرف اس مہینے کو منسوب کر دیا گیا۔

مذکورہ بالا تقویموں میں ہفتہ وار دنوں کے نام چونکہ دیوی دیوتاؤں اور سیاروں، ستاروں کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے شرک کا پہلو نمایاں کرتے تھے، اس لیے اسلام نے شرک کی بیخ کنی کرتے ہوئے ان دنوں کی نسبت کسی بھی مخلوق کی طرف کرنے کی بجائے محض عدد پر ان کی بنیاد رکھی تا کہ ان میں شرک کا شائبہ تک نہ ہو۔ اسلامی تقویم کے مطابق ہفتہ وار دنوں کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ یوم الجمعہ (جمعہ)

۲۔ یوم السبت (ہفتہ)

۳۔ یوم الاحد (اتوار)

۴۔ یوم الاثنین (سوموار)

۵۔ یوم الثلثاء (منگل)

۶۔ یوم الاربعاء (بدھ)

۷۔ یوم الخمیس (جمعرات)

اجرام فلکی کے تین بنیادی مقصد

قرآن وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو بنیادی طور پر تین مقاصد کے لیے پیدا فرمایا ہے:

۱)......راستوں اور سمتوں کی معلومات اور وقت کے تعین کے لیے

۲)......آسمان کی زیب وزینت کے لیے

۳)......شیطانوں کو مار بھگانے کے لیے۔

ان مقاصدِ ثلاثہ کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱)......راستوں اور سمتوں کی معلومات اور وقت کے تعین کے لیے

قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے اس کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں:

(۱) : ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴾ [سورۃ الانعام :۹۷]

''اور اسی ذات باری تعالیٰ نے تمہارے لیے ستاروں کو پیدا فرمایا تا کہ تم ان کے ذریعے سے اندھیروں میں، خشکی میں اور دریا میں راستہ معلوم کرو بلاشبہ ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں؛ ان لوگوں کے لیے جو فہم و شعور رکھتے ہیں۔''

(۲) : ﴿ وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ وَعَلٰمٰتٍ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ [سورۃ النحل ۱۵ تا ۱۷]

''اور اس اللہ نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیے تا کہ (وہ زمین) تمہیں ہلا نہ دے اور نہریں اور راہیں بنا دیں تا کہ تم منزلِ مقصود کو پہنچو اور بھی بہت سی نشانیاں مقرر فرمائیں اور ستاروں سے بھی لوگ راہ حاصل کرتے ہیں، تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے، اس جیسا ہے جو پیدا نہیں کر سکتا؟ کیا تم بالکل نہیں سوچتے''۔

(۳): ﴿ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴾ [سورۃ یونس:٦]

''اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ پیدا نہیں کیں۔ وہ یہ دلائل ان کو صاف صاف بتا رہا ہے جو علم و دانش رکھتے ہیں۔''

(٤) : ﴿ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴾ [سورۃ الرحمن:۵]

''سورج اور چاند (مقررہ) حساب سے ہیں''۔

یاد رہے کہ ستاروں اور دیگر اجرام فلکی کے تخلیقی مقاصد میں سے یہی ایک مقصد انسانوں کے لیے مختلف چیزوں کی معلومات کے لیے مفید اور مشروع (جائز) ہے اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس کا تعلق بھی علم ہیئت کی ان مختلف شاخوں سے ہے جن کے ذریعے ماہ و سال کا تعین، اوقات کا تقرر، کیلنڈروں کی تیاری اور سمتوں کے تعین وغیرہ میں مدد اور فائدہ حاصل کیا جاتا ہے جبکہ لوگوں کی تقدیر، کامیابی و ناکامی، فتح و

شکست، وغیرہ جیسی غیبی اور مستقبل کی مخفی باتوں میں ان ستاروں اور سیاروں کا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ ان معاملات میں انہیں مؤثر سمجھنا شرک ہے جیسا کہ آگے احادیث میں آ رہا ہے۔

۲)......آسمان کی زیب وزینت کے لئے

اجرام فلکی کا دوسرا مقصد آسمان کی زیب وزینت ہے، جیسا کہ درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے:

(۱) : ﴿إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ ۨ الْكَوَاكِبِ﴾ [سورة الصافات:٦]

''ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے آراستہ کیا''۔

(۲) : ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ﴾ [سورة الملك:٥]

''بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے زینت والا بنا دیا''۔

(۳) : ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِينَ﴾ [سورة الحجر:١٦]

''یقیناً ہم نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لئے اسے سجا دیا''۔

(٤) : ﴿وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا﴾ [سورة فصلت:١٢]

''اور ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے زینت دی اور نگہبانی کی''۔

۳)......شیطانوں کو مار بھگانے کے لئے

قرآن مجید میں ستاروں کی تخلیق کا تیسرا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہیں ان شیطانوں کے خلاف بطورِ ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آسمانی مجلس سے کوئی بات چرانے کے لیے عالم بالا کا رخ کرتے ہیں، قرآن مجید میں یہ بات مختلف مواقع پر اس طرح بیان ہوئی ہے:

(۱) : ﴿إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ ۨ الْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلٰى وَ يُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُورًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾ [سورة الصافات ٦ تا ١٠]

''ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا اور حفاظت کی سرکش شیطان سے۔ عالم بالا کے فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لئے وہ کان بھی نہیں لگا سکتے۔ بلکہ ہر طرف سے وہ مارے جاتے ہیں بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ مگر جو کوئی ایک آدھی بات اچک کر لے بھاگے تو (فوراً) اس کے پیچھے دہکتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے''۔

(۲) : ﴿ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴾ [سورۃ الحجر: ۱۷تا۱۸]

''یقیناً ہم نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لئے اسے سجادیا گیا اور اسے ہر مردود شیطان سے محفوظ رکھا گیا ہے جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرے اس کے پیچھے دہکتا ہوا (کھلا شعلہ/ٹوٹنے والا ستارہ) لگتا ہے''۔

(۳) : قرآن مجید میں خود جنوں کا اعتراف موجود ہے کہ ستارے ہم پر شعلہ بن کر برستے ہیں:

﴿ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴾ [سورۃ الجن :۸تا۱۰]

''ہم نے آسمان کو ٹٹول کر دیکھا تو اسے سخت چوکیداروں سے بھرا ہوا پایا، اس سے پہلے ہم باتیں سننے کے لیے آسمان میں جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اب جو بھی کان لگاتا ہے وہ ایک شعلے کو اپنی تاک میں پاتا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے''۔

ستاروں کو انسانی قسمت کے ساتھ مربوط سمجھنا شرکیہ عقیدہ ہے

گذشتہ دلائل سے معلوم ہوا کہ ستاروں کی تخلیق کے تین ہی مقاصد ہیں اور ان مقاصد سہ گانہ کے علاوہ ان کا کوئی مقصد نہیں اور نہ ہی انسانی زندگی کی تبدیلیوں یا مستقبل کی باتوں (پیشگوئیوں) سے ان کا تعلق ہے۔ انسانی زندگی میں اگر ان کا کوئی تعلق ہوسکتا ہے تو وہ یہی کچھ ہے کہ ان سے راستوں اور سمتوں کی معلومات اور وقت کے تعین میں مدد لی جاتی ہے اور علم ہیئت (Astronomy) فی الحقیقت اسی مقصد کے حصول کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ علم ہیئت میں جتنی بھی ترقی کی جائے، ہرگز مذموم نہیں۔ لیکن اگر ستاروں کو کائنات کا مؤثر عامل (Factor) سمجھا جانے لگے اور ان کی بنیاد پر مستقبل کی غیبی خبروں کے حصول کے دعوے کئے جانے لگیں تو پھر اسے علم ہیئت سے موسوم نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی قطعیت و حقیقت ہے۔

ستاروں کو انسانی قسمت کے ساتھ مربوط سمجھنا اسلامی نقطۂ نظر سے ایک شرکیہ عقیدہ ہے، اسی لیے اس

طرح کی چیزوں میں وقت ضائع کرنے اور دلچسپی لینے کی ہر صورت کی اسلام سخت مذمت کرتا ہے۔ آئندہ سطور میں اس حوالے سے نبی کریم ﷺ کی چند صحیح احادیث پیش کی جاتی ہیں:

۱)......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِنْ عِلْمِ النُّجُومِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ)) (۱)

''جس شخص نے 'نجوم' کے بارے میں کچھ بھی علم حاصل کیا، اس نے جادو کا ایک حصہ حاصل کیا، جتنا زیادہ علم نجوم سیکھے گا، گویا اتنا ہی زیادہ وہ جادو سیکھنے کے مترادف ہوگا۔''

۲)......حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

((صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلَى إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلَةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ فَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ وَأَمَّا مَنْ قَالَ (مُطِرْنَا) بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِي وَمُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ)) (۲)

''نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ میں ہم کو ایک صبح نماز پڑھائی۔ اس رات بارش ہوئی تھی۔ نماز کے بعد آپ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: معلوم ہے تمہارے رب نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ خوب جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پروردگار نے فرمایا ہے: آج میرے دو طرح کے بندوں نے صبح کی۔ ایک مومن ہیں اور ایک کافر۔ جس نے کہا کہ اللہ کے فضل و رحم سے بارش ہوئی وہ تو مجھ پر ایمان لایا اور ستاروں کا منکر ہوا اور جس نے کہا فلاں تارے کے فلاں جگہ آنے سے بارش ہوئی تو اس نے میرا کفر کیا اور وہ تاروں پر ایمان لایا''۔

۳)......حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُونَهُنَّ ؛ اَلْفَخْرُ فِي الْحِسَابِ وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ وَالنِّيَاحَةُ))

(۱) ابو داؤد، کتاب الطب، باب فی النجوم، ح ۳۹۰۵۔ ابن ماجه، کتاب الادب، باب تعلم النجوم، ح ۳۷۶۶۔

(۲) بخاری، کتاب الاذان، باب یستقبل الامام الناس اذا سلم، ح ۸۴۶۔ ۱۰۳۸۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء ح ۷۱۔ احمد، ج ۴ ص ۱۱۷۔ مؤطا، ج ۱ ص ۱۹۲۔

''دورِ جاہلیت کی چار چیزیں ایسی ہیں جنہیں میری امت نہیں چھوڑے گی؛ اپنے حسب نسب پر فخر کرنا۔ (دوسروں کے) حسب نسب پر طعن کرنا۔ تاروں سے بارش طلب کرنا۔ نوحہ کرنا''۔[1]

۴)......حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِيْ خَصْلَتَيْنِ تَكْذِيْبًا بِالْقَدَرِ وَإِيْمَانًا بِالنُّجُوْمِ))

''مجھے اپنی امت کے بارے میں دو چیزوں کا اندیشہ ہے: ایک تقدیر کی تکذیب کا اور دوسرا نجوم پر ایمان لانے کا''۔[2]

۵)......حضرت ابو محجن رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں تین چیزوں کا ذکر ہے یعنی اس میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِيْ ثَلَاثًا؛ حِيْفُ الْأَئِمَّةِ وَإِيْمَانًا بِالنُّجُوْمِ وَتَكْذِيْبًا بِالْقَدَرِ))

''مجھے اپنی امت کے بارے میں ان تین چیزوں کا خطرہ ہے: (۱) امراء و حکام کا ظلم، (۲) تاروں پر ایمان، (۳) تقدیر کی تکذیب''۔[3]

۶)......حضرت قتادہ تابعیؒ فرماتے ہیں کہ

((خُلِقَ هٰذِهِ النُّجُوْمِ لِثَلَاثٍ جَعَلَهَا زِيْنَةً لِّلسَّمَاءِ وَرُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَعَلَامَاتٍ يُهْتَدٰى بِهَا فَمَنْ تَأَوَّلَ فِيْهَا بِغَيْرِ ذٰلِكَ أَخْطَأَ وَأَضَاعَ نَصِيْبَهُ وَتَكَلَّفَ مَا لَا عِلْمَ لَهُ بِهِ))

''ان ستاروں کو تین مقاصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے: ایک تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان کی خوبصورتی کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ دوسرا شیاطین کو مار بھگانے کے لیے اور تیسرا انہیں راستہ معلوم کرنے کے لیے ذریعہ بنایا ہے۔ لہٰذا جس شخص نے ان (تین مقاصد) کے سوا دیگر باتیں کہیں تو اس نے غلطی کی اور اپنا حصہ تباہ کر لیا اور جو بات غیب کی معلوم نہیں ہو سکتی تھی، اسے معلوم کرنے میں تکلف کیا''۔[4]

(۱) مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء، ح۷۲۔

(۲) ابو یعلیٰ، ح۳۹۱۱۔ مجمع الزوائد، ج۳ ص۱۲۔ امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ امام سیوطیؒ نے بھی اس راویت کو حسن کہا ہے۔ بحوالہ: فتح المجید شرح کتاب التوحید، ص۲۵۷۔

(۳) رواہ ابن عساکر وحسنہ السیوطی، بحوالہ: فتح المجید، ص۲۵۷۔

(٤) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب فی النجوم۔

نجومیوں کے دلائل کا جائزہ

گذشتہ تفصیلات کے بعد اس بات میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ ستاروں اور سیاروں کو انسانی زندگی کے معاملات اور قسمت و تقدیر کے باب میں کوئی تاثیر حاصل نہیں۔ نیز علمِ ہیئت کی جائز صورتوں کے سوا علمِ نجوم اور اس سے متعلقہ چیزوں کا حصول صریح کفر ہے اور نہ صرف نجومی بلکہ ان کے پاس معلومات کے لیے آنے جانے والوں کا ایمان بھی شدید خطرے میں ہے۔ لیکن افسوس کہ قرآن و سنت کی اتنی واضح تعلیمات کے باوجود ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو تاویلاتِ بعیدہ کا سہارا لے کر کفر و شرک پر مبنی ان علوم کو عین اسلامی علوم ثابت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ خود تو گمراہ ہیں ہی، دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔
ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ یہاں ان کی طرف سے وضع کردہ اہم دلائل کا بھی جائزہ پیش کر دیا جائے۔

۱)...... پہلی دلیل

نجومی لوگ عموماً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے یہ بات ذکر کرتے ہیں کہ جناب ابراہیم علیہ السلام ستاروں کی تاثیر کے معتقد تھے اور اس ضمن میں درج ذیل آیات پیش کرتے ہیں:

﴿ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴾[سورة الصافات: ۷۹]

''اب ابراہیم علیہ السلام نے ایک نگاہ (آسمان کے) تاروں کی طرف اٹھائی اور کہا میں تو بیمار ہوں''۔

[یہ اس موقع کی بات ہے جب ان کی قوم نے آبادی سے باہر ایک میلہ منانے کے لیے ان سے کہا کہ آئیے آپ بھی ہمارے ساتھ چلیے تو انہوں نے ستاروں کی طرف دیکھ کر یہ جواب دیا]

جواب

سب سے پہلے تو ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ نجوم پرستی شرک ہے یا نہیں؟ اگر تو یہ شرک ثابت ہو جائے تو اس کا جواب خود بخود ثابت ہو جائے گا کہ انبیاء شرک پھیلانے کے لیے نہیں بلکہ اس کی بیخ کنی کے لیے تشریف لاتے رہے ہیں اور اگر یہ شرک نہیں تو پھر اس کے دیگر پہلوؤں کا جائزہ لینا پڑے گا۔

قرآن و سنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کواکب پرستی اور ستاروں کی تاثیر کو تسلیم کرنا ہر دور میں شرک

کے زمرے میں داخل رہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے پوری تاریخ انسانی میں کبھی بھی اس کی اجازت نہیں دی۔ کیونکہ ستارے بھی دیگر مخلوق کی طرح اللہ کی مخلوق ہیں اور تقدیر الٰہی کے ایسے پابند ہیں کہ اپنے نظام سے (یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے) انحراف نہیں کر سکتے تو پھر یہ دوسروں کی تقدیر میں کیسے دخیل ہو سکتے ہیں؟!

پھر یہ غیر ذی روح مخلوق ہیں، انہیں کوئی حس و شعور نہیں ہے۔ اور غور کیجیے جسے خود اپنی ذات کا شعور نہ ہو وہ کسی دوسرے کے معاملات میں کیا عمل دخل کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں اور دیگر اجرام فلکی کو مخلوق قرار دیتے ہوئے ان کی اس حیثیت کو اچھی طرح واضح فرما دیا تاکہ لوگ ستاروں کو مؤثر سمجھ کر کہیں ان کی پوجا پاٹ نہ شروع کر دیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾[سورة حم السجدة:٣٧]

''دن اور رات، اور سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔تم سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو، بلکہ سجدہ اس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تم واقعی اس اللہ کی عبادت کرنا چاہتے ہو تو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی ہماری طرح مخلوق ہیں اور خدائی اختیارات میں ہرگز اللہ کے شریک نہیں۔ لہٰذا انہیں مؤثر سمجھنا گویا خدائی اختیارات میں شریک کرنا ہے اور اسلام اسے شرک قرار دیتا ہے۔ جب کہ اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حضراتِ انبیاء ہمیشہ کفر و شرک کے خلاف ہی تبلیغ کرتے رہے ہیں۔ اور کسی نبی کے بارے میں ہرگز یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایسی برگزیدہ ہستی سے کبھی کفر و شرک کا کام سرزد ہوا ہو لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا عذرِ مرض کیوں پیش کیا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں کواکب پرستی عروج پر تھی اور ان کی قوم ستاروں کی تاثیر کی زبردست قائل تھی۔ اور اس کے ساتھ وہ شرک کی کئی اور شکلوں مثلاً بت پرستی وغیرہ میں بھی مبتلا تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بتوں کو پاش پاش کرنا چاہتے تھے اور اس کے لیے وہ موقع کی تلاش میں تھے، بالآخر وہ موقع آ ہی گیا کہ ساری قوم میلا منانے کے لیے آبادی سے باہر جانے لگی تو

بعض لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی اپنے ساتھ جانے کی فرمائش کی۔ اگر ابراہیم علیہ السلام بھی ان کے ساتھ چلے جاتے تو یہ بہترین موقع ضائع ہو جاتا اور اگر آپ صاف انکار کر دیتے تو تب بھی خطرہ تھا کہ کہیں قوم میرے ارادے سے خبردار نہ ہو جائے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک ترکیب سوجھی اور انہوں نے آسمان کے ستاروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ میں بیمار ہوں (یا تمہارے ساتھ جانے کی وجہ سے بیمار ہو جاؤں گا)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذہن میں ہرگز یہ بات نہ تھی کہ وہ ستاروں کی تاثیر کے قائل ہیں اور معاذ اللہ ستاروں کا حساب لگا کر اپنی بیماری کو ستاروں کے مرہون منت سمجھ رہے ہوں۔ بلکہ انہوں نے اپنی ستارہ پرست قوم کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لیے ستاروں کی طرف نگاہ ڈالی تھی تا کہ ان کی قوم یہ سمجھے کہ ابراہیم کے ستارے یہ بتاتے ہیں کہ ان کا ہمارے ساتھ میلے کے لیے باہر نکلنا باعثِ مضرت ہے۔

گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں طور یہ وتعریض سے کام لیا اور طور یہ وتعریض کا مفہوم یہ ہے کہ مخاطب ایسے الفاظ استعمال کرے کہ سامع ان کا مفہوم کچھ اور سمجھتا ہو جب کہ مخاطب کے ذہن میں اس کے علاوہ کوئی اور بات ہو۔

مذکورہ بالا جواب بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ کچھ مفسرین نے ایک اور جواب ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ ستاروں یا آسمان کی طرف دیکھنا اہلِ عرب کے ہاں ایک محاورہ ہے جسے ہر اس شخص کے بارے میں استعمال کیا جاتا ہے جو غور وفکر کرے، چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ حضرت قتادہؓ کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ

" والعرب تقول لمن تفکر: نظر فی النجوم، یعنی قتادة: أنه نظر الی السماء متفکرا فیما یلهیهم به"[1]

"یعنی جو شخص غور وفکر کرے، اہل عرب اس کے بارے میں یہ محاورہ استعمال کرتے ہیں کہ نَظَرَ فِی النُّجُوْم (اس نے تاروں کی طرف دیکھا)۔ گویا حضرت قتادہ مذکورہ آیت کی یہ تفسیر کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے غور وفکر کرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا تا کہ وہ اس طرح اپنی قوم کو غلط فہمی میں مبتلا کر سکیں"۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر، ج ۳ ص ۲۱۔ مذکورہ بالا جواب حافظ ابن کثیرؒ کے علاوہ مفسر قرطبیؒ (تفسیر قرطبی، ج ۱۵ ص ۸۲)، امام شوکانیؒ (فتح القدیر، ج ۴ ص ۴۷۴)، اور دیگر مفسرین سے بھی منقول ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے بھی "مفتاح دار السعادة" (ج ۲ ص ۱۹۰) میں اس کا تفصیلی جواب ذکر کیا ہے جو لائق مطالعہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دور میں بھی ایسے نجومی موجود تھے جو قرآن وسنت کی آڑ میں ایسے گمراہ کن نظریات کی ترویج کرتے اور اپنی دوکانداری چمکاتے تھے۔

اس بات کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص کسی اہم بات یا سوال کا جواب دینے کے لیے کچھ لمحے غور وفکر میں گزارتا ہے تو اس دوران وہ زمین یا آسمان کی طرف دیکھتا ہے یا پھر آنکھیں بند کر کے کچھ دیر سوچتا ہے، حالانکہ اس کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ زمین یا آسمان میں کوئی چیز اسے صحیح جواب سے آگاہ کرنے والی موجود ہے جس کی طرف وہ متوجہ ہو رہا ہے بلکہ یہ محض ایک عادت ہے۔ اسی طرح اہل عرب کی یہ ایک عادت تھی کہ وہ آسمان کی طرف دیکھا کرتے تھے۔ لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تاروں کی طرف دیکھنے سے یہ کشید کرنا کہ وہ تاروں کی تاثیر کے قائل تھے، حماقت یا ہٹ دھرمی کے سوا اور کچھ نہیں۔

حضرت ابرہیم علیہ السلام ہر طرح کے شرک کا خاتمہ فرمانا چاہتے تھے!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اس حقیقت سے کوئی بے خبر نہیں کہ وہ بت شکن تھے، انہوں نے اپنے باپ آزر کے بت خانے کو پاش پاش کر دیا۔ جس طرح آپ بت پرستی کے خلاف تھے، اسی طرح کواکب پرستی سے بھی سخت بیزار تھے۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیات اس کی صحیح وضاحت کرتی ہیں:

﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّيْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ وَكَيْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيْنٰهَاۤ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾ [سورة الانعام: ٧٥ تا ٨٤]

"اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ آذر سے فرمایا تھا کہ تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے، بے شک میں تجھ اور تیری ساری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں اور ہم نے

ایسے ہی طور پر ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمین کا نظامِ سلطنت دکھلایا تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا، آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے مگر جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ پھر جب چاند کو دیکھا چمکتا ہوا۔ تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے رب نے اگر مجھے ہدایت نہ دی تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا۔ پھر جب آفتاب کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے، پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا: 'بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں، میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، یکسو ہو کر اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں'۔ اور ان سے ان کی قوم نے حجت کرنا شروع کی۔ آپ نے فرمایا کہ تم اللہ کے معاملے میں مجھ سے حجت کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھ کو طریقہ بتلا دیا ہے اور میں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو، نہیں ڈرتا۔ ہاں، اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے، میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے، کیا تم پھر بھی خیال نہیں کرتے۔ اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنالیا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ سو ان دو جماعتوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے، اگر تم خبر رکھتے ہو۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہ راست پر چل رہے ہیں۔ اور یہ ہماری حجت تھی، جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں، بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا علم والا ہے"۔

۲)......دوسری دلیل

نجومی حضرات کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ستاروں کی قسمیں کھائی ہیں مثلاً:

(۱) : ﴿فَلَآ أُقۡسِمُ بِمَوَٰقِعِ ٱلنُّجُومِ وَإِنَّهُۥ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُونَ عَظِيمٌ﴾ [سورۃ الواقعہ: ۷۴، ۷۵]

"پس میں قسم کھاتا ہوں ستارے کے گرنے کی اور اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے"۔

(۲) : ﴿فَلَآ أُقۡسِمُ بِٱلۡخُنَّسِ ٱلۡجَوَارِ ٱلۡكُنَّسِ﴾ [سورۃ التکویر: ۱۵، ۱۶]

''میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے، چلنے پھرنے اور چھپنے والے تاروں کی''۔

(۳) : ﴿ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ وَمَآ أَدْرٰكَ مَا الطَّارِقُ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴾ [سورة الطارق:۱تا۳]

''قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں روشن ہونے والے (ستارے) کی اور تمہیں معلوم ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے؟ وہ روشن ستارہ ہے۔''

چنانچہ یہ حضرات دلیل کے طور پر کہتے ہیں کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر ان ستاروں کی کوئی تاثیر ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کی قسمیں کیوں کھاتے؟

جواب

یہ بات درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں ستاروں کی قسمیں کھائی ہیں مگر ان قسموں کی بنیاد پر ستاروں کی تاثیر پر استدلال کرنا دو وجوہات کے پیش نظر غلط ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی ان قسموں سے انسانی قسمت کے معاملے میں ستاروں کی تاثیر ثابت ہوتی ہے تو پھر اس منطق کی رو سے ہر اس چیز کی تاثیر بھی تسلیم کر لینی چاہیے جس کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے مثلاً انجیر، زیتون، مکہ مکرمہ، طورِ سینا (پہاڑ)، وقتِ چاشت، سیاہ رات، روشن دن، آسمان، زمین، انسانی نفس، وقتِ فجر، دس (مخصوص) راتیں، جفت، طاق، ہانپتے ہوئے دوڑنے والے گھوڑے، بوقتِ صبح دھاوا بولنے والا لشکر، اور ایسی ہی کئی چیزوں کی اللہ نے قرآن مجید میں قسمیں کھائی ہیں مگر ان تمام چیزوں کی وہ تاثیر یہ نجومی خود بھی تسلیم نہیں کرتے جو یہ ستاروں کی تسلیم کیے بیٹھے ہیں حالانکہ پھر ان کے اسی قاعدے کی رو سے ان ساری چیزوں ہی کو کائنات کا مدبر و منتظم تسلیم کر لینا چاہیے اور (معاذ اللہ) اللہ کو اپنے اختیارات سے سبکدوش سمجھ لینا چاہیے!!

مذکورہ آیات سے اَخذ کیے جانے والے مفہوم کے غلط ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے ان تمام آیات اور احادیث کا ابطال لازم آئے گا جن میں نہایت وضاحت و صراحت کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ستارے اللہ کی مخلوق ہیں۔ زندگی کے اُتار چڑھاؤ میں انہیں کوئی تاثیر حاصل نہیں اور جو انہیں مؤثر سمجھتا ہے، وہ کفر و شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔

۳)...... تیسری دلیل

نجومی حضرات کا کہنا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ خود ان اجرام فلکی کی معلومات حاصل کرنے کی ترغیب دلائی ہے پھر یہ ممنوع کیسے ہوسکتا ہے؟ اس ضمن میں اس طرح کی آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں سورج، چاند اور ستاروں کے حوالے سے راستوں، سمتوں اور وقت کے تعین وغیرہ کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

جواب

یہ بات پہلے بھی واضح کی جا چکی ہے کہ ان آیات کا تعلق علم ہیئت سے ہے اور علم ہیئت کی روشنی میں ماہ و سال کی تعیین، اوقاتِ کار کا تقرر، موسموں کا تعین، سمتوں کی معلومات، کیلنڈروں اور گھڑیوں کی تیاری، سورج اور چاند گرہن کی اطلاع اور اسی نوع کی بہت سی چیزوں کو واضح کرنا بلاشبہ جائز، مشروع بلکہ بعض اہلِ علم کے نزدیک فرض کفایہ ہے لیکن ان طبعی حقائق سے تجاوز کرتے ہوئے لوگوں کی تقدیر و قسمت، خیر و شر، سعادت و نحوست، بخت و شقاوت، مال و دولت، کامیابی و ناکامی، عروج و زوال، فتح و شکست وغیرہ کو ستاروں سے مربوط کرنا اور انہیں اجرام فلکی کا مرہون منت سمجھنا کس قرآنی آیت یا حدیثِ نبویؐ سے ثابت ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ علم ہیئت اور علم النجوم (یعنی علم اثرات النجوم) دو الگ اور جدا علوم ہیں۔ اول الذکر صحیح اور مؤخر الذکر سراسر غلط بلکہ کفر و شرک پر مبنی ہے اور اسلامی شریعت میں اسی مؤخر الذکر سے بارہا منع کیا گیا ہے جبکہ نجومی حضرات علم ہیئت سے متعلقہ دلائل کی آڑ میں علم نجوم کی گنجائش نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور یوں اپنے تئیں عوام کو بے وقوف بناتے ہیں۔

۴)......چوتھی دلیل

حضرت ادریس علیہ السلام کے حوالے سے یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے یہ علم سکھایا تھا اس لیے یہ علم ناجائز نہیں ہوسکتا کیونکہ ایک نبی کو یہ علم عطا کیا گیا تھا اور پھر انہی سے نسل در نسل یہ مسلسل منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔

جواب

نجومیوں کی یہ بات کوئی نئی نہیں، امام ابن تیمیہؒ کے دور میں بھی نجومی یہ دلیل پیش کر کے اپنے علم نجوم کو شرعی علم ثابت کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے اور امام ابن تیمیہؒ نے اس دور میں جو اس کا جواب دیا، وہ نہایت معقول ہے، اس لیے یہاں امام ابن تیمیہؒ کے جواب کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اپنے الفاظ میں اسے نقل کررہے ہیں:

"(امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:) اول تو یہ دعویٰ ہی بلا دلیل ہے کیونکہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے، وہ حضرت ادریس علیہ السلام تک سندِ صحیح سے اس دعوے کو ثابت ہی نہیں کرسکتا مگر یہ لوگ اپنی کتابوں میں 'ہرمس

الہرامسہ سے مراد حضرت ادریس کو لیتے ہیں حالانکہ خود ان کے نزدیک 'ہرمس' اسم جنس ہے (اسم ذات نہیں)، اسی لیے یہ 'ہرمس الہرامسہ' بولتے ہیں۔ اور پھر جو چیزیں یہ اپنے 'ہرمس' سے بیان کرتے ہیں وہ ایسی جھوٹی اور باطل ہیں کہ کوئی بھی مسلمان انہیں سن کر قطعی طور یہی فیصلہ کرے گا کہ یہ جھوٹی اور خود ساختہ باتیں کسی نبی کے شایانِ شان ہرگز نہیں ہوسکتیں۔ اس لیے بلا دلیل ان کی طرف یہ جھوٹ منسوب کیا جاتا ہے جب کہ حضرت ادریس علیہ السلام اس سے بری ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض حضرت ادریس علیہ السلام کو ایسا علم سکھایا گیا تھا تو وہ ان کا معجزہ ہوگا جو خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا ہوگا جبکہ یہ نجومی تو محض اندازوں اور قیاس آرائیوں سے کام لیتے ہیں اور ان کے پاس انبیاء کی باتیں ہرگز نہیں پہنچیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر حضرت ادریس علیہ السلام سے واقعی اس علم کی کوئی بات انہیں پہنچی ہو تو پھر بھی اس بات میں صحیح حصے کے مقابلے میں جھوٹی باتیں کئی گنا بڑھ کر شامل ہوگئی ہیں اور یہ بات بھی قطعی و یقینی ہے کہ ان کے جھوٹ کی آمیزش یہود و نصاریٰ کے جھوٹ کو بھی مات دے گئی ہے۔ وہ اس طرح کہ یہود و نصاریٰ کا دین یقیناً انبیاء و رسل کا لایا ہوا دین ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے تورات، انجیل اور زبور اسی طرح نازل کی ہیں جس طرح قرآن مجید نازل کیا ہے حتی کہ یہاں تک کہا گیا کہ ہم اس بات پر ایمان لائیں کہ ہم سے پہلے ان لوگوں کی طرف بھی انبیا و رسل آتے رہے ہیں جیسا کہ سورۂ بقرۃ (آیت: ۱۳۶) میں ہے لیکن اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں تحریف اور تغیر و تبدل کر دیا لہٰذا جب سچی وحی اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا، باوجود اس کے کہ یہ حضرات ادریس علیہ السلام کے مقابلے میں ہمارے قریب ہیں اور ان اَدیان کے حاملین علم نجوم کے حاملین سے بڑی تعداد رکھتے ہیں اور یہ نجومیوں کے مقابلے میں نسبتاً کم اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور یومِ آخرت کا کم انکار کرنے والے ہیں، لیکن اس کے باوجود جب یہود و نصاریٰ اور ان کی آسمانی تعلیمات کا یہ حال ہے تو حضرت ادریس علیہ السلام کے آسمانی علم کا کیا حال ہوا ہوگا جبکہ ہمیں یہ بھی علم ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف منسوب کیے جانے والے علم میں تحریف و تکذیب یہود و نصاریٰ کے علم سے کئی گنا زیادہ ہے اور جب ہم یہود و نصاریٰ کی ہر بات کو تسلیم نہیں کرسکتے تو ان نجومیوں کی ہر بات کو کیسے تسلیم کرلیں؟

چوتھی بات یہ ہے کہ علم نجوم کی دو قسمیں ہیں: ایک حساب (یعنی علم ہیئت) اور دوسری احکام (یعنی اثرات النجوم) سے تعلق رکھتی ہے۔ علم حساب (علم ہیئت) تو اجرام فلکی کے مابین مسافت اور ان کی حرکت وگردش وغیرہ کی معلومات پر موقوف ہے یا اسی طرح کی کچھ اور باتیں اس میں شامل ہیں جو بلا ریب صحیح ہے۔ جبکہ اس کی دوسری قسم (اثرات النجوم) جادو سے تعلق رکھتی ہے اور یہ بات ناممکن ہے کہ کوئی نبی جادوگر رہا ہو۔ اس دوسری قسم میں ستاروں کی پرستش بھی کی جاتی ہے اور کئی شرکیہ امور بھی کئے جاتے ہیں جبکہ کوئی بھی نبی نہ شرک کرتا ہے اور نہ شرکیہ علوم حاصل کرسکتا ہے۔ اس لیے شرک پر مبنی علم کو جن لوگوں نے حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے، وہ ایسے ہی ہے جیسے بعض لوگوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جادو کو منسوب کردیا تھا حالانکہ وہ جادوگر ہرگز نہیں تھے۔ اسی طرح ان لوگوں نے یہ علم حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف منسوب کردیا ہے حالانکہ آپ نجومی ہرگز نہیں تھے''۔ [1]

نجومیوں کی پیش گوئیوں اور زائچوں وغیرہ کا تجزیہ

علم ہیئت (فلکیات/Astronomy) کے حوالے سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ اس میں اجرام سماوی کی ہیئت، حرکت اور رفتار وغیرہ کی مدد سے سمتوں کا تعین، ماہ وسال کی تقسیم، موسموں کے اندازے، سورج اور چاند گرہن کی حقیقت، تاریخ اور اس جیسی دیگر معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ جبکہ علم نجوم اس سے بالکل جدا ہے کیونکہ اس کی بنیاد نہ شرعی تعلیمات پر ہے، نہ قطعی حقائق پر اور نہ ہی مشاہدات وتجربات پر۔ بلکہ اس میں محض اٹکل پچو اور بے تکی قیاس آرائیوں ہی سے کام لیا جاتا ہے کیونکہ نجومی ستاروں کی گردش اور ان کے ایک مدار/منزل، یا برج سے دوسرے برج میں داخل ہونے کی تاریخوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ دیکھا کرتے تھے کہ اس دوران دنیا میں کس کس طرح کے واقعات رونما ہوتے رہے ہیں، پھر چند ایک واقعات کی بنیاد پر یہ تسلیم کرلیتے کہ فلاں مخصوص ستارے کی فلاں مخصوص گردش کے دوران فلاں خطے، علاقے، یا نسل کے لوگوں کے فلاں فلاں اچھے یا برے معاملات متوقع ہیں۔ پھر انہی پر اعتماد کرتے ہوئے پیش گوئیاں اور غیب کے دعوے کرنے لگتے اور بظاہر لوگوں کی خیر خواہی کے لیے انہیں مشورے دیتے کہ اپنے کاروبار، شادی، سفر، یا دیگر معاملات میں ہم سے راہنمائی ضرور لو، تاکہ ہم زائچے بنا کر ستاروں کی مدد سے یہ بتاسکیں کہ آپ

(۱) دیکھیے: مجموع الفتاویٰ، لابن تیمیہ، ج۳۵ ص۱۰۹ تا ۱۱۱۔

کے مطلوبہ کام کے لیے کون سا وقت اور تاریخ سازگار ہو سکتی ہے حتیٰ کہ کاروبار، شادی، یا سفر، وغیرہ میں ناکامی یا نقصان کی وجہ بھی یہی بتائی جانے لگی کہ ہم سے پیشگی معلومات حاصل کرنے کے لیے رابطہ نہیں کیا گیا تھا، اسی لیے یہ خمیازہ بھگتنا پڑا ہے......!!

بنیادی طور پر نجومیوں کا علم اوران کے دعوے، چار نکات میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں:

۱)......اٹکل پچو!

نجومیوں کی پیشگوئیاں دراصل اٹکل پچو، تخمینے، اور اندازے پر مبنی ہوتی ہیں جیسا کہ مؤرخ ابن خلدونؒ نے اس کی اس طرح وضاحت کی ہے کہ

''بعض لوگوں کی رائے ہے کہ حواس کو معطل کئے بغیر بھی غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں مثلاً نجومی تاروں کے اثرات سے، فلکی اوضاع سے، عناصر میں تاروں کے گہرے اثرات سے اور تاروں کے باہمی تناظر وغیرہ سے جو عناصر کے طبعی امتزاج پر اثر انداز ہوتے ہیں، کے ذریعے غیب کی باتیں معلوم کر لیتے ہیں۔ حالانکہ نجومی غیب سے قطعی نابلد ہوتے ہیں۔ یہ جو کچھ بتاتے ہیں محض گمان و قیاس اور صرف اندازے ہوتے ہیں جو تاروں کے فرضی اثرات پر مبنی ہوتے ہیں...... بالفرض اگر علم نجوم ثابت بھی ہو جائے تو یہ بجز اٹکل و قیاس اور گمان و وہم کے اور کچھ بھی نہیں''۔ [۱]

یہاں یہ بات مدنظر رہے کہ اگر کسی چیز کا جواب دو صورتوں میں سے کسی نہ کسی طرح ایک صورت سے متعلق ہو تو وہاں ہر انسان کا اندازہ غلط یا صحیح میں سے ایک تو ضرور ہوگا مثلاً اگر کسی چیز کا جواب ہاں یا نہ میں ہو تو محض اندازے سے جواب دینے میں درستگی یا غلطی میں سے ہر پہلو کا امکان ہے کیونکہ اس کے علاوہ تیسری کوئی صورت ہی نہیں۔

اسی طرح ہر شخص کی شادی کامیاب یا ناکام دونوں میں سے کسی ایک کی طرف ضرور لوٹتی ہے، کاروبار میں فائدہ یا نقصان دو پہلوؤں میں سے ایک بہرحال ضرور سامنے آتا ہے اور اسی طرح دیگر معاملات کی حالت ہے۔ چونکہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ایسے معاملات میں ہر انسان کا اندازہ صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔ لہٰذا یہ اندازہ لگانے والا خواہ نجومی ہو یا کاہن، یا وہ انسان بذاتِ خود، بہرصورت اس میں کوئی قطعیت نہیں بلکہ محض [illegible] کا [illegible] ہے۔ اور اگر اس اندازے کے حصول کے لیے کسی پیشہ ور نجومی کی خدمات حاصل کی

(۱) مقدمہ ابن خلدون، ج۱ ص ۳۲۱۔

جائیں تو وقت کے ساتھ مال کا ضیاع بھی یقینی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت میں ایسے فضول اٹکل پچوؤں اور اندازوں وتخمینوں سے منع کر دیا گیا ہے۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ جو نجومی ستاروں کو انسانی قسمت میں دخیل سمجھتے ہیں، ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں کہ اگر دو یا دو سے زیادہ بچے ایک ہی وقت میں پیدا ہوں تو علم نجوم کے حساب سے ان کی قسمت بالکل ایک سی ہونی چاہیے، مگر سب کو معلوم ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ دو جڑواں بھائیوں کی قسمت بھی ایک سی نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص ستاروں کو انسانی قسمت میں دخیل سمجھتا اور ان فضولیات پر یقین کرتا ہے تو اس بے وقوف پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔

۲)...... علم غیب

نجومیوں کی پیش گوئیوں میں دوسرا بنیادی نکتہ علم غیب کا دعویٰ ہے، حالانکہ ہر پہلو سے ان کے اس دعوے کی تردید کی جا سکتی ہے۔ آپ بطور تجربہ کسی نجومی کے پاس جائیں اور اپنا جوتا ہاتھ میں پکڑ کر اس سے پوچھیں کہ بتاؤ تمہارا علم نجوم اس بارے میں کیا کہتا ہے کہ میں اپنا جوتا تمہارے سر پر ماروں گا یا نہیں؟ اول تو وہ آپ کے اس سوال سے بوکھلا جائے گا اور آپ کی منت سماجت کرنے لگے گا کہ بھائی میری دوکانداری خراب نہ کرو۔ اگر بالفرض وہ کچھ جرأت کر کے ہاں یا نہ میں جواب دے تو آپ اس کے برعکس اقدام کریں!

ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ غیب کا علم اللہ کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾

''کہہ دیجئے کہ آسمان والوں اور زمین والوں میں سے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی غیب نہیں جانتا، اور یہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے''۔ [سورۃ النمل: ٦٥]

اسی طرح ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

﴿قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [سورۃ الاعراف: ١٨٨]

''(اے نبیؐ!) آپ فرما دیں کہ میں اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، سوائے اس

کے جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب دان ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان یا تکلیف نہ پہنچتی، میں تو محض اہلِ ایمان کو (جہنم سے) ڈرانے والا اور (جنت کی) خوشخبری دینے والا ہوں"

اس آیت میں خاتم النبیین، سید الاولین والآخرین جناب محمد رسول اللہ ﷺ اعلان فرمار ہے ہیں کہ میں غیب دان نہیں ہوں جبکہ ان نجومیوں کے دعوے کسی طرح بھی غیب دانی سے کم نہیں ہوتے، خواہ یہ زبان سے اقرار کریں یا نہ۔ سوچیے کیا یہ انبیاء سے بھی معاذ اللہ آگے بڑھ گئے ہیں......!

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو غیب دان ہوگا، وہ لا محالہ کسی تکلیف کا شکار نہیں ہوگا جبکہ یہ نجومی اور کاہن اپنے تیئں بیماری، فقیری محتاجی، وغیرہ کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ اور اگر انہیں واقعی غیب کا علم ہوتا تو یہ اس طرح فٹ پاتھوں اور سڑکوں پر خاک نہ پھانکتے......!!

۳)...... کہانت اور جادو سے مدد

نجومیوں کی پیش گوئی میں تیسری بنیادی بات یہ سمجھ آتی ہے کہ بعض نجومی، کاہنوں، جادوگروں اور شیطانوں سے بھی معلومات حاصل کرتے ہیں مثلاً جب کوئی شخص ان نجومیوں کے پاس جاتا ہے تو وہ شیطانوں (جنوں) اور اپنے دیگر چیلے چانٹوں کے ذریعے آنے والے شخص کے گھریلو حالات، افرادِ خانہ کی تعداد، کاروبار کی صورتحال اور اس جیسی بعض دوسری ضروری چیزوں کی معلومات پہلے ہی حاصل کر لیتے ہیں اور پھر سائل کو متاثر کرنے کے لیے ان چیزوں کا اس طرح اظہار کرتے ہیں کہ گویا وہ اپنے علم کے ذریعے یہاں بیٹھے بٹھائے ہی ان ساری چیزوں سے باخبر ہیں اور اس طرح وہ سائل کو اپنا گرویدہ بنا کر اپنی دوکانداری خوب چمکاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کے باوجود ان کی باتیں اور پیشگوئیاں اکثر و بیشتر جھوٹی ہی نکلتی ہیں (جیسا کہ آگے اس کی تفصیل اور مثالیں آرہی ہیں) لیکن لوگ جہالت و توہم کی وجہ سے ان کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔

۴)......چالاکیاں اور تضاد بیانیاں!

عوام کو متاثر کرنے اور گاہکوں کو رام کرنے کے لیے نجومی حضرات نہایت چالاکی اور ہوشیاری سے کام لیتے ہیں۔ یعنی اپنی پیشگوئی میں ایک طرف سائل کے فائدے کی نشان دہی کریں گے تو دوسری طرف اسی سائل کے لیے غیر محسوس انداز میں نقصان کا اندیشہ بھی ظاہر کر دیں گے اور اگر اس سائل کو فائدہ پہنچے تو فوراً

اپنا لوہا منوانے کے لیے کہیں گے کہ ہم نے کہا نہیں تھا کہ تمہیں اس کام میں ضرور فائدہ ہوگا اور اگر نقصان ہو جائے تو پھر بھی ان نجومیوں نے اپنا رستہ کھلا رکھا ہوتا ہے اور فوراً کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس سفر یا شادی وغیرہ میں نقصان کا اندیشہ ہے......!!

گویا اس طرح یہ دونوں صورتوں میں سچے ثابت ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور جاہل لوگ ان کی چالاکی اور تضاد بیانی کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اگرچہ ہفتہ وار میگزینوں، ماہناموں اور اخبار و جرائد میں نجومیوں کے مضامین، سوالوں کے جوابات اور ان کی پیش گوئیوں وغیرہ کو ذرا گہرائی سے سمجھنے یا ان کے ریکارڈ کو محفوظ کرنے سے یہ حقیقت بخوبی سمجھی جا سکتی ہے یا پھر خود ایسے دوکانداروں کے پاس جا کر یا ان کا شکار ہونے والے گاہکوں سے مل کر بھی ان کی چالاکیوں اور غلط بیانیوں کے بارے میں تسلی و تشفی حاصل کی جا سکتی ہے لیکن اس ترقی یافتہ دور میں بھی عوام ایسی جہالت اور توہم پرستی کا شکار ہے کہ ان حقائق کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہی نہیں......!

یہاں ہم چند ایک مثالوں کے ذریعے اس حقیقت کو مزید آشکارا کیے دیتے ہیں:

میرے سامنے اس وقت روزنامہ جنگ کا سنڈے میگزین (28 اپریل تا 4 مئی 2002) ہے جس میں برج حمل (21 مارچ تا 21 اپریل) کے پس منظر میں ایک نجومی اس طرح پیش گوئی کرتا ہے:

''کسی جذباتی لغزش کے باعث رسوائی کا اندیشہ ہے، محتاط رہیں۔ سفر کے حسب منشاء نتائج حاصل ہو سکیں گے۔ کاروباری پوزیشن قدرے غیر مستحکم رہے گی۔ خاندان کے بزرگوں سے وابستہ توقعات پوری ہونے کا امکان نہیں ہے۔ گھریلو ماحول خوشگوار رہے گا۔ ٹریفک قوانین پر سختی سے عمل کریں۔ اس ہفتے کا موافق عدد چار ہے''۔

قارئین کرام! اگر عدل و انصاف کے ساتھ برج حمل کے پس منظر میں اسی پیش گوئی کا ملک بھر کے دیگر نام نہاد نجومیوں کی برج حمل سے متعلقہ اسی سال کی پیشگوئیوں سے تقابل کریں تو عجیب اتفاق ہوگا کہ کسی ایک نجومی کی پیش گوئی بھی دوسرے سے میل نہیں کھاتی۔ حالانکہ پورے ملک میں فٹ پاتھوں سے لے کر عالیشان دفتروں میں بیٹھے ایسے سینکڑوں ہزاروں نجومی، پیش گوئیاں کرنے والے موجود ہیں۔ بہر صورت ان کی تضاد بیانیاں واضح کرنا ایک تفصیل طلب کام ہے، اس وقت صرف ایک نجومی کی پیش گوئی (جو اوپر بیان کی گئی ہے) میں موجود تضاد بیانیوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

اس پیش گوئی میں نجومی نے نفع ونقصان دونوں پہلوؤں کو ایک ساتھ بیان کیا ہے حالانکہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ ہر انسان کو نفع یا نقصان دونوں صورتوں سے ہر وقت کسی نہ کسی شکل میں ضرور واسطہ پڑتا ہے۔
اب اس پیش گوئی میں ایک طرف یہ ہے کہ ''کسی جذباتی لغزش کے باعث رسوائی کا اندیشہ ہے''۔اور دوسری طرف اس کے برعکس یہ دعویٰ بھی ہے کہ ''گھریلو ماحول خوشگوار رہے گا''۔حالانکہ یہ دونوں صورتیں متضاد ہیں۔اس لیے کہ اگر کسی انسان کی معاشرے میں عزت ہی نہ رہے اور اسے ہر سو رسوائی کا سامنا رہے تو اس کا گھریلو ماحول خوشگوار کیسے رہ سکتا ہے......؟!
اسی طرح ایک طرف تو پیش گوئی کی جا رہی ہے کہ ''سفر کے حسب منشاء نتائج حاصل ہو سکیں گے'' اور دوسری طرف یہ بھی اطلاع ہے کہ ''کاروباری پوزیشن قدرے غیر مستحکم رہے گی''!
اس میں تضاد یہ ہے کہ ایک طرف سفر کی کامیابی کا دعویٰ ہے اور وہ سفر کاروبار کی غرض سے بھی ہو سکتا ہے بلکہ اکثر و بیشتر سفر کاروبار ہی کی غرض سے کیے جاتے ہیں۔اور کاروبار میں نفع ہی بنیادی طور پر مطلوب ہوتا ہے۔یعنی اس پیشگوئی کے مطابق نفع ضرور حاصل ہوگا اور دوسری طرف سے نقصان کا اندیشہ اُس میں اس طرح سے کر دیا گیا کہ ''کاروباری پوزیشن قدرے غیر مستحکم رہے گی'' اور غیر مستحکم کا معنی ہے کہ نقصان ہو گا۔اب خود ہی فیصلہ کر لیجیے کہ ایک طرف فائدے کی طرف اشارہ ہے اور ساتھ ہی نقصان کا اندیشہ بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ نفع یا نقصان میں سے ایک پہلو تو ضرور سامنے آئے گا اور جو پہلو بھی سامنے آئے گا، اسے بنیاد بنا کر یہ نجومی اپنے آپ کو سچا منوانے کی کوشش کریں گے!
یہ پیش گوئی کہ ''سفر کے حسبِ منشا نتائج حاصل ہوں گے'' اس میں ایک اور چالاکی ہے کہ یہاں اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی کہ اس سفر سے مراد کون سا سفر ہے؟ تعلیمی، تجارتی، تفریحی، یا کوئی اور سفر؟ یہ وضاحت اس لیے نہیں کی گئی کہ مذکورہ سفروں میں سے اگر کسی میں نقصان ہو یا مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو سکیں تو ایسی صورت میں اپنی حقیقت اور کذب بیانی کو چھپانے کے لیے کم اَز کم نجومی صاحب یہ تو کہہ سکیں گے کہ اس سفر سے میری مراد تفریحی سفر تھا جبکہ آپ نے تجارتی سفر کیا ہے، لہٰذا میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔اور اس کے برعکس اگر آپ نے تفریحی سفر میں نقصان اٹھایا ہے تو نجومی کے پاس یہ جواب تیار ہوگا کہ کامیابی کی امید تو اُس سفر میں تھی جو تفریح کے علاوہ ہوتا......!!
اسی طرح یہ پیش گوئی کہ ''کاروباری پوزیشن قدرے غیر مستحکم رہے گی''......اس پیش گوئی میں لفظ

'قدرے' قابل غور ہے یعنی نہ تو واضح طور پر نقصان کی پیشگوئی ہے اور نہ ہی نفع کی۔ اب اگر نجومی کے گاہک کو کاروبار میں بالفرض نقصان پہنچ جائے تو اس کا ایسے نجومی پر یقین و اعتماد بڑھ جائے گا اور اگر اسے کاروبار میں نفع ہو تو اس کی بھی اس عبارت میں گنجائش موجود ہے کیونکہ 'قدرے غیر مستحکم کاروبار' کا واضح طور پر نفع یا نقصان سے کوئی تعلق نہیں، اب ایک شخص کو کاروبار میں نفع ہوتا ہے مگر وہ نفع اصل سرمائے میں ضم ہو جانے یا اُدھار حالت میں ہونے کی وجہ سے تاجر کے ہاتھ میں نقدی کی صورت میں نہیں ہوتا اور 'مال کو مال کھینچتا ہے' کے فارمولے کے تحت تاجر کے پاس جتنی زیادہ نقدی ہوگی، اسے اتنا ہی مالی فائدہ اور ترقی حاصل ہوگی اور اسے اس صورت میں اپنا کاروبار مستحکم ہوتا نظر آئے گا جبکہ مذکورہ دو صورتوں (یعنی ادھار یا سرمائے میں ضم ہو جانے) کے نفع کو تاجر لوگ عموماً نفع شمار ہی نہیں کرتے اور ان کی زبان سے اکثر و بیشتر یہی سننے کو ملے گا کہ کاروبار ٹھپ ہیں...... دوکانداری مندی ہے...... یا اسے نجومی کی زبان میں "کاروبار قدرے غیر مستحکم ہے" بھی کہا جا سکتا ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے مگر نجومی دونوں صورتوں میں ہوشیاری دکھانے کی کوشش کرتا ہے......!!

قارئین! یہ سچ ہے کہ نجومیوں کی پیشگوئیوں میں تقریباً اسی طرح کے دھوکے بازیاں، چالاکیاں اور فریب کاریاں پنہاں ہیں جنہیں ذرا سے غور و فکر سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے مگر افسوس کہ ہمارے سادہ لوح عوام اس طرف مطلق توجہ نہیں دیتے اور نجومیوں کی پیدا کردہ گمراہیاں دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ انہی گمراہیوں کے انسداد کے لیے ہماری شریعت نے مطلق طور پر ان نجومیوں، کاہنوں، عاملوں اور جادوگروں کے پاس جانے ہی سے روک دیا تاکہ عامۃ الناس کہیں ان سے متاثر ہو کر راہِ ہدایت سے بھٹک نہ جائیں۔

مذکورہ مثال سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ اپنے تئیں جھوٹا ثابت کرنے والوں کے لیے لاکھوں روپے کے انعام اور چیلنج کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے کہ انہوں نے کمال ہوشیاری کے ساتھ اپنے دعووں میں ایسی باتیں رکھی ہوتی ہیں جن کے ذریعے یہ اپنے آپ کو جھوٹا ثابت ہی نہیں ہونے دیتے......!!

......☆......

باب ۱۰

علم رمل اور اس کی شرعی حیثیت

'رمل'.....عربی زبان کا لفظ ہے جس کا لغوی معنی 'ریت' ہے اور اسے علم رمل اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی مدد سے ریت پر کچھ نشانات لگا کر غیبی باتیں معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، عامل لوگ یہ عمل ریت پر کیا کرتے تھے تو اسی مناسبت سے اسے 'علم رمل' کہا جانے لگا۔

حاجی خلیفہ اس علم کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ

"وهو علم يعرف به الاستدلال على أحوال المسئلة حين السوال بأشكال الرمل وهي اثنا عشر شكلا على عدد البروج وأكثر مسائل هذا الفن أمور تخمينية مبنية على التجارب فليس بتمام الكفاية "[1]

''یعنی یہ ایک ایسا علم ہے جس میں بوقتِ سوال کسی مسئلہ کی نوعیت کے مطابق ریت پر مختلف شکلیں بنائی جاتی ہیں اور ان سے اس مسئلہ کو معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ آسمانی بروج کے مطابق بارہ شکلیں ہوتی ہیں۔ اس علم کے مسائل محض ایسے اندازوں پر مشتمل ہوتے ہیں جو تجربے سے حاصل ہوتے ہیں لیکن یہ علم کوئی فائدہ نہیں دیتا۔''

اسی طرح نواب صدیق بن حسن فرماتے ہیں کہ

''اس علم کے اکثر و بیشتر مسائل ظن و تخمین اور تجربے پر مبنی ہوتے ہیں جو مخفی امور میں یقین کے لئے مفید اور کفایت کے لئے مسلم نہیں ہوتے''۔[2]

علم رمل کا استعمال

ابن خلدونؒ اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں کہ

''اس علم کا خلاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے نقاط سے چار مرتبوں والی شکلیں وضع کی ہیں، جو مراتب

(۱) کشف الظنون، ج۱ص۹۱۲۔ (۲) ابجد العلوم، ج۲ص۴۹۴۔

زوجیت وفردیت میں مختلف ہوتی ہیں اور متفق بھی، چنانچہ انہوں نے سولہ شکلیں وضع کی ہیں جو یہ ہیں:
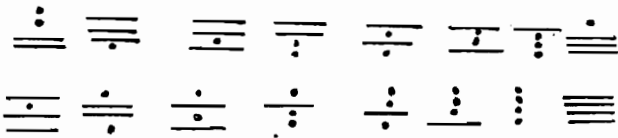
ہر شکل کا ایک خاص نام ہے اور ہر ایک شکل کے مخصوص منسوبات ہیں اور تاروں کی طرح کوئی سعد ہے کوئی نحس۔ انہوں نے ان شکلوں کے اپنے زعم کے مطابق 16 گھر مقرر کیے ہیں۔ گویا یہ 16 خانے؛ بارہ تو فلکی بروج ہیں اور چار اوتاد ہیں اور ہر شکل ایک خانہ سے مخصوص ہے اور ہر خانہ مخصوص عالم عناصر پر دلالت کرتا ہے۔ غرضیکہ انہوں نے علم نجوم کے مقابلہ میں اسی طرح ایک مخصوص فن ایجاد کر لیا ہے اور نجوم ہی کی طرح اس سے غیب کی باتیں معلوم کرتے ہیں......

جب 'رمال' اپنے زعم باطل میں کسی غیب کی خبر معلوم کرنا چاہتے ہیں تو کاغذ یا ریت یا آٹا لیتے ہیں اور نقاط کی چار سطریں بناتے ہیں۔ اسی طرح چار چار سطریں بنا کر 16 سطریں کر لیتے ہیں۔ پھر ہر سطر کے نقاط کو 2 سے تقسیم کر لیتے ہیں۔ اگر تقسیم پوری ہو جاتی ہے تو جفت (-) ورنہ طاق (٠) رکھ دیتے ہیں...... اس طرح ہر سطر سے ایک مرتبہ اور ہر چار سطروں سے ایک مکمل شکل بن جاتی ہے اور 16 شکلوں سے چار شکلیں بن جاتی ہیں جن کو امہات کہا جاتا ہے۔ اس طرح زائچہ کی 16 شکلیں مکمل ہو جاتی ہیں پھر پندرھویں شکل کے نقطہ کی رفتار سے سعادت ونحوست کا حکم لگاتے ہیں خواہ شکل یا خانہ جس میں شکل واقع ہے، بذاتِ خود سعد ونحس ہو!"۔ (۱)

علاوہ ازیں ابنِ خلدون اس پر تنقید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

"لیکن یہ صنعت جیسا کہ آپ نے غور کیا ہوگا محض دعویٰ ہی دعویٰ اور صرف ڈھکوسلہ ہی ہے"۔ (۲)

گذشتہ اقتباسات سے معلوم ہوا کہ علم رمل فضول اندازوں اور تخمینوں پر مبنی ہے اور حقائق سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ علاوہ ازیں اس علم کا ماہر بھی وہی ہو سکتا ہے جو نجومی بھی ہو کیونکہ اس کا علم نجوم سے گہرا تعلق ہے جبکہ علم نجوم کی شرعی حیثیت اس سے پہلے واضح ہو چکی ہے کہ وہ ناقابلِ اعتبار، ممنوع اور حرام ہے۔ اسی طرح

(۱) مقدمہ ابن خلدون، مترجم اردو، ج۱ ص ۳۲۱، ۳۲۲۔

(۲) ایضاً۔

علم رمل بھی فضول ہے۔ دورِ حاضر میں علم رمل نے کئی عجیب شکلیں اختیار کر رکھی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مختلف دعاؤں اور قرآنی سورتوں کو ملا کر رملی (عامل) حضرات یہ عمل کرتے ہیں اور گویا اس طرح وہ عوام کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم قرآنی اور روحانی عمل کر رہے ہیں......!!

اس سلسلے میں اردو دائرۃ المعارف میں ''علم رمل'' کا مقالہ نگار 'رملیوں' کے طریق کار کے بارے لکھتا ہے:

''ایک نابالغ لڑکے کو پاک ریت پر کھڑا کیا جائے جس پر کسی کا پاؤں نہ پڑا ہو، ریت پر آیت الکرسی اور معوذتین پڑھ کر دم کیا جائے اور پھر یہ دعا پڑھی جائے:

أللهم انی اسئلك بكل اسم دعاك به احد من خلقك قائما أو قاعدا أو راكعا أو ساجدا فی السموات والأرض أو فی البحر أو فی البر و بین منی و عرفات وعندالمقام وبيتك الحرام فی خلاء أو فی ملاء فی ظلمات اللیل أو فی ضوء النهار فسمعت دعاء ه و كشفت بلاء ه أسئلك أن ترينی حاجتی فی هذه الخطوط بحول بینك و قوة أنك علی كل شیئ قدير ☆

......جب یہ دعا پڑھ چکے تو ریت پر انگلی سے نقطے بنا تا جائے مگر انہیں گنا نہ جائے، اگر نقطے اچھی طرح نمایاں نہ ہوں تو انہیں برابر کر کے از سرِ نو شروع کیا جائے۔ عمل کے لئے ریت کا پاک ہونا اور لڑکے کے جسم پر زخم کا نشان نہ ہونا ضروری ہے۔ عمل مرد اور عورت دونوں کے لئے کیا جا سکتا ہے، جس دن پانی برس رہا ہو یا تیز ہوا چل رہی ہو اس دن عمل نہ کیا جائے۔ عمل کرنے کا وقت صبح سے ظہر تک ہے، عصر تک منع ہے، ضرورتاً شام کی نماز تک جائز ہے''۔ (۱)

علم رمل کی شرعی حیثیت

بعض رمّالیوں (عاملوں) کا کہنا ہے کہ علم رمل شرعاً جائز ہے بلکہ ایک نبی کی سنت بھی ہے لہٰذا اس علم سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس دلیل کا جائزہ لینے سے پہلے یہ بات واضح رہے کہ واقعتاً بعض صحیح احادیث میں یہ ذکر ملتا ہے کہ کسی نبی کو اللہ تعالیٰ نے خطوط سے متعلقہ کوئی علم سکھایا تھا، جیسا کہ حضرت معاویہ سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

☆ واضح رہے کہ میرے علم کے مطابق قرآن وحدیث سے اس دعا کا کوئی ثبوت نہیں ملتا (مصنف)۔

(۱) اردو دائرۃ المعارف، ج ۱٤ ص ۳۱۸۔

''میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ! ہم لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اور ہم میں سے بعض لوگ کاہنوں (عاملوں) کے پاس جاتے ہیں......؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ان کے پاس نہ جایا کرو''۔

میں نے کہا کہ ''ہم میں سے بعض لوگ بدشگونی لیتے ہیں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا کہ

''یہ ایسی چیز ہے جو انسان کے دل میں اچانک پیدا ہوتی ہے لیکن جب ایسا (برا) خیال آئے تو اس کے مطابق عمل نہ کرو''۔

میں نے کہا کہ

''بعض لوگ علم رمل سے (یعنی خط کھینچ کر) عمل کرتے ہیں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا کہ

((كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ))

''نبیوں میں سے ایک نبی ایسے تھے جو خط کھینچا کرتے تھے، جس شخص کا خط ان کے خط کے موافق ہو تو وہ درست ہو سکتا ہے''۔ (۱)

اس حدیث میں اگرچہ واضح طور پر علم رمل کو حرام نہیں کہا گیا لیکن آپ ﷺ کا بیان اس کی حرمت و ممانعت ہی کی طرف اشارہ کرتا ہے، جیسا کہ فقہائے اسلام نے اس حدیث کے سیاق وسباق کی روشنی میں اس کی یہی تشریح کی ہے، بطورِ مثال چند ائمہ کے اقوال ملاحظہ کیجئے:

ا)......اس حدیث کی تشریح میں امام نوویؒ رقمطراز ہیں کہ

''اس حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جس شخص کا خط اس نبی کے خط کے موافق ہو جائے تو پھر یہ علم اس کے لئے جائز ہے لیکن ہمیں یقینی طور پر کیسے علم ہوگا کہ اس شخص (رمالی) کا خط اس نبی کے خط کے موافق ہو گیا ہے؟ چونکہ اس کا کوئی ذریعہ نہیں لہٰذا یہ علم (رمل) ناجائز ہے اور آپ ﷺ کا مقصود بھی اس کی حرمت کی طرف اشارہ کرنا تھا لیکن آپ ﷺ نے واضح طور پر اسے حرام اس لئے نہ کہا کہ کہیں کوئی شخص اس سے یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ وہ نبی کسی حرام کام کا ارتکاب کرتے تھے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا

(۱) مسلم، کتاب المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ، ح۵۳۷۔ بیہقی، ج۲ص ۲۵۰۔ احمد، ۲/ ۳۹۴۔

کہ تم میں سے اگر کسی کا خط اس نبی کے موافق ہو تو پھر ٹھیک ہے۔ لیکن تمہیں تو اس نبی کے خط کا علم ہی نہیں"۔ (۱)

۲)...... امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ

"اس حدیث میں علم رمل کو ممنوع قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ ایک نبی کا معجزہ تھا جو اٹھالیا گیا لہٰذا ہمیں اس علم کے درپے ہونے سے منع کر دیا گیا"۔ (۲)

۳)...... قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ

"یہ احتمال بھی ہے کہ ہماری شریعت میں علم رمل کو منسوخ قرار دیا گیا ہو"۔

اس کے بعد امام نوویؒ ان الفاظ میں فیصلہ نقل فرماتے ہیں کہ

" فحصل من مجموع كلام العلماء فيه الأتفاق على النهى عنه الأن"

یعنی "مذکورہ علماء کے اقوال سے معلوم ہوا کہ اب یہ علم (رمل) متفقہ طور پر حرام ہے"۔ (۳)

لہٰذا علم رمل جس نبی کو سکھایا گیا تھا، وہ ان کے لئے اس دور کا معجزہ تھا اور وہ علم بھی انہی کی ذات تک موقوف رہا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھالیا تو ان کے ساتھ اس معجزاتی علم کو بھی اٹھالیا اور اس کے بعد یہ علم کسی کو نہیں دیا گیا بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض مشرک لوگ علم رمل کے ذریعے 'عمل' کیا کرتے تھے تو ان کے بارے میں --- بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ --- یہ آیت نازل ہوئی کہ

﴿ ائْتُونِي بِكِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ أَوْ أَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ [الاحقاف: ٤] (٤)

"اس سے پہلے کی کوئی آسمانی کتاب یا اس علم کی کوئی دلیل و علامت پیش کرو اگر تم سچے ہو؟"

گویا اہل عرب کو چیلنج کیا گیا کہ اگر اس علم کی کوئی سند اور دلیل تمہارے پاس ہے تو اسے پیش کرو مگر ان میں سے کوئی ایک رملی (عامل) بھی اس کی دلیل پیش نہ کر سکا تو آج یہ کوئی دلیل کیسے پیش کر سکتے ہیں!!

لہٰذا یہ علم اب جھوٹ ہی پر مبنی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

......☆......

(۱) شرح مسلم للنووی، ج۲٦ ص ٥۔ (۲) ایضاً۔ (۳) ایضاً۔

(٤) مسند احمد، ج۲ ص ۳۹٤۔ طبری، ۳۱۲۲۲۳۔ الدر المنثور، ج٦ ص ٤۔ مجمع الزوائد، ج۱۱۳۳٥۔ تفسیر ابن کثیر، ج٤ ص ۲۳٦۔

باب ۱۱

بدشگونی، نحوست اور فالنامے

[۱]...... بدشگونی اور بدفالی (تَطَیُّر) کیا ہے؟

عربی زبان میں بدشگونی کے لئے لفظ تَطَیُّر استعمال ہوتا ہے۔ یہ طَیر (ط ی ر) سے مشتق ہے اور طَیْرًا (یعنی مصدر، از طَیَرَ، بروزن: ضرب) کا معنی ہے: پرندے کا اڑنا۔[۱]

اہل عرب دورِ جاہلیت میں پرندوں کے دائیں یا بائیں جانب اڑنے پر اپنے سفر وغیرہ کا انحصار کیا کرتے تھے یعنی اگر گھر سے بوقتِ روانگی یہ دیکھتے کہ اچانک کوئی پرندہ دائیں جانب کو اڑا ہے تو وہ اسے اپنے سفر کے لئے مبارک سمجھتے اور اس سے نیک شگون لیتے، لیکن اگر اس کے برعکس پرندہ بائیں جانب اڑتا ہوا دیکھ لیتے تو اس سے برا شگون لیتے اور اس روز سفر ترک کر دیتے۔ اگرچہ یہ توہم پرست اہل عرب اس دور میں دیگر بہت سی چیزوں سے بھی شگون لیتے تھے مگر ان کا شگون زیادہ تر پرندوں پر موقوف تھا، اس لئے پرندوں کی مناسبت سے اس طرح کے شگون کے لئے لفظ تَطَیُّر مستعمل ہو گیا۔

حافظ ابن حجرؒ اہل عرب کی بدشگونی کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ

”وأصل التطير أنهم كانوا فى الجاهلية يعتمدون على الطير فاذا خرج أحدهم لأمر فان رأى الطير طار يمنة تيمن به واستمر وان رأه طار يسرة تشاء م به ورجع و ربما كان أحدهم يهيج الطير ليطير فيعتمدها فجاء الشرع بالنهى عن ذلك“[۲]

” تَطَیُّر (بدشگونی) یہ ہے کہ دورِ جاہلیت میں لوگ پرندوں پر اعتماد کرتے اور جب ان میں سے کوئی شخص سفر کے لئے روانہ ہونے لگتا تو دیکھتا کہ اگر پرندہ اس کے دائیں جانب اڑا ہے تو وہ اسے اپنے

---

(۱) دیکھیے: لسان العرب، قاموس المحیط، المنجد، النهاية، بذیل مادہ 'طیر'۔

(۲) فتح الباری، ج ۱۰ ص ۲۱۳۔

لئے اچھا سمجھتے ہوئے اپنا سفر جاری رکھتا اور اگر وہ پرندے کو بائیں جانب اڑتے دیکھتا تو اس سے برا شگون لیتا اور سفر موقوف کر کے واپس لوٹ جاتا اور کبھی بھار وہ اس مقصد کے لئے خود پرندے کو اڑا کر اپنی قسمت آزماتے کہ یہ دائیں پرواز کرتا ہے یا بائیں۔ جب اسلام آیا تو اس نے اس عمل کو باطل قرار دے دیا''۔

احادیث میں اسی کو زَجْرُ الطَّیْرُ کہا گیا ہے یعنی پرندے کو اس مقصد کے لئے اڑانا کہ اگر وہ دائیں جانب اڑے تو اسے اپنے آئندہ کام میں اچھا سمجھا جائے اور اگر بائیں جانب اڑے تو اسے اپنے لئے برا سمجھا جائے حالانکہ یہ محض وہم اور وسوسہ ہے جس کا تقدیر سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر تقدیر میں اس سفر (یا کام) میں بھلائی اور نفع مقدر ہے تو وہ مل کر رہے گا اور اگر خدانخواستہ مصیبت یا نقصان مقدر ہے تو پھر (سوائے دعا کے) اسے کوئی چیز ٹال نہیں سکتی۔

صاحب مفتاح (طاش زادہ کبریٰ) علم الطیرۃ (بدشگونی) کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ''یہ فال کی ضد ہے یعنی فال میں کسی کام کے کرنے کا شگون لیا جاتا ہے جبکہ اس میں کسی کام کے نہ کرنے کا شگون لیا جاتا ہے۔ یہ شگون اس طرح لیا جاتا ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی بات کو دیکھتا یا سنتا ہے جو اسے ناپسند معلوم ہوتی ہے حالانکہ طبعی طور پر وہ ناپسندیدہ نہیں ہوتی اور جو چیزیں طبعی طور پر ناپسندیدہ ہوتی ہیں مثلاً لوہے کے کوٹنے کی آواز یا گدھے کی آواز (وغیرہ) انہیں ناپسند کرنا بدشگونی نہیں کہلاتا''۔ (۱)

دورِ جاہلیت میں بدشگونی کی مختلف صورتیں

اہل علم نے دورِ جاہلیت میں مروجہ اہل عرب کی بدشگونی کی بہت سی صورتیں ذکر کی ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ پرندوں کے دائیں جانب اڑنے سے اچھا شگون اور بائیں جانب اڑنے سے برا شگون لیا جاتا تھا۔ اس مقصد کے لئے بسا اوقات کنکر مار کر کسی پرندے کو اڑا کر دیکھا جاتا کہ یہ دائیں جانب پرواز کرتا ہے یا بائیں جانب تاکہ حسب شگون عمل کیا جا سکے۔

۲۔ پرندوں کے علاوہ بعض مخصوص جانوروں سے بھی شگون لیا جاتا مثلاً ہرن اگر دائیں جانب بھاگتا تو اسے

(۱) مفتاح السعادۃ، ج۲ ص۳۳۸۔

اپنے سفر کے لئے اچھا سمجھتے اور اگر بائیں جانب بھاگتا تو اس سے برا شگون لیتے۔

۳۔ بعض لوگ مخصوص جانوروں اور پرندوں کی بولیوں سے برا شگون لیا کرتے جن میں کوا، اُلو، فاختہ، کتا، شیر وغیرہ نمایاں تھے۔

۴۔ بعض لوگ مختلف چیزوں کو منحوس سمجھتے اور ان سے اجتناب کی کوشش کرتے مثلاً ماہ صفر کو منحوس سمجھتے اور اس مہینے میں سفر نہ کرنے کا شگون لیتے۔

۵۔ بعض لوگ مخصوص دنوں، تاریخوں، جانوروں، سواریوں، مکانوں، جگہوں، انسانوں، قبیلوں اور عورتوں کو منحوس سمجھ کر بدشگونی لیتے۔

۶۔ بعض مخصوص پیشوں اور ہنروں کو منحوس سمجھ کر براشگون لیتے اور اس پیشہ سے متعلقہ افراد سے ملاقات کو برا خیال کرتے۔

۷۔ بعض نام اور الفاظ بھی ان کے ہاں برے سمجھے جاتے اور انہیں کسی موقع پر اچانک سن لینے پر وہ براشگون لیتے مثلاً اگر لفظ سَوْسَنَة (یہ سَوْس سے ہے جس کا معنی ہے اون یا لکڑی کھانے والا کیڑا) سنتے تو اس سے یہ براشگون لیتے کہ سُوْءٌ یَبْقٰی سَنَةً یعنی اب ایک سال تک مصائب کا شکار رہیں گے۔ اسی طرح لفظ یَاسمین (چنبیلی) سنتے تو اس سے یَاس (یعنی ناامیدی) اور مین (یعنی جھوٹ) کا شگون لیتے۔

۸۔ کسی اندھے، بھینگے، مریض اور مفلوج وغیرہ کو دیکھ کر بھی براشگون لیتے۔

۹۔ بعض پھلوں، درختوں، پتھروں اور نگینوں وغیرہ سے بھی شگون لیا جاتا تھا۔[1]

دورِ جاہلیت میں شگون اور فال باقاعدہ پیشہ تھا

بدشگونی کی مذکورہ صورتیں انفرادی طور پر جاہل و مشرک اہل عرب میں پائی جاتی تھی اور پورے عرب میں اس کا چلن عام ہوا کرتا تھا حتیٰ کہ آہستہ آہستہ اس نے مستقل پیشہ کی حیثیت اختیار کر لی۔ اردو دائرۃ المعارف میں 'علم فال' کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ

''چونکہ یہ علم فنی نوعیت کا تھا اس لئے اس کے اجارہ دار وہ لوگ بن گئے جنہیں ترقی یافتہ اور منظم سماج میں

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: كتاب الحيوان، للجاحظ، ج۷ ص ۱۵۰۔ اسد الغابة، ج۲ ص ۳۸۰۔ تاريخ الامم و الملوك، ج۱۵ ص ۲۶۰۹۔ اردو دائرة المعارف، ج۱٤ ص۴۹۷۔ الكامل فى التاريخ، ج۵ ص۲٤۷۔ العقد الفريد، ج۱ ص ۲۲٦۔ عيون الاخبار، ج۲ ص ۱٤۸۔

'پروہت' کا منصب حاصل تھا۔ بدوی عرب کی چندروزہ خانہ بدوشانہ تہذیب میں ایسے پروہتوں کے طبقے کا وجود محال نظر آتا ہے جو پرندوں کی آواز اور ان کی بولیوں کی تفسیر میں مہارت رکھتے ہوں''۔ (۱)

دورِ جاہلیت میں ان چیزوں کا کتنا رواج تھا، اس کا اندازہ قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتا ہے جس میں ان چیزوں کو حرام قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ [سورة المائدة : ۹۰]

''اے ایمان والو! یہ شراب، جوا، آستانے اور پانسے (یعنی قسمت معلوم کرنے کے تیر) یہ سب گندے شیطانی کام ہیں لہٰذا ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاسکو''۔

اسی طرح ایک اور آیت میں اسے حرام کہا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ﴾ [سورة المائدة:۳]

''(نیز ہر وہ چیز بھی حرام ہے) جس میں فال کے تیروں سے تم اپنی قسمت معلوم کرو، یہ سب گناہ کے کام ہیں''۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

''اَزلام سے مراد وہ تیر ہیں جن سے وہ لوگ اپنے کاموں میں فال نکالتے تھے اور اپنی قسمت کا حال معلوم کیا کرتے تھے''۔ (۲)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ

''ابن جریر کا کہنا ہے کہ دورِ جاہلیت میں لوگ تیروں کے ساتھ فال گیری کیا کرتے تھے اور یہ تین طرح کے تیر ہوتے تھے جن میں ایک پر اِفْعَلْ (کرلو) لکھا ہوتا، دوسرے پر لَا تَفْعَلْ (یعنی یہ کام نہ کرو) لکھا ہوتا اور تیسرے پر کچھ نہ لکھا ہوتا۔ 'فرا' کے بقول ایک پر اَمَرَنِیْ رَبِّیْ (یعنی میرے رب نے مجھے اس کے کرنے کا حکم دیا ہے) لکھا ہوتا، دوسرے پر نَهَانِیْ رَبِّیْ (یعنی میرے رب نے مجھے اس سے منع فرمایا ہے) لکھا ہوتا اور تیسرا خالی ہوتا۔ جب کسی کو اہم کام درپیش ہوتا تو وہ فال گیری کرتا۔ اگر پہلی قسم کا

---

(۱) دائرۃ المعارف اردو، ج ۱۰ص ۹ ٤ ٤۔

(۲) بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله : انما الخمر و المیسر و الانصاف و الازلام۔ ابن کثیر، ج ۲ ص ۱۸۔

تیر نکلتا تو مطلوبہ کام کیا جاتا، دوسری قسم کا تیر نکلتا تو مطلوبہ کام چھوڑ دیا جاتا اور اگر تیسری قسم کا تیر نکلتا تو پھر دوبارہ تیر نکالا جاتا"۔ (۱)

سیرت کی کتابوں میں بعض ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دور جاہلیت میں لوگ انفرادی طور پر بھی فال نکال کرتے تھے اور بسا اوقات کسی کاہن و عامل کی خدمات بھی حاصل کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں کتب سیرت میں یہ واقعہ بڑا معروف ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ نے انہیں دس لڑکے عطا کیے اور وہ سب کے سب اس عمر کو پہنچے کہ ان کا بچاؤ کر سکیں (یعنی جوان ہو سکے) تو وہ ایک لڑکے کو کعبہ کے پاس قربان کر دیں گے اور جب عبدالمطلب کے لڑکوں کی تعداد پوری دس ہوگئی اور وہ بچاؤ کرنے کے لائق ہو گئے تو عبدالمطلب نے قسمت کے تیروں پر ان سب کے نام لکھے اور ان تیروں کو ہبل بت کے قیم (نگران) کے حوالے کیا۔ قیم نے تیروں کو گردش دے کر قرعہ نکالا تو حضرت عبداللہ کا نام نکلا۔ عبدالمطلب نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا، چھری لی اور ذبح کرنے کے لئے خانہ کعبہ کے پاس لے گئے لیکن قریش اور خصوصاً حضرت عبداللہ کے ننھیال والے یعنی بنو مخزوم اور عبداللہ کے بھائی ابوطالب آڑے آئے۔ عبدالمطلب نے کہا تب میں اپنی نذر کا کیا کروں؟ انہوں نے مشورہ دیا کہ وہ کسی عرافہ و کاہنہ خاتون کے پاس جا کر حل دریافت کریں۔

عبدالمطلب ایک عرافہ کے پاس گئے، اس نے کہا کہ عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کریں۔ اگر عبداللہ کا نام قرعہ میں نکلے تو مزید دس اونٹ بڑھا دیں۔ اس طرح اونٹ بڑھاتے جائیں اور قرعہ اندازی کرتے جائیں یہاں تک کہ اللہ راضی ہو جائے، پھر اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے تو انہیں ذبح کر دیں۔ عبدالمطلب نے واپس آ کر عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی مگر قرعہ عبداللہ کے نام نکلا۔ اس کے بعد وہ دس دس اونٹ بڑھاتے گئے اور قرعہ اندازی کرتے گئے مگر عبداللہ کے نام ہی قرعہ نکلتا رہا۔ جب سو اونٹ پورے ہو چکے تو پھر قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ اب عبدالمطلب نے انہیں عبداللہ کے بدلے ذبح کیا اور وہیں چھوڑ دیا"۔ (۲)

علاوہ ازیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین بسا اوقات ذاتی طور پر خود ہی فال نکال لیا

---

(۱) فتح الباری شرح صحیح البخاری، بذیل: کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ المائدۃ۔

(۲) الرحیق المختوم، ص۹۸۔ بحوالہ: سیرت ابن ہشام، ج۱ ص۱۵۱ تا ۱۵۵۔

کرتے تھے مثلاً ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا واقعہ ہجرت بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ
''سراقہ بن مالک بن جعشم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کیا، سراقہ خود کہتے ہیں کہ میں نے اپنا گھوڑا دوڑایا تاکہ جلد از جلد آپ کو جا پکڑوں، جب میں آپ کے قریب پہنچ گیا تو گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں گر گیا۔ میں نے اٹھ کر اپنا ہاتھ اپنے ترکش میں ڈالا۔ اس سے تیر نکال کر یہ فال نکالی کہ میں آپ کو نقصان پہنچاؤں یا نہ پہنچاؤں مگر فال میں وہ چیز نکلی جو مجھے پسند نہ تھی تاہم میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور فال کی کوئی پروانہ کی''۔[1]

دورِ حاضر میں بدشگونی کی مختلف صورتیں

وہ تمام صورتیں جو دورِ جاہلیت میں توہم پرستی کی بنیاد پر لوگوں میں پائی جاتی تھیں اور اسلام نے انہیں باطل قرار دے کر ان کی بیخ کنی فرمادی تھی، وہ آہستہ آہستہ پھر مسلمانوں میں لوٹ آئی ہیں۔ اگرچہ اس کی بعض شکلیں قدرے مختلف ہیں لیکن اصلیت کے اعتبار سے بدشگونی کی جدید و قدیم صورتوں میں قدرے اشتراک بہرحال موجود ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں ذکر کی جاسکتی ہیں مگر از راہِ اختصار چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ ضعیف العقیدہ لوگ کس طرح بدشگونی لیتے ہیں:

۱۔ اکثر لوگ گھر کی منڈیر (دیوار) پر کوے کے بولنے سے کسی مہمان کے آنے کا شگون لیتے ہیں۔
۲۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جس کو جھاڑو کے ساتھ مارا جائے، اس کا جسم سوکھ جاتا ہے۔
۳۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شام کے وقت اگر کوئی مرغا اذان دے تو اسے ذبح کر لو کیونکہ یہ اچھی چیز کی علامت نہیں ہے۔
۴۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ کی ہتھیلی میں خارش ہونے سے مال و دولت ملتا ہے اور تلوے میں خارش ہونے یا جوتے پر جوتا چڑھنے سے سفر درپیش ہوتا ہے۔
۵۔ بعض لوگ صبح کے وقت کسی خاص چیز، جگہ یا خاص جانور کا نام لینا منحوس اور برا سمجھتے ہیں۔
۶۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مرد کی بائیں اور عورت کی دائیں آنکھ پھڑکنے سے کوئی مصیبت، دکھ یا تکلیف پیش آئے گی اور اگر اس کے برعکس مرد و زن کی دوسری آنکھ پھڑکے، تو یہ کسی خوشی کی علامت ہے۔
۷۔ بعض لوگ مخصوص سالوں، مہینوں اور مخصوص دنوں کو منحوس سمجھتے ہوئے بدشگونی لیتے ہیں۔

(۱) صحیح البخاری، باب ھجرۃ النبی ﷺ۔ مسند احمد، ج٤ ص ١٧٥، ١٧٦۔

۸۔بعض لوگ کسی خاص عدد سے برا اور اس کے برعکس کسی اور خاص عدد سے اچھا شگون لیتے ہیں۔

۱۰۔دیہاتوں میں بعض عورتیں چکی کا قبضہ ہاتھ سے چھوٹنے پر مہمان کے آنے کا شگون لیتی ہیں۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسی چیزیں، صورتیں اور حالتیں ہیں جن سے مہذب وغیر مہذب، جاہل و عالم، دیہاتی وشہری مختلف قسم کے لوگ مختلف قسم کا شگون لیتے ہیں حالانکہ اچھائی اور برائی، خوشی اور غمی، آسانی اور تنگی وغیرہ صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔کوئی چیز بذات خود ان خواص کی حامل نہیں ہوتی لہٰذا کسی چیز کو تقدیر کے معاملات میں دخیل سمجھنا جہالت ہی نہیں بلکہ بسا اوقات یہ عمل کفر وشرک کی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے اور کسی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ تقدیر پر ایمان لانے کے باوجود ایسی توہمانہ باتوں کا شکار ہو۔

بدشگونی حرام ہے

اسلامی تعلیمات کے مطابق بدشگونی کی تمام صورتیں غلط ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں۔کسی چیز سے برا، یا اچھا شگون لینے سے قرآن وسنت میں صاف ممانعت کی گئی ہے۔آئندہ سطور میں اس سلسلہ کے چند دلائل ذکر کیے جاتے ہیں:

قرآنی دلائل

(۱) : ﴿ وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ فَإِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هٰذِهٖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [سورة الاعراف: ۱۳۰، ۱۳۱]

’’اور ہم نے فرعون والوں کو مبتلا کیا قحط سالی میں اور پھلوں کی کم پیداواری میں، تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔پس ان پر جب خوشحالی آجاتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لئے ہونا ہی چاہیے اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے۔یاد رکھو کہ ان کی نحوست اللہ تعالیٰ کے پاس ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے‘‘۔

مذکورہ آیت میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ آل فرعون کو اگر بھلائی، اچھائی اور دنیاوی فوائد حاصل ہوتے تو وہ کہتے کہ یہ ہماری محنت کی وجہ سے حاصل ہوئے ہیں یا یہ کہ یہ ہمارا حق تھا لیکن اگر اس کے برعکس دنیاوی نقصانات کا سامنا ہوتا تو فوراً کہہ دیتے کہ یہ سب اس شخص (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی وجہ سے ہوا

ہے۔گویا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) منحوس خیال کرتے تھے اور آپ کی موجودگی سے بدشگونی لیتے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح تمام اچھائیاں اللہ کی طرف سے حاصل ہوتی ہیں، اسی طرح نقصان بھی اسی کے حکم سے ہوتا ہے یعنی خیر وشر کے تمام اسباب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔

(۲) : ﴿ وَكُلَّ اِنسَانٍ اَلزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ﴾ [سورۃ بنی اسرائیل: ۱۳]

''ہم نے ہر شخص کا پروانہ خیر وشر اس کی گردن میں لٹکا دیا ہے''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسانی قسمت کی اچھائی اور برائی اللہ کی طرف سے طے کردہ ہے، برائی کو کسی چیز کی نحوست کا اثر قرار دینا غلط ہے۔

(۳) : ﴿ قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّاۤ اِلَیْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ وَمَا عَلَیْنَاۤ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ قَالُوْۤا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِكُمْ لَىٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَیَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ قَالُوْا طَآىٕرُكُمْ مَّعَكُمْ اَىٕنْ ذُكِّرْتُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ [سورۃ یٰسٓ:۱۶تا۱۹]

''ان (رسولوں) نے کہا کہ ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ بے شک ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر (رب کا پیغام) پہنچا دینا ہے۔انہوں نے کہا کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں، اگر تم باز نہ آئے تو ہم پتھروں سے تمہارا کام تمام کردیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی۔ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے۔کیا اسی کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی جائے!، بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو''۔

جس طرح قومِ فرعون نے اپنی بدحالی، قحط سالی اور دیگر نقصانات کا ذمہ دار حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا اور ان کی موجودگی سے براشگون لیا، اسی طرح دیگر بہت سے رسولوں اور نبیوں کی قوموں نے بھی اپنے پیغمبروں سے براشگون لیا جیسا کہ مندرجہ بالا آیات سے واضح ہے اور اسی طرح قومِ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں کہا:

(٤) : ﴿ قَالُوا اطَّیَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ قَالَ طٰٓىٕرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ﴾

''وہ کہنے لگے کہ ہم تو تیری اور تیرے ساتھیوں کی بدشگونی لے رہے ہیں۔آپ (صالحؑ) نے فرمایا: تمہاری بدشگونی اللہ کے ہاں ہے بلکہ تم فتنے میں پڑے ہوئے لوگ ہو''۔[النمل:۴۷]

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے دور میں منافقین کی بھی یہی روش تھی جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں ہے:

(۵) : ﴿ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ [سورة النساء:۷۸]

''اور اگر انہیں کوئی بھلائی ملتی تو کہتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہہ اٹھتے کہ یہ تیری طرف سے ہے۔ انہیں کہہ دو کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے''۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ انبیاء ورسل جیسی برگزیدہ ہستیوں کو کفار ومنافقین ہمیشہ (معاذ اللہ) منحوس خیال کرتے ہوئے ان کے وجود پاک سے براشگون لیتے اور اس زعم باطل میں وہ اپنے نبیوں کو قتل کرنے کے درپے بھی ہوئے۔ حالانکہ انبیاورسل اپنی قوموں کو بت پرستی، کفروشرک اور تمام اخلاقی برائیوں سے منع کیا کرتے تھے جبکہ ان کی قومیں اپنی عادات سے تائب ہونے کے لئے تیار نہ تھیں اور الٹا ان پاک باز ہستیوں کے بارے میں گستاخانہ باتیں کرتی تھیں (الا من رحم ربی)

بالخصوص جب وہ کسی آسمانی یا زمینی آفت وحادثہ کا شکار ہوتے تو انہیں اپنے کفریہ وشرکیہ اعمال کا نتیجہ قرار دینے کی بجائے ان نیک ہستیوں (انبیاء) کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتے کہ تمہاری اس بت پرستی کے خلاف دعوت وتبلیغ کی وجہ سے ہمارے بت اور دیوتا ناراض ہوگئے ہیں اور ہمیں شر کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ یہی بات بیان کی کہ خیر وشر کا تعلق تقدیر سے ہے اور جو لوگ انبیاء کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں، بھلائی اور کامیابی انہی کا مقدر ہے جبکہ اس کے برعکس کفروشرک کے مرتکب دنیا وآخرت میں نقصان ہی اٹھائیں گے۔

اَحادیث سے دلائل

درج ذیل اَحادیث میں واضح طور پر بدشگونی کی مذمت کی گئی ہے:

(۱) : ((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ ، اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ، ثَلاَثًا وَمَا مِنَّا اِلاَّ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ))(۱)

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی الطیرة، ح۳۹۱۰۔ جامع الترمذی، ح۱۶۱٤۔ سنن ابن ماجه، ح۳۵۳۸۔ ابن حبان، ح۶۱۲۲۔ مسند احمد، ج۱ ص۴۳۸۔ مسند طیالسی، ۳۵۶۔ مشکل الآثار، ۱/ ۳۵۸۔ حاکم، ۱/ ۱۷، ۱۸۔ الادب المفرد، ۹۰۹۔ حافظ ابن حجرؒ نے امام بخاریؒ کے استاذ سلیمان بن حرب کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ''وما منا'' سے آخر تک کا کلام حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہے جو اس روایت میں 'مدرج' (راوی کی طرف سے الحاقی کلام) کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ دیکھیے: فتح الباری، ۱۰/ ۲۱۳۔

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے تین بار فرمایا:''بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے(پھر فرمایا) اور ہم میں سے ہر شخص کے دل میں برا شگون پیدا ہوسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے دور فرما دیتے ہیں''۔

(۲) : ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : لَا عَدْوٰى وَ لَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: متعدی بیماری، بدشگونی، الو اور صفر (دوسرے اسلامی مہینے) کی نحوست کا تصور غلط ہے''۔(۲)

اس حدیث میں بیماری کے متعدی ہونے (یعنی ایک سے دوسرے کو لگنے) کی بظاہر نفی کی گئی ہے، جب کہ بعض روایات سے متعدی بیماری کے وجود کا ثبوت بھی ملتا ہے۔اس لیے یہاں یہ بات یاد رہے کہ آنحضرت ﷺ نے جس چیز کی نفی فرمائی، وہ اہلِ عرب کا یہ تصور تھا کہ بیماریاں بذاتِ خود ایک سے دوسرے کو لگ جاتی ہیں حالانکہ کوئی بیماری اللہ کے حکم و مرضی کے بغیر کسی دوسرے کو (اَز خود) نہیں لگ سکتی۔اسی چیز کو آپؐ نے ان لفظوں سے بیان کیا کہ لَا عَدْوٰی...گویا آپ کی مراد یہی تھی کہ کوئی بھی بیماری خواہ اس میں کتنے ہی متعدیانہ اثرات کیوں نہ ہوں، اس وقت تک کسی کو نہیں لگ سکتی جب تک کہ اللہ کی مرضی نہ ہو۔گویا آپ نے بیماریوں کے متعدیانہ اثرات سے انکار نہیں کیا، نیز دیگر روایات سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے بعض بیماریوں کے متعدیانہ اثرات سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

اس حدیث میں دوسری چیز 'الھامۃ' ہے اس کا ترجمہ بعض اہل علم نے پرندہ اور بعض نے خاص اُلو مراد لیا ہے اور یہ وضاحت کی ہے کہ اہل عرب کے ہاں یہ عقیدہ پایا جاتا تھا کہ اگر کسی مقتول کے قاتل سے بدلہ نہ لیا جائے تو مقتول کی لاش، یا روح، یا ہڈیاں پرندے یا الو کی شکل اختیار کر کے چیخ و پکار کرتی رہتی ہے اور یہ چیخ و پکار مقتول کے ورثا کے لیے پریشانی اور بے چینی کا باعث بن جاتی ہے مگر جب قاتل سے بدلہ لے لیا جائے تو پھر یہ پرندہ خود بخود غائب ہو جاتا ہے۔آنحضرت ﷺ نے اہلِ جاہلیت کے اس تصور کی بھی نفی فرمائی۔

اسی طرح اس حدیث میں 'صفر' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کی وضاحت کرتے ہوئے بعض اہل علم نے

(۱) بخاری، کتاب الطب، باب الجذام، ۵۷۰۷۔ مسلم، ح ۲۲۲۰۔

کہا ہے کہ اس سے اہل جاہلیت پیٹ کی کوئی بیماری مراد لیتے تھے، جس کے بارے میں ان کا تصور یہ تھا کہ یہ کسی کیڑے سے پیدا ہوتی ہے اور انسان کے لیے جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔ نیز وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ دیگر بیماریوں سے زیادہ متعدی اثرات رکھتی ہے۔ آنحضرتؐ نے ان کے اس تصور کی نفی فرمائی کہ نہ ایسی کوئی بیماری ہے اور نہ اس کے ایسے متعدی اثرات۔ نیز زندگی موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

جب کہ بعض اہل علم نے صفر سے دوسرا اسلامی مہینا مراد لیا ہے اور حدیث کی یہ وضاحت کی ہے کہ جاہلیت میں لوگ صفر کے بارے میں عجیب وغریب تصورات رکھتے تھے۔ محرم کے مہینے کو تو مقدس سمجھتے اور قتل وغارت وغیرہ سے اجتناب کرتے لیکن اگر محرم کے مہینے میں کوئی ایسی حرکت کرنا پڑ جاتی تو پھر اسے صفر تصور کر کے اپنا مقصد پورا کر لیتے اور صفر کا مہینا شروع ہوتا تو اسے محرم تصور کر لیتے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ان کے اس تصور کی نفی فرمائی۔

(۳) : ((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ اَوْ تُطُيِّرَ لَهٗ اَوْ تَكَهَّنَ اَوْ تُكُهِّنَ لَهٗ اَوْ سَحَرَ اَوْ سُحِرَ لَهٗ وَمَنْ اَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ))(۱)

''حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے فال نکالی یا فال نکلوائی، یا کہانت کا کام کیا یا اپنے لئے کروایا، یا جادو کیا یا کسی سے جادو کروایا، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں اور جو شخص کسی 'عامل' کے پاس گیا اور اس کی باتوں پر یقین کیا تو اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے''۔

(٤) : ((عَنْ قَبِيصَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اَلْعِيَافَةُ وَالطِّيَرَةُ وَالطَّرْقُ مِنَ الْجِبْتِ))(۲)

''حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی سنا کہ علم رمل اور پرندوں کو اڑا کر یا کسی اور چیز سے بدشگونی لینا 'جبت' ہے''۔

جبت میں کفر وشرک، بت پرستی اور جادو وغیرہ تمام مفہوم پائے جاتے ہیں۔ گویا آپ ﷺ نے 'جبت' کہہ کر ان تمام چیزوں کی مذمت فرمائی ہے۔

---

(۱) مسند بزار، ح ۳۵٤۳۔ المعجم الکبیر، ج ۱۷ ص ۳۵۵۔

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی الخط و زجر الطیر، ح ۳۹۰۷۔ ابن حبان، ح ۶۱۳۱۔

(۵) : ((عَنِ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ اِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَا عَدْوٰی وَلَا طِيَرَةَ))[(۱)]

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امراض میں چھوت چھات کی اور بدشگونی کی کوئی اصل نہیں''۔

(٦) : ((عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا عَدْوٰی وَلَا طِيَرَةَ وَ يُعْجِبُنِيَ الْفَالُ، قَالُوْا وَمَا الْفَالُ؟ قَالَ: اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ))[(۲)]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: چھوت لگنا کوئی چیز نہیں اور بدشگونی (کی کوئی حقیقت) نہیں ہے، البتہ نیک فال مجھے پسند ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: نیک فال کیا ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اچھی بات منہ سے نکالنا یا کسی سے اچھی بات سن لینا''۔

(۷) : ((عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَا عَدْوٰی وَلَا طِيَرَةَ وَلَا غُوْلَ))[(۳)]

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: متعدی بیماری اور بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں اور جن بھوت بھی (اللہ کی مرضی کے بغیر) کچھ نہیں کر سکتے''۔

(۸) : ((عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ: لَاهَامَةَ وَلَا عَدْوٰی وَلَا طِيَرَةَ وَاِنْ تَكُنِ الطِّيَرَةُ فِيْ شَيْءٍ فَفِي الْفَرَسِ وَالْمَرْاَةِ وَالدَّارِ))[(٤)]

''حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ الو، متعدی بیماری اور بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں اور اگر کسی چیز سے برا شگون لیا جاتا تو وہ گھوڑا، گھر اور عورت ہوتی''۔

(۹) : ((عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ! اُمُوْرًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ كُنَّا نَاْتِي الْكُهَّانَ قَالَ: فَلَا تَاْتُوا الْكُهَّانَ قَالَ قُلْتُ: كُنَّا نَتَطَيَّرُ قَالَ: ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُهُ اَحَدُكُمْ فِيْ نَفْسِهِ فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ))

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا کہ (اس کے بارے میں آپ کا خیال ہے کہ) دورِ جاہلیت میں ہم کاہنوں کے پاس جایا کرتے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا

(۱) بخاری، کتاب الطب، باب الطیرۃ، ح۵۷۵۳۔ مسلم، ح۲۲۲۵۔
(۲) بخاری، ایضاً، ح۵۷۷٦۔ مسلم، ح۲۲۲۳۔
(۳) مسلم، کتاب السلام، باب لاعدوی ولاطیرۃ، ح۲۲۲۲۔
(٤) سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی الطیرۃ، ح۳۹۲۱۔ السلسلۃ الصحیحۃ، ح۷۸۹۔

کہ ان کے پاس نہ جایا کرو۔ میں نے کہا کہ ہم بدشگونی بھی لیا کرتے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ محض خیال ہے جو دل میں پیدا ہو جاتا ہے اور اس خیال کی بنیاد پر کسی چیز سے پیچھے نہ ہٹا کرو"۔ (۱)

(۱۰) : ((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ عَنْ حَاجَتِهٖ فَقَدْ اَشْرَكَ قَالُوْا فَمَا كَفَّارَةُ ذٰلِكَ؟ قَالَ: اَنْ تَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ لَا طَيْرَ اِلَّا طَيْرُكَ وَلَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ))

"حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو برے خیال (یعنی بدشگونی) نے اس کے کام سے روک دیا تو اس نے شرک کیا۔ لوگوں نے کہا کہ پھر اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی صورت میں یہ دعا پڑھا کرو:

اَللّٰهُمَّ لَا طَيْرَ اِلَّا طَيْرُكَ وَلَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ"

"یا اللہ! تیرے شگون کے سوا کوئی شگون نہیں، تیری بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں"۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر دل میں کوئی برا شگون پیدا ہو تو مذکورہ دعا پڑھ لینی چاہیے۔ علاوہ ازیں بعض روایات کے مطابق ایسی صورت میں درج ذیل دعا بھی پڑھی جا سکتی ہے:

((اَللّٰهُمَّ لَا يَاْتِيْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ))

"یا اللہ! تیرے سوا کوئی بھلائی نہیں لاتا اور تیرے سوا کوئی برائی دور نہیں کر سکتا اور تیری مدد کے بغیر ہمیں نہ بھلائی کی طاقت ہے، نہ برائی سے بچنے کی ہمت ہے"۔ (۳)

بدشگونی کے خلاف صحابہ کرامؓ وعلمائے عظام کے چند واقعات

۱۔ حضرت عکرمہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ اچانک ایک پرندہ چیختا ہوا گزرا تو لوگوں میں سے ایک شخص کہنے لگا خیر خیر (یعنی اس پرندے سے اچھائی کا

---

(۱) مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکھانة واتیان الکھان، ح۵۳۷، ۱۲۱۔

(۲) مسند احمد، ج ۲ ص ۲۲۰۔ السلسلة الصحیحة، ح ۱۰۶۵۔ علامہ البانیؒ فرماتے ہیں کہ "ابن لہیعہ سے روایت کرنے والا راوی عبداللہ بن وھب ہے جو ان عبادلہ اربعہ میں شامل ہے جن کی ابن لہیعہ سے کی جانے والی روایت محدثین کے نزدیک صحیح قرار پاتی ہے لہٰذا یہ روایت قابل اعتبار ہے"۔

(۳) سنن ابی داؤد، کتاب الطب، ح۳۹۱۹۔

شگون لیا) تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" مَا عِنْدَ هٰذَا لَا خَيْرَ وَلَا شَرَّ "

''یعنی اس پرندے کا خیر و شر سے کوئی واسطہ نہیں''۔ (۱)

۲۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب انہوں نے خوارج کے خلاف لڑائی کا پروگرام بنایا تو ایک نجومی آ کر کہنے لگا: ''اے امیر المؤمنین! چاند 'عقرب' میں ہے لہٰذا آپ کے لئے اس وقت اپنے ساتھیوں کو لے کر لڑائی کے لئے نکلنا مناسب نہیں''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ ''میں تو اللہ پر بھرسہ اور توکل کرتے ہوئے سفر کروں گا تاکہ تیری تکذیب ہو''۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لڑائی کے لئے کوچ فرمایا اور اس لڑائی میں اکثر و بیشتر خارجی مارے گئے اور آپ کو فتح نصیب ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کامیابی پر بڑی خوشی ہوئی کیونکہ اس لڑائی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی بھی موجود تھی جو پوری ہوئی''۔ (۲)

۳۔ ابن عبدالحکم فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ مدینہ سے سفر کے لئے نکلے جبکہ چاند 'عقرب' میں تھا تو میں نے اس سے برا شگون لیتے ہوئے ان کے اس سفر پر اس وقت روانگی کو ناپسند کرتے ہوئے کہا کہ آج رات چاند کیسی خوبصورتی سے چمک رہا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے چاند کی طرف دیکھا اور (میرا مقصد بھانپ کر) فرمانے لگے کہ اس سے تمہاری مراد یہ ہے کہ چاند عقرب میں ہے اور مجھے اس وقت سفر کے لئے نہیں نکلنا چاہیے، لیکن سنو:

" اِنَّا لَا نَخْرُجُ بِشَمْسٍ وَلَا بِقَمَرٍ وَلٰكِنَّا نَخْرُجُ بِاللّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ "

''ہم شمس و قمر پر بھروسہ اور اعتماد کر کے سفر نہیں کرتے بلکہ ہم تو اللہ وحدہ لاشریک و ذوالجلال والاکرام پر توکل کر کے نکلتے ہیں''۔ (۳)

......☆......

(۱) تفسیر قرطبی، ج۷ ص ۲۳۵۔

(۲) مجموعۃ الفتاویٰ، ج۱۸ ص ۱۰۹۔

(۳) ابجد العلوم، ج۲ ص ۳۶۸۔

[۲]......کسی چیز کے منحوس ہونے کا مسئلہ

اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کوئی چیز بذاتِ خود منحوس ہوتی ہے یا نہیں۔ بعض لوگ گھر، بیوی اور سواری کے منحوس ہونے کے قائل ہیں جبکہ بعض اس کے قائل نہیں اور اس اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ چیزوں کے منحوس ہونے یا نہ ہونے کے حوالہ سے دونوں طرح کی روایتیں مذکور ہیں مثلاً بعض روایات میں اس طرح ہے کہ

((اِنَّمَا الشُّؤمُ فِیْ ثَلَاثَةٍ فِی الْفَرَسِ وَالْمَرْاَةِ وَالدَّارِ)) [۲]

''یعنی تین چیزوں میں نحوست پائی جاتی ہے: گھوڑے، عورت اور گھر میں''۔

جبکہ بعض روایات میں اس کے برعکس اس طرح ہے کہ

((اِنْ کَانَ الشُّؤمُ فِیْ شَیْءٍ فَفِی الدَّارِ وَالْمَرْاَةِ وَالْفَرَسِ)) [۳]

''اگر کوئی چیز منحوس ہو سکتی تو وہ گھر یا عورت یا گھوڑا ہے''۔

یعنی مؤخر الذکر (دوسری) قسم کی روایات میں ہر طرح کی نحوست کی نفی مذکور ہے جبکہ مقدم الذکر (پہلی) قسم کی روایات میں ان تین چیزوں میں نحوست کا اثبات پایا جاتا ہے اور اسی وجہ سے اہل علم میں یہ اختلاف پیدا ہوا کہ ان میں نحوست ہے یا نہیں۔ اگر ایک ہی قسم کی روایات ہوتیں تو پھر اس قسم کا اختلاف پیدا نہ ہوتا۔

بعض اہل علم نے اس اختلاف کے حل کے لیے تطبیق اور بعض نے ترجیح کی صورت اختیار کی ہے۔ لیکن دونوں صورتوں میں اہل علم کا کم از کم اس بات پر اتفاق ضرور ہے کہ کوئی چیز بذات خود منحوس نہیں ہوتی۔

تطبیق کی صورت

تطبیق کی صورت اختیار کرنے والے اہل علم کا موقف یہ ہے کہ کوئی چیز بذات خود منحوس تو نہیں ہوتی مگر

(۱) بخاری، کتاب الجهاد، باب ما یذکر من شوم الفرس، ح۲۸۵۸، ۵۰۹۳۔ مسلم، ح۲۲۲۶۔ شرح معانی الآثار، ج ۲ ص ۳۸۱۔ احمد، ج۶ ص ۱۵۰، ۲۴۰، ۲۴۶۔ المعجم الکبیر، ج ۳ ص ۱۹۲۔ ابو داؤد، کتاب الطب۔

(۲) بخاری، کتاب النکاح، باب مایتقی من شوم المرأة، ح۵۰۹۴، ۵۰۹۵۔ احمد، ج۵ ص ۳۳۵۔ شرح معانی الآثار، ج ۲ ص ۲۸۱۔

بعض چیزیں جن کے ساتھ انسان کا واسطہ دیگر چیزوں کی نسبت زیادہ رہتا ہے (مثلاً گھر، گھوڑا (سواری)، غلام، بیوی وغیرہ) وہ بسا اوقات انسان کے لیے مصیبت اور فتنہ بھی بن جاتی ہیں اور جس کے لیے کسی وجہ سے ان چیزوں میں سے کوئی چیز باعث عذاب بن جائے، اس کے لیے گویا نہ منحوس ہی ہے۔ اور جس کے لیے یہ باعث مصیبت نہ بنیں، اس کے لیے یہ منحوس نہیں بلکہ نعمت ثابت ہوتی ہیں۔ گویا بذاتِ خود ان چیزوں میں کوئی نحوست نہیں ہوتی بلکہ دیگر اسباب کی وجہ سے بعض اوقات بعض افراد کے لیے ان میں جب مصیبت اور عذاب کا پہلو پیدا ہوتا ہے تو اسے مدنظر رکھتے ہوئے اسے نحوست سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

صحیح البخاری کی جس روایت میں تین چیزوں کے منحوس ہونے کا ذکر ملتا ہے، اس کی تشریح میں حافظ ابن حجرؒ نے مفسر قرطبیؒ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

" ولا يظن به انه يحمله على ما كانت الجاهلية تعتقده بناء على ان ذلك يضر وينفع بذاته فان ذلك خطاء وانما عنى ان هذه الاشياء هى اكثر ما يتطير به الناس فمن وقع فى نفسه شىء ابيح له ان يتركه ويستبدل به غيره "(۱)

اس حدیث سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس میں نحوست کو اسی طور پر (ان تین چیزوں میں) تسلیم کر لیا گیا ہے جس پر اہل جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ یہ چیزیں بذات خود نفع مند یا نقصان دہ ہوتی ہیں۔ اس حدیث کا یہ فہم غلط ہوگا۔ نبی کریم کی اس حدیث میں مراد یہ تھی کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے لوگ بہت زیادہ شگون لیتے ہیں، لہٰذا جس کے دل میں اس میں سے کسی چیز کے حوالے سے بدشگونی پیدا ہو جائے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے یا تبدیل کر لے"۔

ترجیح کی صورت

ترجیح کی صورت اختیار کرنے والے اہل علم کی تحقیق کے مطابق اس مسئلہ میں وہ روایات راجح ہیں جن میں کسی چیز کے منحوس ہونے کے تصور کو غلط قرار دیا گیا ہے جبکہ اس کے برعکس وہ روایات جن میں مذکورہ بالا چیزوں کے منحوس ہونے کا اثبات ہے، وہ ان الفاظ کے ساتھ مرجوح ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں:

" وقد رواه مالك و سفيان وسائر الرواة بحذف انما لكن هذا الحصر مردود واما الترمذى فجعل رواية ابن ابى عمر هذه مرجوحة "

(۱) فتح الباری، بذیل: باب ما یذکر من شوم۔

"امام مالک، سفیان اور دیگر تمام راویوں نے انما (یعنی کلمہ حصر) کے بغیر اسے روایت کیا ہے اور یہ حصر مردود ہے اور امام ترمذی نے ابن عمر کی مذکورہ روایت (یعنی: انما الشؤم فی ثلاث) کو مرجوح قرار دیا ہے"۔ (۱)

شیخ البانیؒ اس روایت: الطیرۃ فی المرأۃ والفرس والدار کے ضمن میں رقمطراز ہیں کہ

" وجملۃ القول ان الحدیث اختلف الرواۃ فی لفظه فمنهم من رواہ کما فی الترجمة ومنهم من زاد علیه فی اوله ما یدل علی انه لا طیرۃ او الشؤم (وهما بمعنی واحد کما قال العلماء) وعلیه الاکثرون فروایتهم هی الراجحة لان معهم زیادۃ علم فیجب قبولها وقد تاید ذلك بحدیث عائشة الذی فیه ان اهل الجاهلیة هم الذین کانوا یقولون ذلك وقد قال الزرکشی فی الاجابة (ص ۱۲۸) قال بعض الائمة وروایة عائشة فی هذا اشبه بالصواب ان شاء اللّٰه تعالی (یعنی من حدیث ابی هریرۃ) لموافقته نهیه عن الطیرۃ نهیا عاما وترغیبه فی ترکها بقوله: یدخل الجنة سبعون الفا بغیر حساب وهم الذین لا یکتوون" (۲)

"خلاصہ کلام یہ ہے کہ راویوں نے اس روایت کے الفاظ میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے تو اس طرح روایت کیا جیسے مذکور ہے جبکہ بعض نے اس کے شروع میں یہ لفظ بھی روایت کیے ہیں لا طیرۃ و الشؤم (یعنی کوئی چیز منحوس نہیں) اور اکثر اہل علم کی یہی رائے ہے (کہ کوئی چیز نحس نہیں) لہٰذا انہی راویوں کی روایت راجح ہے کیونکہ انہوں نے زیادہ چیز روایت کی ہے جس کو قبول کرنا واجب ہے۔ اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ دورِ جاہلیت میں لوگ ان چیزوں کو منحوس سمجھا کرتے تھے (اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے باطل نظریات کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی چیز منحوس نہیں اور اگر کوئی چیز منحوس ہوتی تو وہ یہ تین ہوتیں) امام زرکشی اپنی کتاب 'الاجابہ' میں رقمطراز ہیں کہ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت زیادہ صحیح ہے، ان شاء اللہ (یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مقابلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اصح ہے، اس کی تفصیل آگے آ رہی

---

(۱) فتح الباری، ج۶ ص ۶۱۔

(۲) السلسلة الصحیحة، ج ۲ ص ۷۲۸۔

ہے) کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی موافقت آنحضرت ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے بدشگونی کی مطلق طور پر نفی فرمائی ہے اور بدشگونی سے اجتناب کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا کہ میری امت سے ستر ہزار افراد بغیر حساب و کتاب کے جنت میں جائیں گے جن میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو بدشگونی نہیں لیتے"۔

علاوہ ازیں شیخ البانی نے الطیرة فی المرأة والفرس والدار والی روایت کی سند پر صحت کا حکم لگانے کے باوجود اسے شاذ قرار دیا ہے۔(۱)

نیز شیخ البانیؒ ان یک من الشؤم شیئ حق والی روایت کے تحت فرماتے ہیں کہ

"والحدیث یعطی بمفھومه ان لا شؤم فی شیئ"(۲)

"اس حدیث کا واضح طور پر یہی مفہوم ہے کہ کسی چیز میں بھی نحوست نہیں۔"

شیخ البانی نے اپنے اس موقف کی تائید میں مزید ایک حدیث، یعنی:

((لَاشُؤْمَ وَقَدْ یَکُوْنُ الْیُمْنُ فِیْ ثَلَاثَةٍ؛ فِی الْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ وَالدَّارِ))(۳)

"نحوست کسی چیز میں نہیں اور تین چیزوں میں برکت ہے یعنی گھر، عورت اور گھوڑے میں"۔

درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

" والحدیث صریح فی نفی الشؤم فھو شاھد قوی للاحادیث التی جاء ت بلفظ: 'ان کان الشؤم فی شیئ' ونحوہ خلافا للفظ الآخر: 'الشؤم فی ثلاث' فھو بھذا اللفظ شاذ مرجوح"(٤)

"یہ حدیث واضح طور پر نحوست کی نفی کر دیتی ہے اور یہ ان احادیث کے لئے قوی شاہد ہے جن میں یہ مذکور ہے کہ "اگر نحوست کسی چیز میں ہو سکتی تو وہ عورت، گھر اور گھوڑا ہوتے"۔ اسی طرح یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہے جن میں یہ مذکور ہے کہ "تین چیزوں میں نحوست ہے یعنی عورت، گھر اور گھوڑے میں"۔ نیز نحوست کے اثبات والی یہ روایت (یعنی جس میں ہے کہ تین چیزوں میں نحوست

---

(۱) ایضاً ج ۲ ص ۷۲۶۔ (۲) السلسلة الصحیحة، ج ۱ ص ۱۸۲۔

(۳) سنن ابن ماجه، ۱: ٦١٤۔ جامع الترمذی، ۲: ۱۳۵۔ مشکل الآثار، ۱: ۳٤۱۔

(٤) السلسلة الصحیحة، ٤: ٥٦٥۔

ہے)ان الفاظ کے ساتھ شاذ اور مرجوح ہے''۔

معلوم ہوا کہ علامہ البانیؒ کی تحقیق کی رو سے نحوست کے اثبات والی روایات مرجوح اور شاذ ہیں جبکہ نحوست کی نفی والی روایات راجح و محفوظ ہیں، اور خلاصہ یہ نکلا کہ کسی چیز میں بھی نحوست نہیں ہے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ کوئی چیز بھی منحوس نہیں ہوتی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا حضرت ابو ہریرہؓ پر اعتراض

مسند احمد میں ابوحسان سے مروی ہے کہ دو آدمی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ عورت، گھر اور گھوڑے میں نحوست ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات سنی تو غصے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس نے ابو القاسم پر قرآن نازل کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسا نہیں کہا کرتے تھے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ دورِ جاہلیت میں لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ عورت، گھر اور گھوڑے میں نحوست ہے۔ (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جاہلوں کے اس اعتقاد کی نفی فرمائی ہے) پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّبْرَأَهَا﴾

''تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے یا زمین پر جو آفت آتی ہے، ہم اسے پیدا کرنے سے پہلے ہی تقدیر میں لکھ چکے ہوتے ہیں''۔ [سورۃ الحدید: ۲۲] (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت پر جو نقد کیا ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو صحیح طرح سن یا سمجھ نہ سکے تھے۔ اس بات کی تائید مسند طیالسی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ روایت کرتے ہیں کہ ''عورت، گھر اور گھوڑے میں نحوست ہے'' تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ابو ہریرہؓ اس حدیث کو صحیح طرح محفوظ نہیں کر پائے اس لئے کہ جب وہ (اللہ کے رسولؐ کے پاس) داخل ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے کہ

((قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ يَقُولُونَ إِنَّ الشُّؤْمَ فِي الدَّارِ وَالْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ))

---

(۱) احمد، ج۶ ص ۲۴۶۔ فتح الباری، ج۶ ص ۶۱۵۔ حاکم، ج۲ ص ۴۷۹۔

"اللہ تعالیٰ یہود کو تباہ و برباد کرے جو یہ کہتے ہیں کہ عورت، گھر اور گھوڑے میں نحوست ہے"۔

تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث کا آخری حصہ (یعنی: ان الشؤم فی الدار والفرس والمرأة / عورت، گھر اور گھوڑے میں نحوست ہے) سن لیا جبکہ وہ پہلا حصہ (قاتل الله الیهود یقولون / اللہ تعالیٰ یہود کو تباہ و برباد کرے جو یہ کہتے ہیں) نہ سن سکے"۔ (۱)

اس کی مزید تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ "خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ گھر، گھوڑے اور عورت میں نحوست ہے؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہوں تو میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ وہ چیز لگا بیٹھوں جو اللہ کے رسول نے نہیں فرمائی۔ البتہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ سچا شگون نیک فال (اچھا کلمہ) ہے اور نظر بد حق ہے"۔ (۲)

معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنی اس روایت کے بارے میں خود بھی شک تھا کہ وہ بات کو پوری طرح سن نہیں پائے۔ اس لیے سائل کے جواب میں انہوں نے احتیاطاً یہ جواب نہ دیا کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے۔

......☆......

(۱) مسند طیالسی، ۱۵۳۷۔ علامہ البانی نے شواہد کی بنا پر اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھیے: السلسلة الصحیحة، ۲: ۷۲۵۔

(۲) مسند احمد، ج ۲ ص ۲۸۹۔ اس کی سند میں ضعف ہے۔

[۳]......فال اور فالنامے

'فال' کی تعریف میں حاجی خلیفہ رقمطراز ہیں کہ

" وهو علم يعرف به بعض الحوادث الآتية من جنس الكلام المسموع من الغير او بفتح المصحف او كتب المشائخ كديوان الحافظ والمثنوى ونحوهما"(۱)

''یعنی فال ایسا علم ہے جس کے ذریعے مستقبل کے بعض واقعات کو معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور کسی شخص سے اچانک کوئی بات سننے یا قرآن مجید کھولنے یا قرآن کے علاوہ دیگر کتابیں مثلاً دیوانِ حافظ اور مثنوی وغیرہ کھولنے کے ساتھ یہ عمل کیا جاتا ہے''۔

دورِ جاہلیت میں لوگ اپنے سفر، کاروبار، شادی اور دیگر معاملات میں عموماً تیروں کے ذریعے فال نکالتے اور ان تیروں پر ہاں، کرلو وغیرہ کے الفاظ ہوتے یا اس کے برعکس نہیں، نہ کرو وغیرہ جیسے الفاظ ہوتے اور بعض تیر بالکل خالی ہوتے۔ اگر ایسا تیر نکلتا جس پر مطلوبہ کام کرنے کا مشورہ ہوتا تو وہ لوگ اس کے مطابق مطلوبہ کام کرتے، اگر نہ کرنے کا تیر نکلتا تو اس کام کو چھوڑ دیا جاتا اور اگر سادہ تیر نکلتا تو دوبارہ قسمت آزمائی کے لئے فال نکالی جاتی۔

فال کی دو قسمیں

فقہاء و علماء نے فال کی دو قسمیں بیان کی ہیں جیسا کہ امام قرافی رقمطراز ہیں کہ

''فال کی دو قسمیں ہیں، ایک مباح و جائز ہے (یعنی جس میں اچھے کلمات کی بنیاد پر حسن ظن قائم کیا جاتا ہے) اور وہ حدیث کہ نبی کریم ﷺ اچھی فال کو پسند کیا کرتے تھے، اسے اسی مباح قسم پر محمول کیا جائے گا اور دوسری قسم حرام ہے جیسا کہ امام طرطوشی فرماتے ہیں کہ قرآن سے یا علم رمل سے یا قرعہ وغیرہ سے فال لینا یہ سب حرام ہے کیونکہ یہ استقسام میں شامل ہے اور استقسام یہ ہے کہ اہل عرب کے پاس فالنامے کے تیر ہوتے۔ ایک پر افعل (کرلو) اور دوسرے پر لاتفعل (نہ کرو) اور تیسرے پر غُفل (یعنی کچھ لکھا نہ) ہوتا۔ اگر پہلا تیر نکلتا تو وہ مطلوبہ کام کرتے، دوسری قسم کا نکلتا تو وہ مطلوبہ کام نہ کرتے

---

(۱) کشف الظنون، ج ۲ ص ۱۲۱۶۔ مفتاح السعادة، ج ۲ ص ۳۳۷۔

اور تیسری قسم کا تیر نکلتا تو دوبارہ پھر تیر سے فال نکالتے۔ یہ غیب معلوم کرنے کی ایک قسم ہے اور اسے استقسام اس لئے کہا گیا ہے کہ اس سے اچھی قسم (یعنی ہاں والے تیر) کی تلاش کی جاتی اور بری قسم (یعنی نہ کرو والے تیر) کی وجہ سے مطلوبہ کام نہ کیا جاتا۔ یہ وہی استقسام بالازلام ہے جس کی حرمت قرآن مجید میں موجود ہے لہٰذا ایسی فال نکالنے کا عمل حرام ہے"۔[۱]

جائز فال کون سی ہے؟

فال کی ایک قسم جائز و مباح ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی اچھے کلمہ کو سن کر اچھا گمان کرنا مثلاً بیمار شخص کسی سے 'تندرست' یا 'صحت' یا 'سالم' اور 'صحیح' وغیرہ کا لفظ سن کر یہ گمان کرے کہ وہ عنقریب صحت مند ہو جائے گا یا کوئی لشکر لفظ غنیمت سن کر یہ فال لے کہ انہیں اس معرکہ میں کامیابی حاصل ہوگی یا کوئی طالب علم امتحان سے پہلے لفظ نجات (نجاح وغیرہ) سن کر یہ حسن ظن قائم کرے کہ وہ امتحان میں کامیاب ہو جائے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ جس طرح خوشبو سے انسانی ذہن فرحت و تازگی محسوس کرتا ہے، اسی طرح اچھے کلمات سے بھی انسان طبعی طور پر خوشی محسوس کرتا ہے۔ اس لئے اچھے کلمات سے فال لینا یعنی اچھا گمان قائم کرنا بالکل مستحب ہے بلکہ اس لحاظ سے اسے سنت بھی کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی اچھے کلمات سے فال لینا (یعنی حسن ظن قائم کرنا) پسند کیا ہے اور آپ ؐ نے فال کی تعریف ہی یہ کی کہ اس سے مراد اچھا کلمہ (الکلمة الطیبة یا الکلمة الصالحة) ہے اور درج ذیل احادیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے:

(۱): ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا طِيَرَةَ وَخَيْرُهَا الْفَالُ، قَالُوا وَمَا الْفَالُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الْكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ يَسْمَعُهَا أَحَدُكُمْ))[۲]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "بدشگونی کی کوئی اصل نہیں اور اس سلسلہ میں بہترین چیز 'فال' ہے۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! فال کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: فال وہ عمدہ بات (نیک اور اچھی بات) ہے جو تم میں سے کوئی (اچانک) سنتا ہے"۔

(۲): ((عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ وَيُعْجِبُنِي الْفَالُ الصَّالِحُ الْكَلِمَةُ الْحَسَنَةُ))[۳]

---

(۱) الفروق، للقرافی، ج٤ ص٢٤٠، ٢٤١۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الفال، ح٥٧٥٥۔

(۳) صحیح البخاری، ایضاً، ح٥٧٥٦۔ جامع الترمذی، ح١٦١٥۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بیماری (فی ذاتہ) متعدی نہیں ہوتی (یعنی اللہ کے حکم کے بغیر اثر نہیں کرتی) اور نہ بدشگونی کی کوئی اصل ہے اور مجھے اچھی فال پسند ہے یعنی کوئی کلمہ خیر''۔

(۳) : ((عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَتَطَيَّرُ مِنْ شَيْءٍ وَكَانَ إِذَا بَعَثَ عَامِلًا سَأَلَ عَنِ اسْمِهِ فَإِذَا أَعْجَبَهُ اسْمُهُ فَرِحَ بِهِ وَرُؤِيَ بُشْر ذٰلِكَ فِيْ وَجْهِهِ وَإِنْ كَرِهَ اسْمَهُ رُؤِيَ كَرَاهِيَتُهُ ذٰلِكَ فِيْ وَجْهِهِ وَإِذَا دَخَلَ قَرْيَةً سَأَلَ عَنِ اسْمِهَا فَإِذَا (فَإِنْ) أَعْجَبَهُ اسْمُهُ فَرِحَ بِهَا وَرُؤِيَ بُشْر ذٰلِكَ فِيْ وَجْهِهِ وَإِنْ كَرِهَ اسْمَهَا رُؤِيَ كَرَاهِيَةُ ذٰلِكَ فِيْ وَجْهِهِ))[(۱)]

''حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کسی چیز سے بُرا شگون نہیں لیا کرتے تھے اور جب آپ ﷺ کسی شخص کو ذمہ دار بنا کر کہیں روانہ فرمانا چاہتے تو اس کا نام دریافت کرتے۔ اگر اس کا نام آپ کو پسند آتا تو آپ خوش ہوتے اور خوشی سے آپ کا چہرہ مسکرا اٹھتا لیکن اگر آپ اس نام کو ناپسند کرتے تو ناپسندیدگی کے آثار بھی آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہو جاتے۔ اسی طرح جب آپ ﷺ کسی بستی میں داخل ہوتے تو اس بستی کا نام دریافت فرماتے، اگر وہ نام آپ کو پسند آتا تو آپ کے چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار دکھائی دیتے اور اگر وہ نام پسند نہ آتا تو آپ کے چہرہ مبارک پر کراہت کے آثار نمایاں ہوتے''۔

(٤) : ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَفَاؤَلُ وَلَا يَتَطَيَّرُ وَيُعْجِبُهُ الْإِسْمُ الْحَسَنُ))

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ فال لیا کرتے تھے اور برا شگون نہیں لیتے تھے۔ آپ ﷺ کو اچھا نام پسند تھا''۔[(۲)]

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اچھے کلمات سن کر اچھا گمان کرنا ہی 'فال' ہے کیونکہ فال کی یہی تعریف حضور ﷺ سے منقول ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ اچھے ناموں کو پسند فرماتے اور اچھے نام رکھنے کی ترغیب

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی الطیرۃ۔ نیز دیکھیے: مسند احمد، ج۵ ص۳٤۸۔ صحیح ابن حبان، ج۱٤۳۰۔ شیخ البانیؒ نے مختلف طرق کی بناء پر اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: السلسلة الصحيحة، ج٧٦٢۔ نیز حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: فتح الباری، ج۱۰ ص۲۱۵۔ البتہ اس کی اسناد میں قتادہ (مدلس راوی) کے سماع کی صراحت مذکور نہیں۔ ممکن ہے کہ عمومی دلائل کی مناسبت سے اہل علم نے اسے قابل استشہاد قرار دیا ہو۔

(۲) احمد، ج۱ ص۲٥٧، ۳۰٤۔ طیالسی، ج۲٦۹۰۔ شرح السنة، ج۳۲٥٤۔ السلسلة الصحيحة، ج٧٧٧۔

بلاتے اور اگر کسی کا نام برا ہوتا تو آپ اسے تبدیل فرما دیتے جبکہ مشرک لوگ فال سے فالنامہ مراد لیتے اور اچھے اور برے دونوں طرح کے معاملات کی پیشگی معلومات کے لئے تیروں کی قرعہ اندازی پر اعتبار کرتے۔۔۔ اگر ان کی فال اور قسمت آزمائی میں ناپسندیدہ چیز برآمد ہوتی تو وہ بدظنی کا شکار ہو جاتے اور اس بدظنی کے پیچھے کوئی معقول وجہ بھی نہ ہوتی۔ اس لئے اسلام نے اس چیز کو ناپسند کرتے ہوئے اس سے منع فرما دیا ہے۔

فال کی ناجائز قسم

فال کی دوسری قسم وہ ہے جس میں فالناموں وغیرہ کے ذریعے قسمت آزمائی کی جاتی ہے۔ اس فال کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انسان کسی کام سے پہلے محض توہم پرستی یا اٹکل پچو سے اس کے اچھے یا برے نتائج معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ قسم نہ صرف ناجائز اور ممنوع ہے بلکہ بعض اوقات انسان کو کفر و شرک کا مرتکب بھی بنا دیتی ہے۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ مختلف ظاہری اسباب و عوامل اور سابقہ تجربات کے ذریعے کسی کام کے پیشگی اثرات و نتائج معلوم کرنا فالنامہ میں داخل نہیں بلکہ یہ ظاہری اسباب پر موقوف ہے۔ اس لئے تجربات سے فائدہ اٹھانا قطعی طور پر درست اور بصیرت و دانائی کی علامت ہے مثلاً کوئی شخص خاص قسم کا کاروبار کرنا چاہتا ہے تو وہ اس سلسلہ میں ایسے لوگوں سے رابطہ کرتا ہے جو پہلے سے یہ کاروبار کر رہے ہیں یا کسی وقت کرتے رہے ہیں تاکہ اس کاروبار کے تمام اچھے، برے پہلو واضح ہو جائیں، تو یہ اقدام بلاشبہ جائز ہے لیکن 'فٹ پاتھ' پر بیٹھے سارے جہان کی خاک پھانکنے والے، دو کوڑی کے محتاج احمق عامل کے پاس بیٹھ کر کسی کاغذ پر آنکھیں بند کر کے انگلی پھیرنا اور ہاں یا ناں میں اپنے مقصد کا حل تلاش کرنا اور غیب جاننے کی کوشش کرنا حماقت و بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے......؟!

اس عمل (فالنامہ) کا تعلق عقیدے سے ہے کہ انسان اپنی اچھی یا بری نامعلوم تقدیر کی بجائے ان نجومیوں، کاہنوں اور عاملوں کی فالوں پر یقین کر لیتا ہے اور ناپسندیدہ فال نکلنے پر اپنی قسمت کا ماتم کرتا ہے اور نا امید ہو کر بیٹھ جاتا ہے حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ فالنامے کی 'ہاں' یا 'نہ' وغیرہ کی کوئی اٹل حقیقت نہیں بلکہ ہر شخص کی تقدیر ہی اٹل ہے اور دعا کے علاوہ کوئی چیز اس تقدیر میں تبدیلی پیدا نہیں کر سکتی خواہ کوئی فال جیسا خیالی عمل ہو یا کوئی واقعی زبردست قوت، اللہ کے نزدیک یہ سب ہیچ ہیں۔

اگر غور کیا جائے تو تقدیر کو ایمانیات میں داخل کرنے کی وجہ ہی یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہر مسلمان میں عقیدے

کی پختگی پیدا ہو، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

﴿ مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ﴾
''تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے یا زمین پر جو آفت آتی ہے، ہم اسے پیدا کرنے سے پہلے ہی تقدیر میں لکھ چکے ہیں''۔ [سورۃ الحدید:۲۲]

دوسری بات یہ ہے کہ ناپسندیدہ فال نکلنے پر انسان ناامید ہو کر محنت اور تگ و دو چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا مسلمان کا کام نہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَيْأَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ ﴾ [یوسف: ۸۷]
''اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ یقیناً اللہ کی رحمت سے ناامید وہی لوگ ہوتے ہیں جو کافر ہیں''۔

دورِ حاضر میں فال نکالنے والوں کا پیشہ جاہل عوام میں خاصا مقبول ہے۔ شہروں میں جگہ جگہ مختلف نجومیوں، دست شناسوں، کاہنوں اور عاملوں کے بڑے بڑے بورڈ آویزاں ہوتے ہیں جن پر ناممکن کو ممکن بنانے کے بلند بانگ دعوے درج ہوتے ہیں۔ مثلاً ''محبوب آپ کے قدموں میں''...... ''جو چاہو سو پوچھو''...... ''دشمنوں سے تحفظ''...... ''ہر تمنا پوری ہوگی''...... ''کالے علم کی کاٹ پلٹ کے ماہر''...... وغیرہ۔

اسی طرح ان لوگوں کے پاس تربیت یافتہ طوطے بھی ہوتے ہیں جن کے ذریعے مختلف لفافے اٹھوا کر کھولے جاتے ہیں اور جاہلوں کو ان کی قسمت کا حال بتایا جاتا ہے۔ اسی طرح ان میں سے بعض نے چاک اور سلیٹ بھی رکھی ہوتی ہے جس پر مختلف خانوں میں حروف تہجی یا حروف ابجد لکھے ہوتے ہیں اور گاہک سے آنکھیں بند کروا کر اس کی انگلی ان پر گھما کر کسی ایک حرف پر اچانک رکوا دی جاتی ہے اور پھر ان حروف کے اپنی طرف سے لکھے ہوئے خود ساختہ نتائج میں سے کوئی نتیجہ سنا کر چلتا کیا جاتا ہے۔

اسی طرح اس موضوع کی بہت سی کتابیں بھی مارکیٹ کی زینت بنی ہوئی ہیں، ان پر ایسے ہی چھوٹے اور خود ساختہ فالنامے درج ہوتے ہیں کہ سائل ایک ہی مرتبہ ایسی کتاب خرید کر رکھ لے پھر ساری زندگی ہر کام سے پہلے اس میں موجود جعلی فالناموں سے مشورہ کرتا رہے حالانکہ ان کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ ہی ان سے غیبی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔

قرآنی فال کی حقیقت

گذشتہ سطور میں یہ وضاحت گذر چکی ہے کہ فال کی جائز صورت یہ ہے کہ اچھے کلمات سن کر اللہ تعالیٰ پر

حسن ظن قائم کیا جائے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ اس کے علاوہ فال کی تمام صورتیں ناجائز اور حرام ہیں لیکن کئی لوگ اس سلسلہ میں عوام کو گمراہ کرنے کے لئے ایک طرف یہ سہارا لیتے ہیں کہ اچھے کلمات سے فال لینا مسنون ہے اور اس پر مزید یہ گرہ لگاتے ہیں کہ قرآن مجید چونکہ اچھے اور پاک کلمات پر مشتمل کتاب ہے لہٰذا اس سے فال لینا بھی جائز ہے۔ پھر 'قرآنی فال' کے نام پر انہوں نے خودساختہ فالنامے بنا رکھے ہیں اور اس طرح لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھی ایک جھوٹی روایت منسوب کی جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید سے فال لینا چاہے وہ سات مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے پھر تین مرتبہ یہ کلمات پڑھے:

" اللهم بكتابك تفاء لت وعليك توكلت اللهم ارنى فى كتابك ما هو المكتوم من سرك المكتوم فى غيبك......"

''یا اللہ! تیری کتاب قرآن مجید سے میں فال نکالتا ہوں اور تجھ پر بھروسہ کرتا ہوں تو مجھے اپنی کتاب سے اپنا وہ غیبی راز بتادے جو تیرے غیبی علم میں پوشیدہ ہے''۔ (یہ دعا پڑھنے کے بعد) قرآن مجید کے شروع سے فال نکالے۔

بعض لوگوں نے اس کی مزید وضاحت بھی کی ہے کہ یہ فال کس طرح نکالی جائے۔ اس سلسلہ میں ان کا کوئی متفقہ بیان نہیں بلکہ بعض کے نزدیک قرآن مجید مطلق کھولا جائے پھر سات صفحات (یا نو یا اس سے کم و بیش) صفحات آگے اور بعض کے نزدیک اتنے ہی صفحات مفتوحہ صفحہ سے پیچھے کی طرف کھولے جائیں پھر اس پر انگلی گھمائی جائے اور کسی لفظ پر انگلی روک کر اس کے معنی سے فال لی جائے وغیرہ وغیرہ۔

یاد رہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بہتان والزام ہے، ان سے ایسی کوئی روایت بسند صحیح ثابت نہیں۔ مفسر آلوسیؒ حضرت علیؓ سے مروی مذکورہ بالا روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

" ففى النفس منه بشيئ ...... وان الاستخارة بالقرآن مما لم يرد فيها شيئ يعول عليه عن الصدر الاول و تركها احب الى لاسيما وقد اغنى الله ورسوله عنها بما سن من الاستخاره الثابتة فى غير ما خبر صحيح "

''یہ روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی اور قرآنی استخارے کے بارے میں بھی صدر اول کے مسلمانوں سے

کوئی معتبر دلیل منقول نہیں، اس لئے میرے نزدیک اس سے اجتناب ہی بہتر ہے اور بالخصوص جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے دعائے استخارہ، جس کا ثبوت کئی صحیح احادیث سے ملتا ہے، کے ذریعے دیگر چیزوں سے مستغنی کر دیا ہے (تو پھر غیر مسنون عمل کرنے کی کیا ضرورت؟)''۔[1]

نواب صدیق بن حسن قنوجیؒ قرآنی فال کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ ----

"قلت والمعتمد عدم التفاؤل من كتاب الله ولم يرد السلف بطريق يعمد عليها في هذا الباب ولم يقل به احد من اهل العلم بالحديث واذا كان فتح الفال من التنزيل ممنوعا فكيف بغيره من كثير الانبياء والاولياء والمشائخ"

''میرے نزدیک قابل اعتماد بات یہی ہے کہ قرآنی فالنامے کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ سلف صالحین سے اس بارے میں کوئی صحیح چیز منقول نہیں اور نہ ہی محدثین نے قرآنی فالنامے کا (کتبِ احادیث میں) تذکرہ کیا ہے، لہٰذا جب قرآن مجید سے فال نکالنا ممنوع ہے تو دیگر نبیوں اور ولیوں وغیرہ کی کتابوں سے فال نکالنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟''[2]

مفسر ابن العربیؒ قرآنی فال کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ

"فان قيل فهل يجوز طلب ذلك في المصحف؟ قلنا لايجوز فانه لم يكن المصحف ليعلم به الغيب انما بينت آياته ورسمت كلماته ليمنع عن الغيب فلا تستشغلوا به ولا يتعرض احد كم له"

''اگر یہ سوال کیا جائے کہ قرآن مجید سے فال نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ تو ہم اس کا یہ جواب دیں گے کہ یہ جائز نہیں کیونکہ قرآن مجید کوئی ایسی چیز نہیں کہ اس کے ذریعے غیبی چیزیں معلوم کی جائیں بلکہ اس کے آیات، کلمات اور جملے بالکل واضح طور پر حصولِ غیب سے منع کرنے والے ہیں لہٰذا قرآن مجید کو ان مقاصد (یعنی فالناموں اور تعویذ گنڈوں) کے لئے استعمال کرنے کی کوشش نہ کرو''۔[3]

......☆......

(۱) تفسیر روح المعانی، ج٦ ص٥٩۔

(۲) ابجد العلوم، ج۲ ص ۳۹٤۔

(۳) احکام القرآن، از: ابن العربی، ج۲ ص ٥٤٥۔

باب۱۲

روح، روحانیت، روحانی خواص واثرات اور انرجی کا حصول

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کا نظام اسباب وعلل کے ساتھ مربوط کر دیا ہے، تاہم اپنی قدرت کے اظہار کے لیے بعض اوقات اللہ تعالیٰ کوئی ایسا معاملہ ظاہر فرما دیتے ہیں جو اس کائنات کے نظام کار اور اس کے اسباب وعلل سے ماوراء ہوتا ہے، اسے معجزہ کہا جاتا ہے اور یہ نبیوں اور رسولوں کے ہاتھوں ظاہر ہوتا ہے مثلاً حضرت صالح علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے زندہ اونٹنی نکال دی، حالانکہ اونٹ پہاڑوں سے پیدا نہیں ہوتے اور نہ ہی حضرت صالح کے علاوہ کسی اور کے لیے کبھی پہاڑ سے کوئی اونٹ نکلا ہے۔

اور اگر معجزات سے ملتی جلتی کوئی چیز کسی نیک شخص کے ہاتھوں ظاہر ہو تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ گویا کرامت بھی اسباب وعلل سے ماوراء ہوتی ہے اور یہ بھی اللہ کے حکم سے ظاہر ہوتی ہے، ورنہ کوئی نیک بندہ اگر یہ چاہے کہ میں جب چاہوں، کوئی نہ کوئی کرامت ظاہر کر دوں تو یہ اس کے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔ انبیاء سے بھی لوگ مطالبے کیا کرتے تھے کہ کوئی معجزہ ظاہر کریں تو انبیاء ان کے جواب میں یہی کہا کرتے تھے کہ

﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ [سورة ابراهيم: ١١]

"ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا کہ یہ تو سچ ہے کہ ہم تم جیسے ہی انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے، اللہ کے حکم کے بغیر ہماری مجال نہیں کہ ہم کوئی معجزہ تمہیں لا دکھائیں"۔

مادہ پرست لوگ معجزات وکرامات کو تسلیم نہیں کرتے، ان کے بقول کائنات کی ہر چیز اسباب وعلل کے ساتھ مربوط ہے۔ جب اسباب وعلل کا یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا تو کائنات خود ہی تباہ ہو جائے گی، گویا ان کے بقول کائنات کا سارا نظام اسباب وعلل کی بنیاد پر خود بخود چل رہا ہے، اسے چلانے والی کوئی مقتدر ہستی موجود نہیں۔ بعض کے بقول کائنات کو پیدا تو اس ذات نے کیا ہے جسے الٰہ، اللہ، خدا وغیرہ کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے، تاہم اس نے کائنات بنا کر اسباب وعلل کا تعین کر دیا اور اس کے بعد یہ نظام از خود چلتا چلا جا

رہا ہے۔ گویا کائنات بنانے کے بعد وہ اللہ اس کائنات سے ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا ہے یا دوسرے لفظوں میں وہ اتنا بے اختیار ہو گیا ہے کہ اپنے ہی بنائے ہوئے نظام میں ذرا سی تبدیلی یا کمی بیشی بھی اب نہیں کر سکتا۔۔۔نعوذ باللہ!

ظاہر ہے یہ سب غیر اسلامی تصورات ہیں اور حقیقتِ حال یہ ہے کہ کائنات اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے، اس کا نظام بھی وہی چلا رہا ہے، اسے اَسباب وعلل کے ساتھ بھی اسی نے مربوط کر رکھا ہے لیکن وہ ان اَسباب و علل کا محتاج نہیں بلکہ وہ جب اور جہاں چاہے، اَسباب وعلل کے قانون توڑ سکتا ہے۔ بہت سے مواقع پر وہ ایسا کرتا بھی ہے۔ مگر وہ ایسا کیوں کرتا ہے، اس کی ذات سے یہ سوال کرنے کے ہم مجاز ہی نہیں، تاہم اتنا ضرور ہے کہ وہ حکیم و دانا بغیر کسی حکمت کے ایسا نہیں کرتا۔ بعض حکمتیں ہمیں سمجھ آ جاتی ہیں اور بعض سمجھ نہیں آتیں، مثلاً معجزات کے سلسلہ میں ایک حکمت یہ سمجھ آتی ہے کہ اس طرح وہ اپنی قوت و طاقت اور اپنے نبیوں کی صداقت ظاہر کرتا ہے، نیز ان لوگوں کو اپنی ذات کا وجود منواتا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کائنات خود بخود چل رہی ہے۔ بہرحال اس کے کام کی کوئی حکمت ہمیں سمجھ آئے یا نہ، ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں اس حقیقت کو ماننا چاہیے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور اپنی قدرت ظاہر بھی کرتا ہے۔

مادہ پرستوں سے متاثر بعض مسلمان بھی معجزات کے حوالے سے عجیب و غریب توجیہات کرتے ہیں تاکہ کسی نہ کسی طرح انہیں اَسباب وعلل کے ساتھ مربوط کر دکھائیں۔ یہ رویہ صرف مسلمانوں ہی میں نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ کے ہاں بھی پایا جاتا ہے، اس لیے کہ یہودی اور عیسائی جن پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں، ان میں سے بعض کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے معجزات بھی ظاہر کیے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت داؤد، حضرت سلیمانؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

جو لوگ معجزات و کرامات کو اَسباب وعلل کے تابع قرار دینے پر مصر ہیں، ان کے بقول انبیاء کے ہاتھوں جو معجزے ظاہر ہوئے، وہ مافوق الفطرت کام نہیں تھے بلکہ ہر انسان توجہ، محنت اور کوشش سے ویسے ہی بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے۔ اسے وہ ذہنی طاقت، Mind Sciences اور بقول بعض 'روحانیت' کا کمال کہتے ہیں، بلکہ ایک صاحب نے تو یہاں تک دعویٰ کر ڈالا کہ انبیاء نے جو معجزات پیش کیے، وہ دراصل یہ دکھانے کے لیے تھے کہ ہر انسان میں ایسی مخفی طاقتیں موجود ہیں جن کی مدد سے بلا تفریق مذہب انسان بڑے بڑے کام کر سکتا ہے۔[1]

(۱) دیکھیے: روحانیت، دانش اور حقیقتیں، از: قمر اقبال صوفی، اورینٹل پبلی کیشنز۔

بعض غیر مسلم فلاسفہ کے بقولِ اس کائنات کا نظام ایک مخفی قوت یا غیر محسوس انرجی چلا رہی ہے، اور یہ اَنرجی کائنات کی ہر چیز میں نفوذ کیے ہوئے ہے۔ اس لیے کائنات کی ہر چیز سے مخفی طاقت نکل رہی ہے اور خود انسان میں بھی کئی ایک مخفی طاقتیں موجود ہیں۔ ان مخفی طاقتوں کے حصول کے لیے مختلف ادارے بنائے گئے ہیں جن میں انسان کی ان مخفی طاقتوں کو بیدار کرنے کے لیے عجیب و غریب کورسز کرائے جاتے ہیں۔ یہ بات اب غیر مسلم ہی نہیں، بہت سے مسلمان بھی کرنے لگے ہیں۔ پاکستان میں بھی بعض ایسے ادارے موجود ہیں جہاں انسانی توانائی کو مرتکز کر کے اس سے عجیب و غریب کام لینے کی صلاحیت بیدار کرنے کی کوششیں کرائی جاتی ہیں۔ میں ایسے اداروں میں گیا ہوں اور بہت سے ایسے لوگوں سے بھی ملا ہوں جنہوں نے ایسے اداروں سے مختلف کورس کیے ہیں۔

ان اداروں میں بعض وہ ہیں جو اپنے آپ کو غیر مذہبی باور کراتے ہیں اور اپنے طریق کار کو سائنٹیفک قرار دیتے ہیں۔ شاید اس لیے بھی کہ ان کے نزدیک انسان اپنی توانائی سے کام لے تو وہ ہر طرح کی 'کراماتیں' ظاہر کرسکتا ہے۔ جب کہ بعض مذہب اور روحانیت کی آڑ میں یہی کام انجام دے رہے ہیں۔ دونوں طرح کے اداروں میں ایک بنیادی نکتۂ اعتراض اختلاطِ مرد و زن اور نماز وغیرہ جیسی اہم عبادات سے لاپروائی ہے اور قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں طرح کے ادارے انسان کی مخفی طاقتوں کو بیدار اور متحرک کرنے میں مصروف ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک اسے 'اَنرجی' قرار دیتا ہے اور دوسرا 'روحانیت'۔

یہاں آپ خود ہی اندازہ کرلیں کہ جن اداروں میں لمبے مراقبے کروائے جائیں اور نمازیں بھی ان کی نذر کردی جائیں، ستر و حجاب کی حدود کا کوئی خیال نہ رکھا جائے تو وہاں کون سی مخفی طاقت اور روحانیت بیدار کی جاتی ہوگی۔ [ہماری طرف سے یہ ایک تجزیاتی سوال ہے، مزید تبصرہ ریکی، مراقبہ وغیرہ کے تحت آئے گا]

مسلمانوں میں بہت سے صوفیاء کے ہاں یہ تصور پایا جاتا رہا ہے کہ انسان ریاضتوں، مجاہدوں اور وظیفوں کے ساتھ ایسی طاقت حاصل کرسکتا ہے کہ وہ جب چاہے، عجیب و غریب کرشمے ظاہر کرسکتا ہے۔ غیب کے پردے اس کی باطنی نظر کے سامنے وا کر دیے جاتے ہیں اور وہ ماضی، مستقبل اور قسمت سے متعلقہ تمام غیبی معلومات حاصل کرلیتا ہے۔ بعض صوفیاء کے بقول اس مقصد کے لیے از خود محنت کی ضرورت نہیں بلکہ انسان کو چاہیے کہ وہ کسی پیر و مرشد کو تلاش کرے اور اس کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کردے۔ اس طرح پیر و مرشد کی محض نظرِ کرم سے یہ روحانی طاقت اسے حاصل ہو جائے گی۔

روحانی طاقت حاصل کرنے کے لیے صوفیاء کے ہاں وِرد اور ریاضتیں مخصوص ہیں۔ یہ وِرد متعین تعداد اور

مخصوص طریقِ کار کے ساتھ کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔اپنی مرضی سے کام لینا اس راہ میں قابل گردن زنی قرار پاتا ہے۔اور بارہا یہ کہا جاتا ہے کہ کوئی وظیفہ استاد [پیر] کے بغیر نہ پڑھیں، ورنہ الٹا پڑ جائے گا۔ان میں اس طرح کی باتیں بھی مشہور کی جاتی ہیں کہ فلاں نے بغیر استاد کے فلاں قرآنی دعا یا مسنون وظیفہ پڑھا، مگر اس کے باوجود وہ اس پر الٹ اثر کر گیا۔حالانکہ اگر وہ قرآنی دعا تھی تو اسے پڑھنے سے الٹا اثر کیسے ہوسکتا ہے، کیا قرآن مجید اپنے پڑھنے والوں پر الٹا اثر کرتا ہے؟!

اسی طرح جن وظائف واذکار کی خود نبی کریم ﷺ نے تلقین کی ہے، میں نہیں سمجھتا کہ انہیں پڑھنے کے لیے آپ ﷺ کے بعد مزید کسی اور کی تصدیق یا اجازت کی ضرورت باقی ہو......؟!

روحانی اَثرات کی منتقلی

روحانیت کے نام پر عجیب وغریب خرافات دکھانے والوں کے ہاں یہ بھی مشہور ہے کہ ایک شخص اپنی روحانیت دوسرے میں منتقل کرسکتا ہے اور جس میں روحانیت منتقل ہو جائے وہ بھی اس طرح کی روحانی طاقت حاصل کر لیتا ہے جو روحانیت منتقل کرنے والے میں موجود ہوتی ہے۔مجھے ایک ایسے ہی شخص سے ملنے کا اتفاق ہوا اور نیت بھی یہی تھی کہ ان لوگوں کی خرافات سے آگاہی حاصل کی جائے اور پھر لوگوں کو بھی ان کے حربوں سے متنبہ کیا جائے۔اس شخص کا کہنا تھا کہ میرے اندر اتنی روحانیت اور اَنرجی ہے کہ میں ایسے بیماروں کو چند منٹوں میں صحت یاب کرسکتا ہوں جن کے علاج سے ڈاکٹر عاجز آ چکے ہوں۔اور میں اپنی یہ روحانیت آگے منتقل بھی کرسکتا ہوں۔

ان صاحب کے ساتھ دو تین گھنٹے کی تفصیلی نشست اور علمی تبادلہ خیال ہوا۔بعد میں وہ کہنے لگے کہ تمہیں کوئی جسمانی تکلیف ہو تو بتاؤ۔ان دنوں مجھے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، میں نے کہا کہ مجھے کچھ دنوں سے پاؤں میں تکلیف ہے۔چنانچہ انہوں نے بڑے عجیب انداز میں کوئی دم کیا جس سے پہلے میرا ہاتھ لوہے کی چیز پر رکھوایا اور اپنا ہاتھ بھی لوہے پر رکھ لیا۔دم کے بعد میرے جسم، بالخصوص سینے پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ تم گھر پہنچنے سے پہلے ٹھیک ہو جاؤ گے اور تمہارے اندر میں نے اپنے روحانی اثرات منتقل کر دیئے ہیں۔اب تم جس مریض کو دم کرو گے وہ فوراً ٹھیک ہو جایا کرے گا۔لیکن اس کی دونوں باتیں غلط نکلیں۔

اشیاء کے روحانی خواص واثرات کی حقیقت

یہ لوگ انسانی روحانی اثرات کی طرح دیگر مادی اور غیر مادی اشیا کے اثرات کے بھی قائل ہوتے ہیں۔

یعنی ان کے بقول مختلف پتھروں، ناموں، تعویذوں، کڑوں، دھاگوں، مالاؤں اور موتیوں وغیرہ کے بھی روحانی اثرات ہوتے ہیں۔ ایسے ہی ایک صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا جنہوں نے گلے میں موٹے موٹے لکڑیوں کے موتیوں والی مالا پہن رکھی تھی اور اس مالا کے درمیان میں ایک لکڑی کی تلوار بنی ہوئی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ مالا مجھے دنیا کی ہر بیماری اور مصیبت سے بچا کر رکھتی ہے۔ میں نے کہا جب ملک الموتؑ آئے گا تو کیا اس سے بھی بچا لے گی تو وہ ہنسنا شروع ہو گیا......!

گویا یہ لوگ اللہ کی بجائے ان چیزوں پر توکل کر بیٹھتے ہیں حالانکہ ان چیزوں میں سے کسی چیز میں کوئی اثر ہو سکتا ہے تو وہ اس کا مادی اثر تو ہو سکتا ہے جیسے نمک، کوئلے اور دیگر چیزوں کے مادی خواص ہوتے ہیں اور وہ بھی سائنٹیفک ریسرچ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کون سے طبعی و مادی اثرات پائے جاتے ہیں اور انسان ان سے کیا کیا مادی فوائد حاصل کر سکتا ہے، مگر ان میں ایسے کوئی روحانی اثرات نہیں پائے جاتے جو نام نہاد روحانی عامل باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص ان چیزوں کا نفسیاتی اثر لے لیتا ہے مثلاً وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں فلاں کڑا، یا مالا، یا دھاگا پہن کر رکھوں تو میرے کام آسانی سے ہوتے ہیں اور اگر اتار دوں تو رکاوٹیں آنے لگتی ہیں۔ یہ اس کا وہم اور نفسیاتی اثر ہے، حقیقت نہیں ہے۔

ہمارے ہاں ایک کڑا معروف ہے جسے عام طور پر خواتین پہنتی ہیں، بعض مردوں کو بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ بھی اسے پہنے ہوتے ہیں اور اسے پہننے کے پیچھے سوچ یہ کارفرما ہوتی ہے کہ اس سے بیماریاں دور ہو جاتی ہیں، بالخصوص شوگر، بلڈ پریشر، ڈپریشن وغیرہ کے اثرات اس کڑے کی روحانی برکت سے دور ہو جاتے ہیں، حالانکہ اس کی بھی کوئی حقیقت و اصلیت نہیں ہے۔

جو لوگ اللہ پر توکل کرنے کی بجائے ان کڑوں، پتھروں، نگینوں، موتیوں، تعویذ گنڈوں وغیرہ چیزوں پر توکل کر بیٹھتے ہیں، ان کا عقیدہ سخت خطرے میں ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریمؐ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے پیتل کا کڑا پہن رکھا تھا۔ آپ نے پوچھا: یہ کیا؟ اس نے کہا: یہ کمزوری کے علاج کے لیے ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

((اِنْزَعْهَا فَاِنَّهَا لَا تَزِيْدُكَ اِلَّا وَهْنًا، فَاِنَّكَ لَوْ مُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ مَا اَفْلَحْتَ اَبَدًا))

''اسے اتار دو، یہ تو کمزوری کے علاج کی بجائے اسے اور بڑھائے گا اور اگر اسے پہنے ہی تم مر گئے تو کبھی کامیاب نہیں ہو پاؤ گے''۔ (۱)

(۱) مسند احمد، ج۴، ص۴۴۵۔ ابن حبان، ج۷، ص۶۲۸۔ الحاکم، ج۴، ص۲۱۶۔

انسانی روح اور اس سے کام لینے کی حقیقت

انسانی جسم دو چیزوں سے مرکب ہے یعنی روح اور بدن۔ جب تک ان دونوں چیزوں کا اتصال رہتا ہے، انسان زندہ رہتا ہے اور جب روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو انسان کو موت آ جاتی ہے۔

یہ روح کیا ہے؟ اس کے بارے میں ہمیشہ سے بڑے اختلافات رہے ہیں۔ البتہ روح کے حوالے سے یہ بات تو اب سبھی مانتے ہیں کہ انسان کے مادی و محسوس جسم کے اندر ایک غیر مادی چیز موجود ہے جس سے انسانی زندگی قائم ہے اور یہی روح کہلاتی ہے۔

'روح' عربی زبان کا لفظ ہے اور کئی معانی میں استعمال ہوا ہے، ایک تو یہ جان کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو اس کا معروف معنی ہے۔ اس کے علاوہ یہ لفظ قرآن، جبریل، قوائے بدن وغیرہ کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اسلامی لٹریچر میں روح سے ملتا جلتا ایک اور لفظ بھی استعمال ہوا ہے اور یہ ہے 'نفس'۔ لفظ نَـفْـسٌ (اَلـنَّـفْـسُ) کا استعمال 'روح' (جان) دل، ذات (وجود) کے لیے ہوتا ہے، اسی طرح اسے 'ف' کی فتح کے ساتھ پڑا جائے تو پھر اس کا معنی ہوگا: سانس، جھونکا، گنجائش، مہلت اور کشادگی و فراخی۔[1]

معلوم ہوا کہ عربی لٹریچر میں انسانی جان کے لیے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں: (۱) روح اور (۲) نفس۔

بعض اہل علم نے ان دونوں سے ایک ہی چیز (یعنی انسانی جان) مراد لی ہے، جب کہ بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں اور وہ اس طرح کہ روح سے مراد تو وہ انسانی جان ہے جس سے زندگی قائم رہتی ہے جب کہ نفس سے مراد وہ غیر مرئی چیز ہے جس سے انسانی شعور قائم رہتا ہے۔

اس دوسری رائے کو بعض لوگوں نے اس طرح بھی بیان کیا ہے کہ روح اور نفس دونوں سے مراد ایک ہی ہے یعنی 'جان'۔ یا اردو محاورے کے مطابق 'روح'۔ البتہ اس جان یا روح کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو نیند کے وقت نکلتی ہے اور خواب میں گھومتی پھرتی نظر آتی ہے، البتہ ہوش و حواس قائم ہوتے یا بیدار ہوتے ہی یہ پلٹ آتی ہے اور دوسری وہ جو موت کے وقت نکلتی ہے اور پھر واپس نہیں آتی۔ جن لوگوں نے نفس اور روح میں فرق کیا یا روح کی دو قسمیں قرار دیں، ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ [سورة الزمر: ٤٢]

---

(۱) دیکھیے: کتب لغات، بذیل مادہ 'نفس'۔

''اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی، انہیں ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے۔ پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہوتا ہے، انہیں تو روک لیتا ہے اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے''۔

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے جن اہل علم نے نفس اور روح کو دو چیزیں قرار دینے کی بجائے یہ نقطہ نظر اختیار کیا ہے کہ روح کی دو قسمیں ہیں، ان کے اس موقف کی ترجمانی کرتے ہوئے مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ [مؤلف تفسیر: تیسیر القرآن] اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ

''آیت مذکورہ سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱: یہ آیت اس بات پر سب سے بڑی دلیل ہے کہ روح کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو ہر دم انسان کے بدن میں موجود رہتی ہے اور دوسری وہ جو خواب میں جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔

۲: جاگتے میں یہ دونوں قسم کی روحیں یا روح کے ہر دو جز انسان میں موجود رہتے ہیں۔

۳: روح کو قبض کرنا یا موت دینا صرف اللہ تعالیٰ کے بس میں ہے۔ اگر وہ خواب کے دوران روح نفسانی کو قبض کر لے تو بھی موت واقع ہو جاتی ہے۔

۴: بیداری کی حالت پوری زندگی اور خواب کی حالت نیم زندگی کی کیفیت ہے جس میں کچھ صفات زندگی کی پائی جاتی ہیں اور کچھ موت کی۔ گویا یہ کیفیت موت و حیات کے درمیان برزخی حالت کی مظہر ہوتی ہے۔''(۱)

روح سے متعلقہ مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے:

۱)...... بعض اہل علم اس آیت سے دو طرح کی روحیں مراد لیتے ہیں۔

۲)...... بعض اہل علم اس آیت سے دو طرح کی روحیں مراد لینے کی بجائے ایک کو نفس، اور دوسری کو روح قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک نفس اور چیز ہے اور روح اور چیز۔

۳)...... جب کہ بعض اہل علم نفس اور روح کو ایک ہی چیز قرار دیتے ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ عقیدہ طحاویہ کے شارح علامہ ابن ابی العز کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔(۲)

---

(۱) روح، عذاب قبر اور سماع موتیٰ، از: عبدالرحمن کیلانیؒ، ص ۱۵۔

(۲) شرح العقیدة الطحاویة، ص ۳۹٤۔

۴)......بعض اہل علم دو روحوں کے تصور کو درست قرار نہیں دیتے، ان کے نزدیک انسان کے جسم سے جو چیز حالت نیند میں قبض کی جاتی ہے وہ جان (روح) نہیں بلکہ ہوش ہے جیسا کہ مولانا مودودیؒ زیر نظر آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''نیند کی حالت میں روح قبض کرنے سے مراد احساس و شعور، فہم و ادراک اور اختیار و ارادہ کی قوتوں کو معطل کر دینا ہے۔ یہ ایک ایسی حالت ہے جس پر اردو زبان کی یہ کہاوت فی الواقع راست آتی ہے کہ سویا اور رہوا برابر۔''(۱)

روح پر انسان کا کوئی اختیار نہیں

یہاں یہ حقیقت واضح رہنی چاہیے کہ روح پر انسان کا کوئی اختیار نہیں ہوتا، خواہ مذکورہ بالا اختلاف میں آپ روح کے بارے میں جو بھی رائے اختیار کرلیں۔ اس لیے کہ روح کی خواہ ایک قسم ہو یا دو، یہ ہر حال میں اللہ کے حکم کی پابند ہے۔ روحانیت اور ماروائیت سے متعلقہ بعض کتابوں میں، میں نے یہ پڑھا کہ بعض لوگ روح کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ انسان مختلف ریاضتوں کے بعد اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ روح سے جو چاہے کام لے سکتا ہے، حتی کہ وہ ایک ہی وقت میں دو، تین جگہ پر موجود ہو سکتا ہے۔ حالانکہ یہ سب جھوٹ ہے۔ اس جھوٹ کا ایک نمونہ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

''ڈاکٹر الیگزینڈر کانن لندن کے ایک مشہور طبیب اور سکالر تھے، روحانیات سے گہرا شغف رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ہندوستان اور تبت کا دورہ کیا اور اپنے مشاہدات ایک کتاب: The Invisible Influence میں قلم بند کیے۔ یہ کتاب ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی، اس کا ایک اقتباس یہ ہے:

''میں جب چین کی سیاحت کو گیا تو میرے سامان میں پینتیس صندوق تھے۔ میں ایک مقام پر سات دن کے دریائی سفر کے بعد پہنچا تو ایک صندوق کم نکلا۔ میں اور میرے ساتھی نے مل کر مراقبہ کیا تو صندوق اس مکان کے ایک کمرے میں نظر آیا جس میں ہم سات دن پہلے رہ چکے تھے۔ تار کا سلسلہ تھا نہیں، ڈاک وہاں دس دن میں پہنچتی تھی اور میرے لیے اتنے دن انتظار کرنا مشکل تھا۔ اب ایک ہی صورت باقی تھی کہ اثیری لہروں کے ذریعہ پیغام بھیجا جائے۔ چنانچہ میرے ہم سفر نے، جو چینی زبان سے واقف تھا، اپنے آپ پر مدہوشی طاری کرلی۔ اس کا جسم سرد پڑ گیا، نبض بظاہر ختم ہوگئی، ماتھے پر پسینہ بہہ نکلا اور وہ تین گھنٹے تک اسی حالت میں رہا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے بتایا کہ سب کام ٹھیک ہو

(۱) تفہیم القرآن، از مولانا مودودیؒ، ج ۴ ص ۳۷۵۔

گیا ہے۔ دس منٹ تک صندوق جہاز میں لاد دیا جائے گا اور سات دن کے بعد یہاں پہنچ جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جو آدمی صندوق لے کر آیا تھا، اس سے میں نے پوچھا کہ صندوق کے متعلق تمہیں کس نے کہا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ پولیس کمشنر نے مجھے بلا کر حکم دیا کہ یہ صندوق اسی وقت اٹھا کر بندرگاہ تک پہنچاؤ اور پہلے جہاز میں سوار ہو کر فلاں مقام پر لے جاؤ۔ مزید تفتیش سے معلوم ہوا کہ میرا اہم سفر اثیری جسم میں کمشنر کے مکان پر پہنچا۔ دروازہ بند تھا۔ چین میں شام کے بعد کوئی ملاقاتی مکان کے اندر داخل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اس نے باہر سے آواز دی، صندوق کے متعلق پیغام دیا اور کمشنر نے اسی وقت تعمیل کی"۔[ص۲۲،۲۳]

اس واقعہ کے بعد مصنف نے دوسرے لوگوں کو اس طرح کے کرتب سکھاتے ہوئے کہا کہ

"پیغام رسانی کا طریقہ یہ ہے کہ جسے پیغام دینا ہو یا تو اس کا فوٹو سامنے رکھو یا دماغ میں اس کا تصور قائم کر لو اور جو بات کہنا چاہتے ہو، کہو اور دہراتے جاؤ۔ اگر آپ کی آواز اور آپ کا دماغ گناہ سے آلودہ نہیں اور عبادت و پاکیزگی سے روح توانا ہو چکی ہے تو یہ آواز منزل تک پہنچ جائے گی۔ بشرطیکہ پیغام وصول کرنے والا بھی صاحب تقویٰ ہو۔"[ص۲۴] (۱)

ہمارا تبصرہ

اس واقعہ پر ہمارا تبصرہ یہ ہے کہ یہ سراسر جھوٹا اور نا قابل یقین ہے، اس لیے کہ

۱)..... اول تو اس واقعہ کا راوی، جو ایک غیر مسلم ہے، کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ وہ واقعی سچا تھا یا نہیں۔

۲)..... ڈاکٹر کانن چونکہ اپنی روحانیت کا پرچار کر رہا تھا، اس لیے شبہ یہی ہے کہ اس نے اپنے نظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے ایسے واقعات تراشے ہوں۔

۳)..... خود اس واقعہ کے سیاق وسباق میں ایسی علامات موجود ہیں، جو اس کے جھوٹا اور من گھڑت ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہیں مثلاً جب ڈاکٹر کانن اور ان کے ہم سفر نے سات دن کے بعد مراقبہ کر کے یہ دیکھ لیا کہ صندوق کہاں ہے تو اتنی روحانیت کو پہنچے ہوئے گزشتہ سات دن اس سے بے خبر کیسے رہے۔ پھر جب کانن کے ہمسفر نے مراقبہ کر کے اپنا اثیری (روحانی) جسم چند منٹوں میں کمشنر کے پاس پہنچا دیا تو

(۱) "من کی دنیا"، از: غلام جیلانی برق، ص۱۰۸، ۱۰۹۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔

کمشنر اس پر حیران کیوں نہ ہوا۔ پھر کمشنر نے یہ کیوں نہ کہا کہ اپنا صندوق اٹھاؤ اور لے جاؤ۔ کمشنر کو کیا ضرورت تھی کہ وہ کانن کے ہمسفر کو صندوق دینے کی بجائے الگ سے ایک بندہ صندوق پہنچانے کے لیے روانہ کرتا۔ گویا اس طرح کے سوالات اس واقعہ کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔

پھر اس واقعہ کے آخر میں پیغام رسانی کے ان طریقوں کو سکھانے کے اصول وضوابط بتائے گئے ہیں اور اس میں اتنی شرطیں لگائی گئی ہیں کہ اگر کوئی اس میں کامیاب نہ ہو تو اسے یہ کہہ کر چپ کرایا جا سکے کہ تم نے یہ شرائط پوری نہیں کیں، اس لیے کامیاب نہ ہو سکے۔ نہ نو من تیل ہوگا اور نہ...... دوسرا کام ہوگا!

ہم کہتے ہیں کہ اگر انسان کو اپنی روح پر اتنا ہی اختیار ہوتا تو وہ جب چاہتا، اپنی روح کو جہاں مرضی بھیج دیتا اور جو چاہتا اس سے کام لے لیتا، اور کم از کم روحانیت کی دنیا میں ضرور ایک تہلکہ مچ جاتا مگر آج تک ایسا نہیں ہوا۔ کیا یہ اس بات کے لیے کافی نہیں کہ انسان اپنی روح پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔

یہاں یہ حقیقت بھی یاد رہنی چاہیے کہ امریکہ میں بعض اداروں نے اس بات پر بڑے بڑے انعام رکھے ہیں کہ کوئی شخص ان کے سامنے (انسانی) روحوں کو ظاہر کر کے دکھائے اور ان سے عجیب وغریب کام لینا ثابت کرے مگر آج تک کوئی ان کے اس چیلنج کا جواب نہیں دے پایا اور نہ ہی ان کی طرف سے رکھا گیا انعام حاصل کر پایا ہے۔ یہاں پاک وہند کے ان توہم پرست لوگوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ شاید امریکہ و یورپ کے شعبدہ باز جو کچھ کرتے اور بتاتے ہیں وہ سب سچ ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے......!

......☆......

باب ۱۳

ریکی / REIKI ☆

'ریکی' کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک غیر مرئی طریقۂ علاج ہے اور ہزاروں سال پرانا ہے۔ تقریباً ایک صدی پہلے ایک جاپانی شخص 'ڈاکٹر میکاؤ یوسوئی' (Mikao Usui) نے اسے از سرِ نو دریافت کیا اور اس کے ذریعے بے شمار لوگوں کا روحانی علاج کیا۔ 'ریکی' جاپانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: 'کائناتی قوتِ حیات'۔ ریکی کے معتقدین کا کہنا ہے کہ ہر شخص کے جسم میں اس ''قوتِ حیات'' کا بہاؤ موجود ہوتا ہے جسے ایک خاص عمل رٹریننگ (Attunment) کے ذریعے بیدار کر کے کام میں لایا جاتا ہے۔

ریکی کو ایک معتبر اور سائنٹیفک علم ثابت کرنے کے لیے بطورِ دلیل یہ کہا جاتا ہے کہ انسانی جسم میں بیماری اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ جسم میں موجود خلیوں میں کسی وجہ سے خرابی پیدا ہو جاتی ہے، اس خرابی کو کسی بھی طریقے سے دور کر دیا جائے تو مریض شفا حاصل کر لیتا ہے۔ جس طرح دوا توانائی میں بدل کر ان خلیوں کو ٹھیک کرتی ہے، جس کے نتیجے میں مریض شفا پالیتا ہے، اسی طرح ریکی کے ذریعے ایک ''ریکی ہیلر'' متاثرہ جگہ کی طرف صرف اشارہ کر کے اپنی توانائی داخل کرتا ہے اور اس توانائی کے ذریعے مریض صحت مند ہو جاتا ہے۔ ریکی کے بارے میں اور بھی بہت کچھ کہا جاتا ہے مثلاً:

۱)......ریکی کے ذریعے آپ دور بیٹھے اشخاص کا علاج بھی کر سکتے ہیں۔

۲)......کوئی بھی شخص، خواہ وہ کسی بھی عقیدے یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو، ریکی کا علم حاصل کر سکتا ہے۔

۳)......ریکی کے ذریعے قوتِ حیات حاصل کرنے کا عمل صرف ایک بار ہوتا ہے اور پھر تمام عمر کے لیے یہ انسان کی دسترس میں آ جاتی ہے۔

---

(۱) 'ریکی' سے متعلق یہ تمام معلومات راقم الحروف نے اس موضوع پر چھپنے والے لٹریچر کے براہِ راست مطالعہ، ریکی وغیرہ سے متعلق کورسز کروانے والے اداروں اور ریکی سیکھنے والے لوگوں سے ملاقاتوں کے ذریعے حاصل کی ہیں۔ اس سلسلہ میں پوری احتیاط اور دیانت داری سے ان لوگوں کا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ اس کے بعد بلا تعصب ان پر تبصرہ کر دیا ہے۔ اور یہ تبصرہ ہر اس کالے پیلے علم پر بھی صادق آتا ہے جو ریکی سے ملتا جلتا ہو مثلاً سمرا ہیلنگ وغیرہ۔ اسے پڑھنے کے بعد فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے اور ہدایت دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

۴)......ریکی کے ذریعے انسان کو شفا، قوتِ شفا، سکون، طاقت اور اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے۔

۵)......ریکی جسم اور روح دونوں کو قوت فراہم کرتی ہے۔

۶)......ریکی پٹھوں کے کھچاؤ، بدن کے درد، تشنج، دردِ شقیقہ وغیرہ سے مکمل طور پر نجات دے دیتی ہے۔

۷)......ریکی جسم میں موجود زہریلے مادوں اور زہر کے اثرات کو صاف کر دیتی ہے۔

۸)......ریکی کے ذریعے انسان جسمانی توانائی اور ذہنی صلاحیتوں میں اضافہ محسوس کرتا ہے۔

۹)......ریکی ذہن میں مثبت رویہ پیدا کرتی ہے اور منفی خیالات ختم کر کے انسان کو پُراُمید بنا دیتی ہے۔

۱۰)......ریکی کے ذریعے بغیر درد اور بغیر آپریشن کیے عملِ پیدائش ممکن ہو جاتا ہے۔

ریکی کے بارے میں یہ تمام تفصیلات ان لوگوں کے لٹریچر سے ماخوذ ہیں جو اسے بطور پیشہ سکھاتے ہیں۔ ظاہر ہے اپنے کام میں کشش پیدا کرنے کے لیے انسان کو اس طرح کے ہزاروں فوائد بتانے پڑتے ہیں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے گاڑی یا ٹرین میں سفر کے دوران کوئی نیم حکیم پانچ، دس روپے کی دوا (چورن وغیرہ) بیچتے ہوئے اس کے بیسیوں فوائد گنواتا ہے۔ چورن میں تو پھر بھی کچھ نہ کچھ کارآمد جڑی بوٹیاں یا ان کا اثر ہوتا ہے مگر ریکی میں اتنا اثر بھی نہیں۔ اگر ریکی واقعی کوئی ایسی چیز ہوتی، تو اس کی دریافت کے ساتھ دنیا میں تہلکہ مچ جاتا، لوگ ہسپتالوں کا رخ بھول جاتے اور ریکی ہیلروں کے گرد جمع ہو جاتے۔ مگر آپ دیکھ لیں کہ نہ مغربی دنیا میں ان ریکی ہیلروں کی دال گلی اور نہ یہاں کے توہم پرست ان کی باتوں میں آئے۔ اور جو لوگ ان کی طرف تھوڑا بہت متوجہ ہوئے ہیں، وہ بھی صرف نفسیاتی طور پر ان سے متاثر ہوئے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ریکی میں ایسی کوئی خوبی نہیں جو بتائی جاتی ہے۔

جو لوگ ریکی کو سائنسی علم ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل دیتے ہیں کہ ریکی کے ذریعے توانائی خارج ہو کر متاثرہ حصے کو اسی طرح ٹھیک کرتی ہے، جس طرح دوا (Medicine) کرتی ہے، وہ بے چارے یا تو خود غلط فہمی میں مبتلا ہیں یا دوسروں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے کہ دوا یا تو جراثیم کو ختم کر دیتی ہے یا ان کی طاقت میں تبدیلی پیدا کر کے انہیں غیر مؤثر بنا دیتی ہے اور ایسا ہزاروں تجربات سے ثابت ہے مگر ریکی کے ذریعے ایسا ممکن ہی نہیں۔ اگر یقین نہ آئے تو کسی ماہر ریکی ہیلر کے سامنے چند جرثومے رکھ کر کہیے کہ وہ اپنی توانائی کے ذریعے انہیں ہلاک کر دکھائے، تو وہ کبھی ایسا نہیں کر پائے گا......!

علاوہ ازیں اگر ریکی میں توانائی پیدا کر کے ماورائی علاج کرنا ممکن ہے تو پھر اس کے ذریعے بھوکے کا پیٹ

کیوں نہیں بھرا جا سکتا؟ ریکی ہیلروں کے پاس اس سوال کا کوئی معقول جواب نہیں ہے......!

میں نے جب شروع شروع ریکی کے بارے میں پڑھا، سنا تو مجھے خیال پیدا ہوا کہ یہ چیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزۂ شفا☆ سے متاثر ہو کر نکالی گئی ہو گی، اور لوگوں کو اس پر قائل کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال سنائی جاتی ہو گی۔ جب تحقیق کی تو واقعی میرا یہ خیال درست ثابت ہوا کیونکہ جس شخص نے 'ریکی' کو باقاعدہ فن کی حیثیت دی، وہ 'ڈاکٹر میکاؤ یوسوئی' (Mikao Usui) ہے۔ اس کے سوانح اور ریکی سے متعلقہ کتابوں میں اس چیز کا صاف ثبوت ملتا ہے مثلاً اسی سلسلہ کی ایک کتاب میں لکھا ہے:

''ڈاکٹر میکاؤ یوسوئی (Mikao Usui) انیسویں صدی کے اواخر میں جاپان کے شہر 'کیاتو' یا کئٹو (Kyoto) میں پیدا ہوئے۔ وہ کرسچنز بوائے ماڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے، وہ اتوار کو وعظ کے خطبے بھی دیا کرتے تھے۔ ایک دن ان کے کچھ طالب علم ان کے پاس آئے اور پوچھا کہ کیا واقعی وہ اس پر یقین رکھتے ہیں جو کچھ وہ پڑھا رہے ہیں۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ بائبل کے اندر حضرت عیسیٰؑ کے معجزے خاص طور پر لوگوں کو شفا بخشنے کے معجزے، لفظ بہ لفظ درست تھے۔ ڈاکٹر میکاؤ اوسوئی نے جواب دیا ''ہاں''، وہ حضرت عیسیٰؑ کے معجزوں اور اس بات پر کہ انہوں نے لوگوں کو شفا بخشی، یقین کیوں رکھتے تھے۔ طالب علموں نے پھر ڈاکٹر میکاؤ اسوئی سے کہا کہ وہ اس بات کو کر کے دکھائیں کہ کس طرح حضرت عیسیٰؑ نے لوگوں کا علاج کیا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ اتنے چھوٹے تھے کہ وہ کسی بات پر یقین نہیں کرتے تھے، وہ علم سائنس کی طرح [اس کا] ثبوت چاہتے تھے۔

ڈاکٹر میکاؤ اوسوئی نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ علاج کیسے کروں مگر میں اس کو معلوم کر لوں گا، جب یہ جان جاؤں گا کہ لوگوں کی بیماریوں کا علاج کیسے کرنا ہے تو میں واپس آؤں گا اور آپ کو بتاؤں گا۔ اگلے دن ڈاکٹر میکاؤ نے ان سوالات کے جوابات ڈھونڈنے کے لیے سکول میں اپنی نوکری چھوڑ دی، یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ان مبلغین نے اسے ہر چیز نہیں سکھائی تھی۔ وہ اپنے مذہب میں مزید تحقیق کرنا چاہتا تھا، لہٰذا وہ عیسائی ملک امریکہ چلا گیا اور وہاں شکاگو یونیورسٹی میں علم معرفت کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ڈاکٹر میکاؤ نے انجیل مقدس اور عیسائی صحیفوں کا مطالعہ کیا مگر وہ کچھ نہ پا سکے جس کی وہ جستجو کر رہے

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دیگر معجزات کے علاوہ ایک یہ معجزہ بھی عطا فرمایا تھا کہ آپ اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھی پر ہاتھ پھیرتے اور وہ صحت یاب ہو جاتا، دیکھیے: سورۃ المائدۃ: ۱۱۰۔

تھے یعنی وہ فارمولا جس کے تحت حضرت عیسیٰؑ نے شفایابی کا کام کیا تھا۔ یہ جاننے کے بعد کہ 'بدھا' نے بھی بیماروں کو صحت یاب کیا تھا، اس نے بدھ مت کا مطالعہ شروع کر دیا۔ امریکہ میں سات سال گزارنے کے بعد ڈاکٹر میکاؤ اوسوئی واپس 'کیاتو' (Kyoto) میں آ گئے۔ یہ ایسا علاقہ تھا جو بدھ مت کے مندروں کے لیے مشہور تھا، وہاں وہ اپنے مطالعہ کے لیے بدھ مت کے مزید صحیفے حاصل کر سکتا تھا۔ 'کیاتو' میں واپس آ کر ڈاکٹر میکاؤ بہت سی خانقاہوں میں گئے۔ ابھی بہت سے بدھا پادری اس کے شفایابی سے متعلق سوالوں میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ وہ جسم کی پاکیزگی سے زیادہ ذہن کی پاکیزگی میں دلچسپی رکھتے تھے۔

آخرکار ڈاکٹر میکاؤ ایک بڑے پادری (Zen Abbot) سے ملے جس نے کہا کہ وہ ڈاکٹر میکائی کی تحقیق میں دلچسپی رکھتا ہے اور اس نے ڈاکٹر صاحب کو دعوت دی کہ وہ ان کی خانقاہ جو 'کیاتو' (Kyoto) کے باہر واقع تھی، میں آئیں اور مطالعہ کریں۔ ڈاکٹر میکاؤ نے بدھ مت کے صحیفوں کا مطالعہ شروع کیا، بعد میں سنسکرت زبان بھی سیکھی۔ سنسکرت زبان سیکھنے کے بعد ہی اس کو مریضوں کی شفایابی کا فارمولا ہاتھ آیا۔ یہ فارمولا چند علامات پر مشتمل تھا جن سے بدھا مریضوں کو شفا دیا کرتا تھا۔ آخرکار ڈاکٹر میکاؤ اپنا ہدف حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا مگر اس نے محسوس کیا کہ چونکہ وہ ان علامات کا استعمال نہیں جانتا تھا، اس لیے وہ شفایابی کی طاقت نہیں رکھتا۔ اپنے اندر سے شفایابی کی قوت حاصل کرنے کے لیے ڈاکٹر میکاؤ 'کیاتو' سے سترہ میل دور ایک مقدس پہاڑ ''کوہِ زیامان'' پر مراقبہ کرنے اور روزہ رکھنے کے لیے جگہ کا انتخاب کر کے ۲۱ روز تک بیٹھے رہے۔ وقت گزرنے کا حساب رکھنے کے لیے انہوں نے اپنے سامنے ۲۱ پتھر رکھ لیے۔ جب ایک دن گزرتا تو وہ ایک پتھر پھینک دیتے۔ آخری دن صبح صادق سے پہلے وہ وقت تھا کہ میکاؤ مایوس تھا۔ اس نے دیکھا کہ آسمان کی طرف سے ایک روشنی آ رہی ہے۔ ڈاکٹر میکاؤ بالکل ڈر گئے مگر انہوں نے بہادر بننے اور اس کا سامنا کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ وہ چیز تھی جس کی وہ تلاش کر رہا تھا۔ یہ ٹمٹماتی ہوئی روشنی ایک بڑی سی سفید روشنی کی شعاع بن گئی جو دونوں آنکھوں کے درمیان اور سر کی چوٹی میں آ کر پڑی۔ یہ شعاع اتنی طاقتور تھی کہ ڈاکٹر میکاؤ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ یہ تھا 'ھوپس' کا عمل جس کو آج بھی ہم شاگردوں کو سکھاتے ہیں اور شاگرد بھی ایسا ہی محسوس کرتے ہیں۔

جب ڈاکٹر میکاؤ دوبارہ ہوش میں آئے تو انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا اور قوسِ قزح کے تمام رنگوں،

کے بلبلوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے ناچتے ہوئے دیکھا۔ پھر آسمان ایک روشن سفید سکرین میں تبدیل ہو گیا۔ اس پردہ پر میکاؤ نے ان علامات کو سنہری حروف میں لکھے ہوئے دیکھا جو کہ انہوں نے سنسکرت کے صحیفوں میں پائی تھیں۔ جب وہ علامات ان کے سامنے حرکت کر رہی تھیں تو ان کا استعمال اور ان کے معانی ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں آ گئے۔

جوش میں ڈاکٹر میکاؤ پہاڑ سے نیچے دوڑ کر اترے اور انہوں نے ٹھوکر کھا کر اپنے پاؤں کی انگلی کو زخمی کر لیا، جس سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ جبلتی طور پر انہوں نے اپنا ہاتھ پاؤں کی انگلی پر رکھ لیا۔ خون بہنا بند ہو گیا اور تکلیف ختم ہو گئی۔ ڈاکٹر میکاؤ کے لیے ریکی کی شفا بخش طاقت کا یہ پہلا تجربہ تھا......

ڈاکٹر میکاؤ اپنے نئے حاصل شدہ عطیہ سے کام لینے کا فیصلہ کرنے کے بعد اس عطیہ خداوندی سے ضرورت مند لوگوں کو فیض دینے کے لیے شہر سے باہر ایک تاریک اور پسماندہ سے حصے میں چلے گئے۔ ڈاکٹر میکاؤ نے ان لوگوں کا علاج شروع کر دیا جو اپنا گزارہ بھیک مانگ کر کیا کرتے تھے۔"(۱)

اس طویل اقتباس میں ریکی کے حوالے سے جو کچھ کہا گیا ہے، انبیاء و رسل کے معجزات پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص اسے تسلیم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہر شخص تھوڑی بہت ریاضت سے اگر مریض کے جسم پر ہاتھ پھیر کر غیر مادی ذرائع سے شفا دے سکتا ہے تو پھر یہ چیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ قرار نہیں پا سکتی۔ لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ یہ چیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اور معجزہ وہی چیز ہوتی ہے جو عام انسانوں کے بس کی بات نہ ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر شفا بخشی کا یہ طریقہ کسی طرح سے آگے منتقل ہو سکتا ہے تو پھر سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود ہی اس کا انتظام فرماتے اور اپنے تمام حواریوں کو یہ چیز سکھا دیتے اور ان کے حواری آگے اپنے احباب میں اسے پھیلاتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ چیز اپنے حواریوں کو سکھائی اور نہ ہی حواریوں نے ایسا کوئی عمل ظاہر کیا۔

جہاں تک ڈاکٹر میکاؤ کا مذکورہ بالا قصے کا تعلق ہے تو یہ سر تا پا جھوٹا ہے۔ ایک تو اس لیے کہ یہ سب سنی سنائی باتیں ہیں جس میں رنگ آمیزی کی جھلک بھی صاف دکھائی دے رہی ہے۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ جو کچھ ڈاکٹر میکاؤ کو دکھایا گیا، وہ سب شیطانی اثرات ہوں۔ علاوہ ازیں اگر ریکی سیکھنے سے انسان میں کوئی نور، یا

(۱) ماورائی علوم، ازقلم، اے صمد مسافر، ص ۱۰۴ تا ۱۱۶۔

روشنی داخل ہوتی ہے تو آج ریکی سیکھنے سکھانے والوں کو یہ دکھائی کیوں نہیں دیتی۔ اگر کوئی کہے کہ دکھائی دیتی ہے تو وہ صاف جھوٹ بولتا ہے۔

دراصل مغربی دنیا میں بھی ان چیزوں کو پڑھا لکھا طبقہ تسلیم نہیں کرتا۔ وہاں چونکہ منطق، دلیل اور مشاہدہ کی بنیاد پر بات قبول کی جاتی ہے، اس لیے یہ چیزیں وہاں مقبول نہ ہو سکیں۔ اگر یہ کہیں مقبول ہوئیں یا ہو سکتی ہیں تو وہ ایسے ہی علاقے ہیں جہاں توہم پرستی کی وبا زیادہ ہو۔ پاک وہند میں چونکہ جہالت اور توہم پرستی کا رجحان زیادہ ہے، اس لیے بعض لوگ ان چیزوں کو یہاں پھیلانے میں مصروف ہیں اور آہستہ آہستہ کامیابی بھی حاصل کر رہے ہیں۔

چند ٹکوں کی خاطر لوگوں کے عقائد خراب کرنے والوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کی نگاہ میں یہ سب سے بڑا گناہ ہے کہ انسان کفریہ وشرکیہ عقیدہ اختیار کر لے اور اس شخص کا گناہ تو اس سے بھی بڑھ کر ہوگا جو لوگوں کے عقائد خراب کرنے کی ذمہ داری اٹھا لے......!

......☆......

باب ۱۴

یوگا...... یوگ / YOG

نجات کے حصول کا تصور تقریباً ہر مذہب میں پایا جاتا ہے گو کہ اس کا پس منظر ہر مذہب میں مختلف ہے۔ ہندوؤں کے ہاں 'آخرت' اور 'جنت وجہنم' کا کوئی تصور نہیں بلکہ ان کے ہاں اس کے برعکس آواگون یا تناسخ کا نظریہ پایا جاتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق انسان کے مرنے کے بعد اس کی روح کو دوبارہ کوئی اور جسم (قالب) دے کر اس دنیا میں لوٹا دیا جاتا ہے اور ہزاروں مرتبہ ایسا ہوتا ہے۔ اگر کوئی انسان ایک جنم میں برے کام کرے تو اگلے جنم میں اسے سزا دی جاتی ہے اور اس سزا کے نتیجے میں اسے کتے، گدھے یا کسی اور جانور وغیرہ کی شکل میں جسم ملتا ہے حتیٰ کہ جب تک ایک انسان انتہائی درجہ کی ریاضتیں، عبادتیں اور مشقتیں برداشت نہیں کر لیتا تب تک وہ اس آواگونی چکر سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ اور ان کاموں کے لیے 'یوگا' جیسی مشقیں دریافت کی گئیں۔ ہندومت میں یوگا کی ان مشقوں کو روحانیت اور عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب انسان یوگا کی ریاضتوں کے ذریعے کامیابی حاصل کر لیتا ہے تو اس کی روح دوبارہ کسی جسم میں لوٹنے کی بجائے سب سے بڑی روح (آتما یعنی خدا) کے ساتھ جا ملتی ہے اور یوں گویا وہ فنا فی اللہ ہو جاتی ہے اور دنیا میں واپس آنے سے نجات حاصل کر لیتی ہے۔

اسی سے ملتا جلتا تصور بدھ مت کے ماننے والوں کا ہے جو اسے 'نروان' (نجات) کا حصول قرار دیتے ہیں، اسی نجات کے حصول کے لئے ہندوؤں، بدھوؤں اور جینیوں (جین مت کے ماننے والوں) نے بہت سے مافوق الفطرت عمل شروع کیے مثلاً:

''یہ دور جنگلوں اور غاروں میں رہتے، اپنے جسم کو ریاضتوں سے طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے۔ گرمی، سردی، بارش اور ریتلی زمینوں پر ننگے بدن رہنا انہوں نے اپنی ریاضتوں کا مقدس عمل سمجھا۔ جہاں یہ اپنے آپ کو دیوانہ وار تکلیفیں پہنچا کر انگاروں پر لیٹ کر، درختوں کی شاخوں پر گھنٹوں لٹک کر اور اپنے ہاتھوں کو بے حرکت بنا کر، یا سر سے اونچا لے جا کر اتنے طویل عرصے تک رکھتے کہ وہ بے حس ہو جائیں اور سوکھ کر کانٹا بن جائیں۔ ان جسمانی ریاضتوں کے ساتھ انہوں نے دماغی اور روحانی مشقتوں کو بھی نجات کا ذریعہ بنایا۔

روحانی قوت اور ضبطِ نفس کے حصول کی خاطر ریاضت کا ایک اہم طریقہ ''یوگا'' ایجاد کیا گیا جس پر ہندو مت، بدھ مت اور جین مت کے پیروکار سبھی عمل کرتے ہیں۔ اس طریقہ ریاضت میں یوگی اتنی دیر سانس روکتے ہیں کہ موت کا شبہ ہونے لگتا ہے، دل کی حرکت کا اس پر اثر نہیں ہوتا۔ سردی گرمی ان پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ یوگی طویل ترین فاقے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں...... سادھوؤں اور یوگیوں کا شعلہ افشاں انگاروں پر ننگے قدم چلنا اور بغیر جلے سالم نکل آنا، تیز دھار نوکیلے خنجر سے ایک گال سے دوسرے گال تک اور ناک کے دونوں حصوں تک اور دونوں ہونٹوں کے آر پار خنجر اتار دینا اور اس طرح گھنٹوں کھڑے رہنا، تازہ کانٹوں اور نوکیلی کیلوں کے بستر پر لیٹے رہنا یا رات دن دونوں پیروں یا ایک پیر کے سہارے کھڑے رہنا (ان کا معمول تھا)''۔[۱]

اس سے معلوم ہوا کہ یوگا کی ریاضتیں ایک خاص پس منظر رکھتی ہیں، لہٰذا انہیں روحانی سکون یا محض جسمانی بہتری کی ورزشیں قرار دینا محلِ نظر ہے کیونکہ یوگا کی آڑ میں ہندو مت اور بدھ مت کے، حصولِ نجات اور روحانیت وغیرہ کے غیر اسلامی فلسفوں کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے اس کی بعض ورزشیں جسمانی صحت کے لیے مفید بھی ہوں مگر ہمارے ہاں یوگا کے نام سے جو لوگ مخصوص ریاضتیں کرواتے ہیں، ان کے پیشِ نظر جسمانی صحت کے علاوہ روحانی طاقت یا دوسرے لفظوں میں کائناتی قوت (اَنرجی) کا حصول ہوتا ہے اور اس انرجی کے حصول میں بھی وہی فلسفہ کارفرما ہے کہ اس کے ذریعے غیر مادی وغیر طبعی انداز میں اپنی اور دوسرے لوگوں کی مشکلیں، مصیبتیں اور بیماریاں دور کرنا ممکن ہے، چنانچہ یوگا کے حامی ایک صاحب لکھتے ہیں:

''یوگ سائنس یہ ثابت کرتی ہے کہ سانس کے ذریعے اپنی ماورائی صلاحیتیں بھی بیدار کی جاسکتی ہیں۔ اپنی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں میں اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ علم یوگا کی رو سے پوری کائنات میں ایک لطیف اَنرجی (پرانایام) ہے جو پوری کائنات کا نظام چلا رہی ہے۔ یہ انرجی حیوان، انسان، جمادات، نباتات اور ہر ذرہ میں موجود ہے۔ اسلام میں اس کو اللہ کا نور کہتے ہیں۔ یہ نور یا انرجی جو پوری کائنات کو نظم وڈسپلن میں لاتی ہے، حیوانات اور انسان طرزِ تنفس کے راستے سے اپنے دماغ اور باقی جسم میں ذخیرہ کرسکتا ہے۔ یہ قوت انسان مختلف سانسوں کی مشقوں کے ذریعے اپنے جسم میں ذخیرہ کرسکتا ہے اور

(۱) مقدمہ ارتھ شاستر، ص۹۹۔ ۱۳۰۔ بحوالہ: کتاب التوحید، از: محمد اقبال کیلانی، ص ۶۸۔

گھنٹوں آکسیجن کے بغیر رہ سکتا ہے۔ یوگی چند گھنٹے بغیر سانس لیے پانی کے اندر بیٹھ سکتے ہیں۔ اور گرمی سردی ان پر اثر نہیں کرتی۔ کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ سانسوں کے عمل سے انسان کے دماغ میں آکسیجن ذخیرہ ہو جاتی ہے۔ پرانایام (انرجی) کے علاوہ انسان پر کچھ اور کائناتی قوتیں بھی اثر انداز ہوتی ہیں، مثلاً ''ھا'' اور ''تھا'' کی قوتیں۔ کچھ کہکشاؤں کے اثر اور زمین کی مقناطیسی لہریں وغیرہ۔

''ھا'' کا مطلب چاند اور ''تھا'' کا مطلب ہے سورج۔ چاند سے منفی قوتیں نکل رہی ہیں اور سورج سے مثبت۔ چاند کی انرجی ہمارے بائیں نتھنے سے اندر جاتی ہے اور سورج کی انرجی ہمارے دائیں طرف کے نتھنے سے ہمارے جسم میں محو گردش ہوتی ہے۔ یہ دونوں توانائیاں انسان کے لیے لازمی اور حیات بخش سمجھی جاتی ہیں۔ یہ قوتیں انسان مختلف سانسوں کی مشقوں کے ذریعے جسم میں ذخیرہ کر کے اس کے ذریعے دماغی صلاحیتیں بھی بیدار کر سکتا ہے۔ ''ھا'' اور ''تھا'' کی قوتوں کی طرح زمین میں جو قوتیں موجود ہیں اور جو باقی کائنات میں ہیں، ہماری زندگی اور کارکردگی میں شامل ہیں۔ تنفس کے ذریعے یہ تمام قوتیں ہم جذب کر سکتے ہیں۔ یوگا میں سانس پر اس لیے توجہ دی جاتی ہے کہ انسان کائنات میں دوسری مخلوق کے ساتھ سانس کے ذریعے رابطہ کر سکتا ہے۔''(۱)

یہ اقتباس سچ اور جھوٹ کا خوبصورت پلندہ ہے۔ ہم اس سے صرف چند خطرناک باتوں کی طرف اشارہ کر کے ان پر تبصرہ کریں گے:

۱)......اس میں ایک انتہائی خطرناک بات یہ کہی گئی ہے کہ پوری کائنات میں ایک لطیف انرجی (پرانایام) ہے جو پوری کائنات کا نظام چلا رہی ہے۔ اگر یہی بات ہے تو اللہ کی قدرت اور عمل دخل کا اسلامی تصور کہاں گیا؟ اسے اگر اللہ کے نور سے تشبیہ دیں تو یہ بھی غلط بات ہے، اللہ کا نور اس طرح کائنات یا انسانوں وغیرہ میں سرایت نہیں کرتا بلکہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ

﴿ وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [سورۃ الاعراف: ۱۴۳]

(۱) ماورائی علوم اور ان کا خلاصہ، ص ۴۳،۴۴۔

''اور جب موسیٰ ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو (حضرت موسیٰ نے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو اپنا دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ پس جب ان کے رب نے اس (پہاڑ) پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس پہاڑ کے پرخچے اُڑا دیے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا، بے شک آپ کی ذات منزہ ہے، میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔''

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر نورِ الٰہی کی تجلی برداشت نہ کر پائے تو دیگر انسانوں کے لیے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ان میں اللہ کا نور سرایت کر جائے......!

۲)......اس اقتباس میں دوسری خطرناک بات یہ کہی گئی ہے کہ یوگا کی مشقوں کے ذریعے انسان کائنات میں دوسری مخلوق کے ساتھ رابطہ پیدا کر سکتا ہے۔ اگر تو دوسری مخلوق سے مراد فرشتے یا شیاطین ہیں تو ان میں سے شیاطین و جنات تو شاید ایسے گمراہ شخص کو مزید گمراہ کرنے کے لیے آ جائیں مگر فرشتے ایسے شخص سے رابطے کے لیے نہیں آئیں گے اور اگر اس سے مراد کوئی اور مخلوق ہے تو پھر یہ بات بھی غلط ہے، اس لیے کہ کائنات میں انسانوں، فرشتوں اور جنوں کے علاوہ اور کوئی باشعور مخلوق آباد نہیں۔

۳)......تیسری بات یہ ہے کہ انرجی اور کائناتی قوتوں کے حصول کے لیے جو ریاضتیں وغیرہ تجویز کی جاتی ہیں، یہ سب لایعنی اور فضول چیزیں ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ایسی فضولیات کے پیچھے نہیں پڑے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی روحانی قوت زیادہ تھی، ان کی دعائیں جلد قبول ہو جاتی تھیں، ان کے لیے کرامتیں بھی ظاہر ہوتیں اور رحمتیں بھی نازل ہوتیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ کوئی مخصوص ریاضتیں، چلے اور مجاہدے کرتے تھے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکام پر پوری تندہی سے عمل کرتے تھے۔ آج بھی اگر انسان اللہ کا صحیح فرمانبردار بن کر دکھائے تو اسے اللہ کی رحمت، نصرت اور تائید حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اللہ کی فرمانبرداری کا راستہ صرف اور صرف ایک ہے، وہ یہ کہ انسان اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید اور اس کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی سنت پر صدقِ دل سے عمل پیرا ہو جائے۔ اسی میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔

......☆......

باب ۱۵

ٹیلی پیتھی

'ٹیلی پیتھی' یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے فاصلہ اور احساس۔ اس کی تعریف اور توضیح کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ

''ٹیلی پیتھی وہ علم ہے جس میں ایک شے دوسری شے کے ساتھ غیر مرئی توانائی کے ذریعے رابطہ کر سکے ...... دوسرے لفظوں میں کسی وسیلے کے بغیر ایک دماغ کا دوسرے دماغ سے رابطہ قائم کرنے کو ٹیلی پیتھی کہتے ہیں۔ خواہ ایک دماغ دوسرے دماغ سے کتنی دور ہی کیوں نہ ہو۔ آپ ٹیلی پیتھی کی مثال وائرلیس اور موبائل فون کے ساتھ بھی دے سکتے ہیں۔ ٹیلی پیتھی کو اردو، عربی اور فارسی میں روحانی تکلم بھی کہتے ہیں اور انتقالِ خیالات وافکار بھی۔ اس کو واضح طور پر یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ دو افراد کے درمیان، چاہے وہ دور فاصلہ پر ہوں یا نزدیک، بغیر زبانی تکلم یا جسمانی اشارہ جات (جسمانی زبان) ذہنی بول چال کو ٹیلی پیتھی کہتے ہیں۔ ٹیلی پیتھک توانائی کا حامل شخص دوسرے لوگوں کے افکار و خیالات جذبات واحساسات کو کھربوں میل کے فاصلہ کے باوجود پڑھ سکتا اور محسوس بھی کر سکتا ہے۔''[(۱)]

ایک اور صاحب ٹیلی پیتھی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''فاصلے پر موجود کسی دوسرے آدمی کی سوچ معلوم کرنے کو ٹیلی پیتھی کہتے ہیں لیکن کچھ لوگ رسالوں وغیرہ میں پڑھ کر سمجھتے ہیں اس میں فاصلے سے دوسرے انسان کا دماغ قابو کیا جا سکتا ہے جبکہ حقیقت میں ایسا کرنا بالکل ممکن نہیں۔ ٹیلی پیتھی میں عموماً یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ دوسرا کیا سوچ رہا ہے۔ یہ ایک عام انسانی صلاحیت ہے، گو مختلف لوگوں میں اس کی طاقت مختلف ہوتی ہے۔ بہت سے لوگوں کو دوسرے لوگوں کی سوچ معلوم ہوتی رہتی ہے، مگر اکثر لوگوں کو خود اس کا علم نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگ دوسروں کی سوچیں پکڑ کر (Pick کرکے) اس کے مطابق لاشعوری طور پر ان پر عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی کی سوچ طاقت ور ہے تو دوسرا اسے لاشعوری طور پر پکڑ کر اس پر عمل شروع کر دیتا ہے''۔[(۲)]

اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ٹیلی پیتھی کی صلاحیت فطرتی طور پر ہر شخص میں ہوتی ہے البتہ اسے اجاگر

(۱) ماورائی علوم کا خلاصہ، ص۱۲۳۔ (۲) روحانیت، دانش اور حقیقتیں، از قمر اقبال صوفی، ص۵۰۸۔

کرنے کے لیے کسی ماہر استاد کی نگرانی اور تربیت ضروری ہے اور استاد کے بغیر اسے استعمال کرنا نقصان دہ بھی ہوسکتا ہے۔علاوہ ازیں ٹیلی پیتھی کی قوت بڑھانے کے لیے یوگا کی مشقیں ضروری ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے دور بیٹھے لوگوں کا جسمانی علاج معالجہ بھی ممکن ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ٹیلی پیتھی کی مشقوں سے بعض لوگ ذہنی اور جسمانی بیماریوں میں بھی مبتلا ہوسکتے ہیں۔

ٹیلی پیتھی میں دماغ پر زور دے کر مراقبہ کیا جاتا ہے اور جس شخص کو کوئی پیغام دینا مقصود ہو، اس کا تصور کر کے اپنے ذہن کے ذریعے مطلوبہ پیغام بھیجا جاتا ہے۔ادھر دور بیٹھے اس شخص کے ذہن میں وہی بات پیدا ہوتی ہے اور وہ اٹھ کر وہی کام شروع کر دیتا ہے جو پیغام بھیجنے والے نے اسے اپنے ذہن میں کہا ہوتا ہے۔

ہمارا تبصرہ

ہمارے نزدیک یہ سب جھوٹ ہے۔ایسا ممکن ہی نہیں ہے کہ آپ کسی شخص کا ذہن پڑھ لیں، یا بغیر مادی ذرائع کے اس کے ذہن میں کوئی چیز ڈال دیں۔اگر کوئی شخص یہ دعوٰی کرے کہ میں ٹیلی پیتھی میں ماہر ہوں تو آپ اس کے سامنے بیٹھ کر یہ کہیے کہ میں کچھ سوچتا ہوں،تم بتادو کہ میں نے کیا سوچا ہے۔وہ تکے بازی تو کرے گا مگر آپ کی سوچی ہوئی چیز کا صحیح جواب نہیں دے پائے گا۔اسی طرح دوسرا شخص یہ کیسے جان سکتا ہے کہ آپ نے اپنے ذہن کے ذریعے اسے کوئی پیغام بھیجا ہے؟ اسے جاننے کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ آپ حسی ذرائع سے اسے باخبر کریں۔ورنہ یہ مان لیں کہ انسان ٹیلی پیتھی کے ذریعے 'غیب دان' بن سکتا ہے، حالانکہ قرآن مجید کا صاف فیصلہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی غیب دان نہیں۔

البتہ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپ کسی شخص کے بارے میں خیال کر رہے ہوتے ہیں اور ادھر اسی لمحے اس کا فون آجاتا ہے یا چند لمحوں بعد اس سے ملاقات ہوجاتی ہے اور آپ اسے بتاتے ہیں کہ میں ابھی تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا تھا۔لیکن ایسا اتفاقاً ہوتا ہے، کیونکہ اس کے لیے نہ آپ نے کوئی مراقبہ کیا، نہ تصور کر کے اسے حکم دیا اور نہ ہی ٹیلی پیتھی کا کوئی کورس کیا ہوتا ہے۔اگر کوئی یہ کہے کہ یہ اتفاقیہ بات نہیں بلکہ حقیقت ہے تو پھر ہر مرتبہ ایسا ہی ہونا چاہیے کہ جس شخص کے بارے میں جو کچھ آپ سوچیں، وہی ظاہر ہو جائے یا آپ جب بھی تصور میں اسے حکم دیں، وہ اس حکم کی تعمیل بجا لائے، مگر ٹیلی پیتھی کا ماہر سے ماہر شخص بھی ایسا نہیں کرسکتا۔

......☆......

باب ١٦

ہپناٹزم ر مسمریزم

'ہپناسس' یا 'ہپناٹزم' (HYPNOTISM) کو مسمریزم بھی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ مغربی دنیا میں جس شخص نے سب سے پہلے اس موضوع کو اجاگر کیا، اس کا نام مسمر تھا، اور اسی کے نام سے یہ مسمریزم کہلانے لگا۔ بعد میں جب اسے منظم شکل دی گئی تو اس کا نام مسمریزم کی بجائے 'ہپناٹزم' رکھ دیا گیا۔

بعض لوگ اسے جادو کی مجازی اقسام میں ذکر کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا تعلق علم نفسیات سے ہے کیونکہ ہپناٹزم میں نفسیاتی حربوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جادوگر اور شعبدہ باز بھی اپنے فن میں مہارت کے لیے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسے کس طرح استعمال کیا جاتا ہے، اسے سمجھنے سے پہلے علم نفسیات کی رو سے انسانی ذہن کے کام کو سمجھنا ضروری ہے۔

علم نفسیات کی رو سے انسانی ذہن کے تین حصے ہیں:

۱: شعور (Concious)

۲: تحت الشعور (Sub Concious)

۳: لاشعور (Un Concious)

۱)..... شعور سے مراد انسانی ذہن کی وہ موجودہ حالت ہے، جس سے انسان گزر رہا ہوتا ہے مثلاً اس وقت آپ یہ کتاب پڑھ رہے ہیں، اس میں لکھی چیزوں پر غور و فکر بھی کر رہے ہیں، یہ سب آپ کی شعوری حالت ہے۔

۲)..... 'تحت الشعور' سے مراد انسانی یادداشت کا ریکارڈ ہے۔ انسان جن حالات، حادثات اور واقعات سے گزرتا ہے، ذہن ان کا ایک ریکارڈ مرتب کر کے رکھ لیتا ہے اور ضرورت پڑنے پر انہیں انسان کے شعور میں لے آتا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آپ کو کوئی سال پرانا واقعہ فوراً یاد آ جاتا ہے، یہ آپ کے شعور سے غائب تھا اور تحت الشعور میں محفوظ تھا۔ جب آپ ذہن پر زور دیتے ہیں یا آپ کے ساتھ اس سے ملتا جلتا کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو یہ تحت الشعور سے شعور میں آ جاتا ہے۔

۳)......'لاشعور' انسانی ذہن کا وہ حصہ ہے جو 'تحت الشعور' کی تمام اہم چیزیں اپنے اندر محفوظ کر کے انسان کی عادات کو کنٹرول کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انسان کی طبعی و جبلی ہر طرح کی حرکات و عادات لاشعور کے ساتھ مربوط ہیں۔ انسان بغیر سوچے سمجھے بھی جو کچھ کر رہا ہوتا ہے، وہ 'لاشعور' کے ذریعے کر رہا ہوتا ہے۔

ہپناٹزم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایسا علم ہے جس میں کسی تصور یا خیال کو براہِ راست انسان کے لاشعور تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے عامل اپنے معمول کی آنکھیں بند کروا کے اسے لمبے مراقبے میں لے جاتا ہے۔ جب معمول نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں جا پہنچتا ہے تو پھر عامل اپنا عمل کرتا ہے۔ یا تو وہ 'معمول' سے ایسے سوالات کرتا ہے جن کے صغرے، کبرے ملا کر وہ اس سے متعلقہ بہت سی معلومات حاصل کر لیتا ہے۔ یا پھر اس کے لاشعور میں کوئی چیز، نظریہ، تصور وغیرہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے اور جب وہ انسان کے لاشعور میں کوئی چیز ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر 'معمول' کو ہوش میں لے آتا ہے اور ہوش میں آنے کے بعد معمول وہ چیز اسی طرح اور اسی وقت پر کرتا ہے، جس طرح عامل نے اس کے لاشعور میں بٹھائی تھی، مثلاً ایک عامل نے معمول کو ہپناٹائز کر کے اگر اس کے لاشعور میں یہ ڈال دیا تھا کہ تم ایک گھنٹے کے بعد فلاں کام کرو گے تو 'معمول' ہوش میں آنے کے بعد مقرر رہ وقت پر خود بخود وہی کام کرنا شروع کر دے گا۔ اسی طرح اگر معمول کسی چیز سے ڈرتا ہو اور عامل اسے ہپناٹائز کر کے اس کے لاشعور میں یہ ڈال دے کہ ہوش میں آنے کے بعد تم نے اس چیز سے کبھی نہیں ڈرنا، تو کہا جاتا ہے کہ پھر معمول واقعی اس چیز سے ڈرنا چھوڑ دیتا ہے۔

ہپناٹزم صرف دوسروں کے لیے ہی نہیں ہوتا بلکہ انسان خود بھی اپنے آپ پر یہ عمل کر سکتا ہے۔

ہمارا تبصرہ

ہپناٹزم کے ماہرین خود ہی یہ کہتے ہیں کہ یہ نفسیاتی حربہ ہے۔ اور نفسیاتی اصولوں کے مطابق ہی معمول کا وہم، بیماری، پریشانی، بے چینی، اور خوف وغیرہ دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک بھی اس کا ایک حد تک اثر ہوتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ اور جس حد تک اس کا اثر ہوتا ہے وہ ہپناٹائز کیے بغیر بھی ممکن ہے اور وہ اس طرح کہ آپ اللہ پر مضبوط ایمان، توکل، تقدیر اور آخرت پر یقین کے ساتھ ان چیزوں کو حاصل کر سکتے ہیں اور ہپناٹزم سے زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتے ہیں۔ جب ایک شخص کو یہ یقین ہو کہ

اللہ تعالیٰ نے میری قسمت میں جو کچھ لکھ دیا ہے وہ ہو کر رہنا ہے تو اس کے بہت سے مسائل اس سوچ کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں اور اسے پریشانی اور مصیبت پر صبر آ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر اسے یہ بھی یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ انسان کی مدد کرتے ہیں اور اللہ سے خلوص دل سے مانگی گئی دعا رد نہیں ہوتی تو وہ توکل علی اللہ اور دعا کے ذریعے اپنے بہت سے مسائل حل کر لیتا ہے۔

یہاں ہپناٹزم کے حوالے سے ایک لطیفہ بھی سن لیجیے۔ کہیں پڑھا یا سنا تھا کہ ایک شخص نہایت بزدل اور ڈرپوک تھا، وہ ایک عامل کے پاس گیا تا کہ عامل اس کے ڈر اور خوف کو شجاعت اور بہادری میں بدل دے۔ اس عامل نے اپنے معمول کو کہا کہ تمہیں مسلسل دس روز تک ایک عمل کرنا ہوگا اور وہ یہ کہ تم کئی منزلہ عمارت کی چھت پر چڑھ کر کنارے پر بیٹھ جاؤ اور زمین کی طرف دیکھتے ہوئے ایک ہزار مرتبہ یہ کہو کہ "میں بہت بہادر ہوں، میں یہاں سے گر نہیں سکتا"۔ چنانچہ اس شخص نے ایک عمارت ڈھونڈی اور یہ عمل شروع کر دیا۔ دسویں روز جب وہ یہ عمل کر چکا تو اس زعم میں کہ اب میں واقعی یہاں سے نہیں گر سکتا، تھوڑا سا آگے کو جھک گیا۔ وہ پہلے ہی کنارے پر تھا، آگے جھکنے کی دیر تھی کہ زمین کی کشش ثقل نے اسے اپنی جانب کھینچ لیا اور وہ اُلٹے منہ نیچے جا گرا۔

اس لیے ایسے لوگوں کے پاس جانے سے گریز کرنا چاہیے جو ہپناٹزم سے کام لیتے ہیں، بالخصوص اگر کوئی جادوگر ایسا کرتا ہو تو اس کے پاس کسی صورت نہیں جانا چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ چوری وغیرہ معلوم کرنے لیے جو عامل حضرات چھوٹے بچوں پر عمل کرتے ہیں اور انہیں ان کے انگوٹھے کے ناخن میں چور کی شکل دکھاتے ہیں، وہ دراصل ہپناٹزم سے کام لے رہے ہوتے ہیں۔

......☆......

باب ۱۷

مراقبہ اور چلہ کشی

پچھلے صفحات میں آپ نے ریکی، ٹیلی پیتھی، یوگا اور ہپناٹزم وغیرہ کے بارے میں جو کچھ پڑھا ہے، ان سب میں 'مراقبہ' اور 'چلہ کشی' کسی نہ کسی حیثیت میں موجود ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مراقبہ اور چلہ کشی کے بارے میں بھی تھوڑی سی بات کر لی جائے۔

مراقبہ اور چلہ کشی کا عمل عام طور پر آبادیوں سے دور جنگل، صحرا، سمندر یا دریا کے کنارے کیا جاتا ہے، بعض لوگ گھر میں کمرہ مخصوص کر کے بھی یہ عمل کرتے ہیں۔ مراقبے کے لیے جس شخص کو اس کے عامل یا پیر یا گرو نے جو طریقہ بتایا ہو، وہ اسے ہی اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح جو مختلف وظائف و عملیات بتائے جاتے ہیں، انہی پر عمل کیا جاتا ہے۔ بعض مراقبوں میں چپ سادھنا ضروری قرار دیا جاتا ہے یعنی مراقبے کے دوران کسی سے بات نہیں کرنی خواہ یہ مراقبہ کئی دنوں اور مہینوں تک محیط ہو۔ بعض اوقات مراقبے کی جگہ سے باہر نکلنا بھی ممنوع کر لیا جاتا ہے حتیٰ کہ کھانے پینے اور دیگر ضروریات کے لیے کسی اور کی مدد لی جاتی ہے۔

جادوگر اور کاہن لوگ مراقبے میں جنات کی مدد کے لیے کفریہ و شرکیہ عملیات بھی کرتے ہیں۔ عاملوں اور کاہنوں وغیرہ کے اکثر مراقبوں میں نماز و روزہ اور طہارت و پاکیزگی کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔ ان مراقبوں اور چلہ کشیوں میں جس طرح حقوق اللہ سے لاپروائی کی جاتی ہے، اسی طرح حقوق العباد کو بھی بری طرح پامال کیا جاتا ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عہد نبویؐ اور عہد صحابہؓ میں مراقبہ کے حوالے سے سوائے ایک اعتکاف کے عمل کے ہمیں کوئی اور مثال نہیں ملتی جب کہ اعتکاف میں بھی جو تعلیمات دی گئی ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔ اس میں نہ کوئی کفریہ و شرکیہ عمل کیا جاتا ہے، نہ نماز روزہ وغیرہ کی بے حرمتی کی جاتی ہے بلکہ یہ تو عبادات میں رغبت و کثرت کے لیے مسنون و مستحب قرار دیا گیا اور وہ بھی سال بھر میں چند دن کے لیے۔

بعض لوگ مراقبے کے جواز کے لیے نبی کریم ﷺ کے غارِ حرا میں عبادت کے لیے خلوت نشینی کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں حالانکہ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ واقعہ نبوت و رسالت سے پہلے کا ہے۔ جب آپ ﷺ

کو نبی بنا دیا گیا تو اس کے بعد آخر دم تک آپ ﷺ ایک مرتبہ بھی غارِ حرا میں خلوت نشینی کے لیے نہیں گئے بلکہ دوسروں کو بھی ہر اس چیز سے روکتے اور منع کرتے جس سے ترکِ دنیا کی بو آتی۔ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے چلوں اور مراقبوں کو ناپسند کیا ہے......!

صحابہ کرام کی زندگیاں ہمارے سامنے واضح ہیں کہ ان کے ہاں اعتکاف کے علاوہ کسی ایسے عمل کا کوئی وجود نہیں ملتا جسے آج کی اصطلاح میں مراقبہ یا چلہ کشی کہا جا سکتا ہو بلکہ وہ تو فرضی اور نفلی نمازیں پڑھتے، رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھتے، اللہ کے حضور دعا کرتے، روزے رکھتے اور ان چیزوں کے ساتھ دنیوی کاموں میں بھی وقت دیتے۔ کاروبار بھی کرتے، تجارت اور جہاد کے لیے سفر بھی کرتے مگر ان سب چیزوں کے ساتھ کبھی کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ کسی صحابی نے اپنے آپ کو کسی کمرے میں بند کر کے چلے اور مراقبے کا انتظام کیا ہو یا اس مقصد کے لیے لوگوں سے دور کسی صحرا یا جنگل میں نکل گیا ہو۔ بلکہ اگر کبھی کسی کے ذہن میں ایسا کوئی خیال آیا بھی تو اس سے اسے روک دیا گیا۔

بعض لوگ مراقبوں کو روحانیت میں ترقی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اگر مراقبہ روحانیت میں ترقی کا ذریعہ ہے تو پھر ہمارے نبیؐ اور آپؐ کے صحابہ اس سے کیوں پیچھے رہے، اور اگر وہ پیچھے رہے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اسلامی روحانیت میں مراقبہ اور چلہ کشی وغیرہ کی کوئی حیثیت نہیں......!

اس بات سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ حضور نبی کریم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ روحانیت میں بلند تر درجے پر فائز تھے، اس کی وجہ چلہ کشی اور مراقبے نہیں بلکہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنی زندگی اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ آج بھی اگر کوئی شخص اللہ کا صحیح فرمانبردار بن جائے، اس کے دین پر پورا پورا عمل کرنا شروع کر دے تو اسے ایسی روحانیت حاصل ہو جاتی ہے کہ اس کی دعائیں رد نہیں ہوتیں، اس کی قسم اللہ تعالیٰ پوری فرماتے ہیں، اس پر اللہ کی طرف سے رحمت و برکت کا نزول شروع ہو جاتا ہے، اس کی زندگی بظاہر تنگ اور محدود ہی کیوں نہ ہو مگر اسے روحانی طور پر اطمینانِ قلب نصیب ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ صرف اسی صورت ممکن ہے جب ہم اللہ کے دین پر حتی المقدور عمل پیرا ہو جائیں۔

ہم پورے اصرار اور تکرار کے ساتھ یہ بات کرتے ہیں کہ اسلامی روحانیت میں مراقبہ اور چلہ کشی کی کوئی گنجائش نہیں۔ جن مسلمان صوفیاء کے ہاں یہ چیز پائی جاتی ہے، دیگر مذاہب سے متاثر ہو کر انہوں نے یہ اختیار کی تھی۔ اور ظاہر ہے ایک چیز جب غلط ہو تو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس کا کرنے والا کون ہے، بلکہ یہ دیکھا

جاتا ہے کہ جو کچھ کیا جارہا ہے، وہ قرآن اور حدیث کے مطابق ہے یا اس کے خلاف۔ اسی لیے اسلام میں فائنل اتھارٹی اللہ کے قرآن اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان (حدیث) کو حاصل ہے۔

کچھ عرصہ سے پاکستان میں 'مراقبہ' کو عجیب و غریب انداز سے متعارف کروایا جارہا ہے۔ اس مقصد کی تکمیل باقاعدہ اور منظم طریقہ سے جاری ہے اور طرہ یہ کہ اس کے کرتا دھرتا بعض نام نہاد مسلمان ہیں جن میں خواجہ شمس الدین عظیمی سرفہرست ہیں جنہوں نے سلسلہ عظیمیہ روحانیہ قائم کر رکھا ہے اور اس روحانی سلسلہ کا جال پورے ملک میں پھیلا رکھا ہے۔ کراچی اور لاہور میں بڑے بڑے 'مراقبہ ہال' تیار کر رکھے ہیں جہاں مرد و زن کو مخلوط ریاضتیں کروائی جاتی ہیں (نعوذ باللہ)۔ یہ لوگ ''روحانی ڈائجسٹ'' کے نام سے رسالہ جاری کرتے ہیں جس پر جلی حروف میں لکھا ہوتا ہے کہ

''یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے''۔

نیز ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ہم مراقبوں کے ذریعے روحانی علاج کرتے ہیں اور یہ اپنے خود ساختہ روحانی طریقے سے ہر طرح کا مرض دور کرنے کا چیلنج کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے خیال کے مطابق ہر شخص کو حالتِ بیداری میں اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب پیغمبر ﷺ کا دیدار کروایا جاتا ہے اور نیک لوگوں کی روحوں سے بھی ملاقات کروائی جاتی ہے......!

حالانکہ یہ تمام دعوے جھوٹے ہیں اور گیان دھیان، ریاضتوں اور مراقبوں کا ایسا کوئی نظام قرآن و سنت میں موجود نہیں اور نہ ہی صحابہ کرام اس طرح کی مافوق الفطرت ریاضتیں اور راہبانہ حرکتیں کیا کرتے تھے۔

آپ خود ہی فیصلہ کرلیں کہ جس مراقبے کے نام پر مرد و زن کی مخلوط محفلیں سجائی جائیں، گھنٹوں مراقبہ کی حالت طاری کر کے فرضی نمازیں ضائع کی جائیں، اس کی اسلام میں گنجائش ہو سکتی ہے؟!

اسی طرح روحوں سے باتیں کروانا بھی ایک دھوکا اور جادوئی و شیطانی کام ہے۔ امام ابن تیمیہؒ روحوں کے حاضر ہونے کی حقیقت واضح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ

''بسا اوقات مشرک لوگ کسی مردے کو پکارتے ہیں اور شیطان اس (مردے) کی شکل میں ان کے سامنے آجاتا ہے اور بعض اوقات شیطان کسی زندہ شخص کی صورت میں ان کے سامنے نمودار ہو جاتا ہے اور وہ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ وہی شخص ہے جسے ہم نے پکارا ہے حالانکہ وہ شیطان ہوتا ہے''۔[1]

(۱) مجموع الفتاویٰ، ج ۱۹ ص ۴۷۔

امام موصوف سورۂ اخلاص کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

"بعض لوگوں نے اپنے شیخ کو دہائی دی اور ان کو اس شیخ کی صورت نظر آ گئی اور بعض اوقات تو وہ شیخ ان کا کوئی کام بھی کر دیتا ہے جس سے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا شیخ حاضر ہوا تھا یا پھر کوئی فرشتہ اس شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا جو اس شیخ کی کرامت ہے۔ اس سے ان کا مشرکانہ عقیدہ اور زیادہ راسخ ہو جاتا ہے حالانکہ انہیں معلوم نہیں کہ اس طرح کے کام شیاطین، بت پرستوں کے ساتھ بھی کرتے رہتے ہیں اور وہ ان بت پرستوں کے سامنے بھی ظاہر ہوتے ہیں اور ان کے بعض کام بھی کر دیتے ہیں۔ لہٰذا یاد رہے کہ یہ تمام (شرکیہ امور) خیر القرون کے بعد کی پیداوار ہیں"۔[1]

قرآن وسنت کے محکم اور واضح احکام پر عمل کرنے ہی میں نجات ہے لہٰذا ان تمام جادوئی اور شیطانی ہتھکنڈوں سے دور رہنا چاہئے۔

یہ مراقبے انسان کو پاگل بھی کر دیتے ہیں

روحانیت کے نام پر جو مراقبے کروائے جاتے ہیں، ان سے انسان کے پاگل اور ذہنی مریض ہونے کا بڑا خطرہ ہوتا ہے۔ میرے پاس کئی ایسے لوگ آئے ہیں جنہیں مراقبوں کا شوق رہا تھا اور انہوں نے خود یہ بتایا کہ لمبے مراقبوں کی وجہ سے ان کا ذہنی توازن بہت بگڑ گیا ہے۔

دراصل مراقبوں میں انسان کے ذہن پر بہت زور ڈالا جاتا ہے۔ اسے ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ اپنے ذہن سے تمام موجود خیالات نکالنے کی کوشش کرو اور دوسری طرف یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں ہستی کا تصور کرلو۔ اگر کوئی اللہ یا اللہ کے رسول ﷺ کے دیدار کے چکر میں مراقبے کرتا ہے تو اسے خیالی طور پر اللہ اور رسول ﷺ کی تصویریں ذہن میں بٹھانے کی کوشش کرائی جاتی ہے۔ کسی کو پیر، بزرگ وغیرہ کے دیدار کا مراقبہ کروایا جاتا ہے۔ کسی کو فرشتوں اور شیطانوں کا، کسی کو ماضی کا، کسی کو مستقبل کا، کسی کو ملاءِ اعلیٰ کا، کسی کو آخرت اور جنت، جہنم کا مراقبہ کروایا جاتا ہے۔

یہ مراقبے ایک آدھ مرتبہ نہیں، بلکہ بے شمار مرتبہ کروائے جاتے ہیں، حتیٰ کہ مراقبہ کرنے والے کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ اسے سوتے جاگتے وہی چیز نظر آنے لگتی ہے، جس کا اسے مراقبہ کروایا جا رہا ہوتا ہے۔ یہ حقیقت نہیں ہوتی بلکہ محض وہ خیالات اور تصورات ہوتے ہیں جو اس کے ذہن میں ڈالے جاتے ہیں یا جو وہ

---

(۱) تفسیر سورۃ اخلاص، ص۱۱۸۔

خود ہی ذہن میں بٹھالیتا ہے۔شروع شروع میں اس چیز کی فرضی تصویر بھی دکھائی جاتی ہے جس کے لیے مراقبہ مطلوب ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی بچے کے ذہن میں کسی چیز کا خوف بٹھادیا جائے تو وہ سوتے جاگتے اسی چیز کو دیکھتا، خیال کرتا اور اس سے ڈر اور خوف کا اظہار کرنے لگتا ہے۔

ان کاموں میں شیطان بھی دلچسپی لیتا ہے اور ایسے لوگوں کو مزید گمراہ کرنے کے لیے اپنے وسوسے تیز کر دیتا ہے۔ کبھی خواب میں آ کر اسے وہ صورتیں دکھاتا ہے، جن کا وہ مراقبے میں تصور کرتا ہے یا کبھی بیداری کی حالت میں آ کر اسے احساس دلاتا ہے کہ جس ہستی کا وہ مراقبہ میں تصور کرتا ہے، وہ اس کے سامنے آ گئی ہے۔حتیٰ کہ بعض کے ساتھ تو شیطان گفتگو بھی کرتا ہے۔اس سطح پر پہنچ کر یا تو انسان پاگل اور خبطی ہو جاتا ہے یا پھر اس کے لیے راہِ حق کی طرف پلٹنے کے دروازے تقریباً بند ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے علاوہ سب کو غلط سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ایسی کسی آزمائش میں مبتلا ہونے سے بچاؤ کے لیے اللہ سے پناہ ہی مانگنی چاہیے۔ اور جس کا ساتھ یہ صورت حال پیدا ہو جائے ، اسے چاہیے کہ وہ خلوص دل سے توبہ کرے اور ہر وقت اللہ سے ہدایت اور خاتمہ بالایمان کی دعا کرتا رہے۔

اللہ کے نام کا مراقبہ

کچھ عرصہ پہلے میرے پاس ایک پرچہ آیا جس پر جلی حروف میں یہ لکھا تھا:

''اللہ کی پہچان اور رسائی کے لیے روحانیت سیکھو! خواہ آپ کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو۔''

اس پرچے میں بڑی عجیب وغریب باتیں لکھی ہوئی تھیں اور یہ ایک ایسے شخص کی طرف سے تھا جس نے اپنے بارے میں کبھی مسیح ہونے کا اور کبھی امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور اس کے عجیب وغریب شرکیہ عقائد کی بنیاد پر اہل علم نے اس پر کافر ومرتد کا فتویٰ لگایا تھا یعنی ریاض احمد گوہر شاہی، یہ شخص اب فوت ہو چکا ہے۔اس پرچے میں اللہ کی پہچان کے لیے درج ذیل طریقہ کار تجویز کیا گیا تھا:

''۱)......سفید سادہ کاغذ پر سیاہ روشنائی سے خوبصورت ''اللہ'' لکھیں اور جتنا زیادہ ممکن ہو اس لفظ کو دیکھیں۔

۲)......ایک چھوٹے بلب پر پیلی سیاہی سے ''اللہ'' لکھیں اور رات سونے سے پہلے کچھ دیر اس کو بغور دیکھیں۔اس عمل کو کرنے کے کچھ دن بعد ہی آپ دیکھیں گے کہ اللہ کا نام آپ کی آنکھوں میں جھلملا

رہا ہے۔اب آپ بلب یا لکھے ہوئے اللہ کے نام کو دیکھنا بند کر دیں۔اب اس نام (اللہ) کو بہت توجہ اور ارتکاز سے کوشش کریں کہ یہ نام آپ کو اپنے دل پر نظر آ جائے۔جب آپ اپنے دل پر یہ اسم اللہ لکھا دیکھیں تو آپ محسوس کریں کہ آپ کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی ہے۔

۳)......اپنے دل کی دھڑکن کے ساتھ آپ پوری توجہ سے دل میں اللہ اللہ پڑھیں۔اس طریقہ کے عملی نمونہ سے کچھ ہی دنوں میں آپ محسوس کریں گے کہ آپ کا دل صرف دھڑک ہی نہیں رہا بلکہ وہ اللہ کے نام سے گونج رہا ہے۔

۴)......رات کو سونے سے پہلے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے کچھ دیر تک اپنے دل کے مقام پر اللہ لکھیں اور لکھتے وقت تصور کریں کہ آپ کا پیر و مرشد امام روحانی استاذ گرو جو بھی آپ کے مذہب میں ہو یا کوئی بھی ایسا شخص جس پر آپ کو اعتماد ہو وہ آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہے اور اللہ لکھ رہا ہے۔اب جو بھی ہستی آپ کے سامنے آئے وہی ہستی اللہ کی طرف سے آپ کی رہنمائی کے لیے بھیجی گئی ہے۔اب اپنی روحانی ترقی کے لیے آپ اس ہستی کو تلاش کریں جو آپ کے سامنے آئی تھی۔اگر آپ کے سامنے کوئی نہ آئے تو تصور کریں کہ میں (ریاض احمد گوہر شاہی) ہوں آپ مجھ سے رابطہ کریں۔‘‘

ہمارا تبصرہ

اس پرچے میں اور بھی اس طرح کی عجیب و غریب خرافات پائی جاتی ہیں مگر سمجھانے کے لیے اتنا ہی نمونہ کافی ہے۔اسے پڑھ کر آپ خود ہی یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اللہ تک رسائی کا یہ طریقہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔اللہ کے آخری پیغمبر جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی تبلیغ اور اللہ کی توحید کی طرف بلانے کے لیے ایسا کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا۔آج جو لوگ اس طرح کی عجیب و غریب حرکتیں کرتے ہیں، یہ ذاتی مفاد کے لیے ایسا کرتے ہیں۔خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔اللہ ان کے شر سے بچائے اور جو اس طرح گمراہی کی راہ پر چل رہے ہیں، انہیں ہدایت عطا فرمائے، آمین۔

......☆......